بسم اللہ الرحمن الرحیم

مددِ غفار الملقب بہ

ہدایۃ الطریق فی بیان التقلید والتحقیق

اور

الدلائل السنیہ فی تقدیر شعور النساء والحجاب الشرعیہ

تالیف :

حضرت علامہ سید محمد دیدار علی شاہ صاحب الوری علیہ الرحمۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اما بعد حمد وصلوۃ جمیع اہل اسلام پر واضح ہو کہ مختلف مقامات پر زمانہ طالب علمی سے آج تک اس احقر العباد ابو محمد محمد دیدار علی غفر اللہ لہ ولوالدیہ الوری سے جو جو معاملات غیر مقلدین کے ساتھ واقع ہوئے اور مناظروں کا اتفاق ہوا اور وہ سب خاکسار کے پاس مختلف پرچوں میں قلم بند تھے اور بعض مقامات پر بعض لوگ ان کو سن کر تائب بھی ہوئے اور ہوتے ہیں لہذا بداعیہ بعض احباب بامید ثواب بغرض ہدایت بعض غیر مقلدین با انصاف اولی الالباب ان سب کا بطریق سوال و جواب ایک جگہ جمع کر دینا مناسب سمجھا گیا تا کہ ناظرین با انصاف بنظر انصاف اس کو ملاحظہ فرما کر اس گروہ قلیل کے فریبوں سے محفوظ رہیں۔ اور اس گروہ کے اہل انصاف انصاف کی نظر سے ملاحظہ فرما کر صراط مستقیم جمہور اسلام اختیار کریں۔ اور رخنہ اندازی سے جماعت اہل اسلام میں خود بچیں اور دوسروں کو بچائیں۔ اللھم اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین. وجمیع المومنین والمسلمین. امین. امین. ثم امین. وھا انا اشرع فی المقصود. متوکلاً علی و اھب الخیر والجود.

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على حبيبه سيد المرسلين واله واصحابه اجمعين۔

محمدی۔ اجی حضرت کتراتے کیوں ہو۔ ذرا آؤ تو اگر اپنی تقلید پر کوئی دلیل رکھتے ہو لاؤ۔ اس تقلید میں کب تک پھنسے رہو گے۔ میاں جس کا کلمہ پڑھتے ہو اسی کے بنے رہو۔ حنفی یا شافعی ہونے سے توبہ کر کے محمدی بن جاؤ تا کہ قید تقلید سے

رہائی پاؤ۔ اس تقلید سے خدا کے لیے خود بچو اور دوسروں کو بچاؤ۔

مقلد۔ مولوی صاحب! کیا ہم محمدی نہیں ہیں! اجی حضرت محمدی تو جتنے کلمہ گو ہیں خواہ وہ سنی ہوں یا شیعہ رافضی ہوں یا خارجی سب ہی ہیں۔ کوئی مسلمان بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں موسوی ہوں یا عیسائی ہوں۔ مگر چونکہ محمدیوں کے بھی مثل عیسائی وغیرہ کے بہت سے فرقے ہیں لہذا پہچان کے لیے ضرور کہا جاتا ہے کہ محمدیوں میں سے ہم سنی ہیں۔ دوسرا کہتا ہے ہم شیعہ ہیں۔ اسی طرح سنیوں میں بوجہ اختلاف تحقیقات چار اماموں کے بعض مسائل اجتہادیہ میں کہ جن کی مقدار غالباً شاہ صاحب نے تحفہ میں دوسو یا چار سو لکھی[1] ہے۔ چونکہ بظاہر چار گروہ ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ میں حنفی ہوں یعنی بموجب تحقیق امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قرآن پر اور قول و فعل رسول اللہ علیہ ﷺ پر عمل کرتا ہوں۔ کوئی کہتا ہے کہ میں تحقیقات امام شافعی رحمہ اللہ کا پابند ہوں۔ علیٰ ہذا القیاس۔ ورنہ بوجہ اتفاق اصول عقائد اور اکثر مسائل کے یہ چاروں گروہ باہم شیر وشکر رہتے ہیں اور خود کو ایک ہی گروہ اہلسنت و جماعت سمجھتے ہیں۔ ہاں اگر محمدی سے مراد آپ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو محمد بن عبدالوہاب نجدی کے پیرو ہیں۔ جس کا بے دین ہونا تاریخ مکہ مصنفہ سید احمد دحلان رحمہ اللہ اور بوارق وغیرہ سے ثابت ہے۔ جس کے پیرووں کا نام پہلے وہابی مشہور تھا اب چندروز سے بمصلحت انھوں نے اپنا نام محمدی مشہور کر رکھا ہے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ خدا ہم کو اور تمام مسلمانوں کو ایسے محمدیوں سے بچائے مگر تم جو بار بار

[1] چنانچہ کید بست ونہم تحفہ اثنا عشریہ میں ہے "وعجب است از شریف مرتضیٰ کہ دریں حکایت کثرت اختلاف رانسبت باہل سنت کردہ حالانکہ اہل سنت را در اصول عقائد واعمال اختلافے نیست اگر اختلافیست در فروع است وانہم منجر بہ تکفیر وتفسیل ہمدیگر نمیشود ومعہذا اختلاف از اتفاق بسیار کمتر است بعد از تفحص واستقرا مجموع مسائل مختلف فیہما در مذہب اربعہ سی صد وچند مسئلہ فروعی یافتہ اند کہ دراں تصریح موجود نیست ۱۲ منہ غفرلہ۔

رستہ چلتے مسلمانوں کو بلا بلا کر چھیڑتے ہو اور پھر اس تہذیب کے ساتھ کیا اتباع حدیث اسی تہذیب کا نام ہے؟ لو آج فیصلہ کرلو۔ اور پہلے یہ تو بتاؤ کہ تم تقلید کے معنی کیا سمجھے ہوئے ہو؟

محمدی: میاں تقلید اسی کو کہتے ہیں کہ بلا دلیل قرآن اور حدیث کے کسی کے قول کو مان لینا۔

مقلد۔ بھلا صاحب یہ بات ہر شخص کو ہمیشہ بالکل حرام ہے یا کسی وقت کسی کو جائز بھی ہے؟

محمدی۔ حکم شریعت ہر وقت ہر شخص کے حق میں برابر ہے لہذا ہر شخص پر ہر وقت تقلید حرام ہے۔ دیکھو قرآن مجید میں ہے ان الحکم الا للہ یعنی بجز خدا کے کسی کا حکم قابل اطاعت نہیں ہے۔ اور جو لوگ اپنے عالموں اور درویشوں کے قول و فعل کی پیروی کرتے تھے ان کی شان میں اللہ اس طرح فرماتا ہے

اتخذوا احبارھم و رھبانھم ارباباً من دون اللّٰہ والمسیح ابن مریم و ما امروا الا لیعبدوا الھاً وّاحدًا لآ الہ الا ھو سبحانہ عما یشرکون۔

یعنی ٹھہرایا انھوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو مالک اپنا ورے اللہ سے اور مریم کے بیٹے مسیح کو حالانکہ ان کو تو حکم یہی ہوا ہے کہ بندگی کریں ایک مالک کی کہ نہیں کوئی مالک سوا اس کے نرالا ہے ان کے شریک بنانے سے اور ترمذی شریف میں ہے۔

عن عدی بن حاتمؓ قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقرا. اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربا باً من دون اللّٰہ. قال انھم لم یکونوا یعبدونھم ولکنھم کانوا اذا احلولھم شیئًا استحلوہ و اذا

حرموا علیهم شیئاً حرموه۔

یعنی حضرت عدی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ اس آیت کو پڑھ کر فرماتے تھے کہ یہ مراد نہیں ہے کہ وہ لوگ اپنے عالموں اور درویشوں کی عبادت کرتے تھے بلکہ جس چیز کو ان کے عالم حلال کر دیتے اس کو حلال سمجھ لیتے تھے اور جس کو وہ حرام کر دیتے تھے اس کو حرام سمجھ لیتے تھے۔ جس طرح فی زمانہ مقلدوں کا حال ہے۔

اور دوسری جگہ اللہ فرماتا ہے

ام لهم شركاء شرعوا لهم من الدين مالم ياذن بہ اللہ۔

یعنی کیا واسطے ان کے خدا کے شریک ہیں کہ انھوں نے راہ ڈالی ہے ان کے واسطے دین کی جس کا حکم نہیں دیا اللہ نے

اور اس قسم کی آیتیں حدیثیں بہت ہیں جن سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ سوائے خدا رسول کے کسی کی پیروی اور تقلید جائز نہیں۔ دیکھو اسی واسطے سعدی علیہ الرحمۃ بھی فرماتے ہیں۔

عبادت بہ تقلید گمراہی است   خنک رہروے را کہ آگاہی است

اور مولانا روم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

دین شاں تقلید شاں برباد داد   ہفت صد لعنت براں تقلید باد
زانکہ تقلید آفت ہر نیکو یست   کہ بود تقلید اگر کوہ قویست
بشنو ایں قصہ پے تہدیدرا   تابدانی آفت تقلید را
از محقق تا مقلد فرقہاست   کاں چو آوازست وایں دیگر صداست
نوحہ گر باشد مقلد در حدیث   جز طمع بنود مراد آں خبیث
آں مقلد صد دلیل و صد بیاں   برزباں آرو ندارد ہیچ جاں

بسکہ تقلید است آں ایمان او   روئے ایماں رانہ دیدہ جان او
بس خطر باشد مقلد را عظیم   از رہ رہزن و شیطان رجیم
کور کورہ جویداز کور وگر   درچہے او باز افتدز ودتر
صد دلیل آرو مقلد درمیاں   از قیاسے گوید اور از عیاں
دین حق راچار مذہب ساختند   رخنہ در دین نبی اند اختند

مقلد: مولانا! یہ تقریر تو آپ نے ایسی بیان کی کہ جاہل غیر صحبت یافتہ علماء اہلسنت والجماعۃ تو بلاشک اس کو سن کر ضرور فریفتہ ہو جائے۔ دین سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ مگر حضرت ہم نے تو بڑے بڑے علماء دین کی صحبت اٹھائی ہے۔ خود بھی کچھ لکھا پڑھا ہے۔ آپ تو عالم ہیں۔ آپ کو اتنا خیال نہیں کہ اول میں نے کیا کہا تھا اور اب کیا کہہ رہا ہوں۔ اول تو آپ نے فرمایا تھا کہ تقلید بلا دلیل قرآن وحدیث کے کسی کے قول ماننے کو کہتے ہیں۔ اور پھر فرمایا کہ یہ ہر شخص کو ہر وقت حرام ہے اور پھر دلیل حرمت تقلید پر وہ آیت پیش کی جس کے لفظی معنوں کو حرمت تقلید سے لگاؤ ہے نہ حلت سے کیونکہ لفظی معنی تو آیت کے اتنے ہی ہیں کہ ''یہود اور نصاریٰ نے اپنے عالموں اور درویشوں اور مسیح علیہ السلام کو رب یعنی پروردگار بنالیا۔ حالانکہ ان کو حکم نہیں کیا گیا تھا مگر یہی کہ عبادت کریں وہ اللہ یکتا کی۔'' فقط دعویٰ حرمت تقلید کا کیا اور دلیل حرمت عبادت غیر اللہ کی بیان کی۔ اور پھر آیت کو اپنے مطلب کے موافق بنانے کی غرض سے ترمذی کی وہ حدیث بیان کی کہ جس حدیث کا حدیث ہونا فقط ترمذی کے قول بلا دلیل مان لینے پر موقوف ہے کہ جو عین تقلید ہے ایسے قول کی کہ جو ظاہر معنی قرآن کے بالکل مخالف ہے۔ حالانکہ ترمذی خود اس حدیث کے حدیث ماننے میں مقلد ہیں۔ اپنے استاد حسین بن یزید کوفی کے اور وہ اپنے

استاد عبدالسلام بن حرب کے اور وہ اپنے استاد عظیف بن عین کے اور وہ مصعب بن سعد کے۔ لہذا ترمذی علیہ الرحمۃ جیسے مقلدوں کی مقلد کی جواز تقلید پر آپ کے پاس کونسی آیت یا حدیث ہے کہ جس میں اللہ نے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ ترمذی جو کچھ کہیں اس کو بلا دلیل قرآن وحدیث مان ہی لینا۔ گو اس کے مان لینے میں ظاہر معنی قرآن کی بھی مخالفت کیوں نہ ہو اور وہ لوگ جن کی تقلید سے امام ترمذی علیہ الرحمۃ کسی امر کو رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت کریں کیسے بھی ہوں حضرت من حسین بن یزید کوفی استاد امام ترمذی کو محدثین لین الحدیث لکھتے ہیں۔ یعنی روایت حدیث میں ان کے قول کو ایودا جانتے ہیں۔ اور غطیف پر دادا استاد ترمذی کو روایت حدیث میں ضعیف تحریر فرماتے ہیں۔ لہذا آپ تو ضعیف رایوں کی تقلید کرنے والوں کی تقلید میں باوجود ہونے اس تقلید کے مخالف ظاہر معنی قرآن گرفتار ہو کر مرتکب حرام بن گئے اور دوسرے مسلمانوں کے واسطے تقلید مطلقاً حرام فرماتے تھے۔ وجہ یہ ہے کہ آپ کو سوا اپنے گروہ کے تمام مسلمانوں کو یہود اور نصاریٰ اور مشرکین میں داخل کر کر خارجیوں کی علامت جو حضرت عبداللہ بن عمر سے بخاری شریف میں مذکور ہے اپنے درمیان ظاہر کر دکھانا ہے۔

کتاب استتابۃ المعاندین والمرتدین بخاری شریف میں ہے۔ باب قتل الخوارج میں

وکان ابن عمر یراھم شر ارخلق اللہ وقال انھم انطلقوا الی ایات نزلت فی الکفار فجعلوھا علی المومنین

یعنی امام بخاری تعلیقات میں فرماتے ہیں کہ ابن عمر خارجیوں کو شریر

۱ چنانچہ نخبۃ الفکر میں ہے۔ واسھلھا فلان لین الحدیث اوسی الحفظ ۱۲ منہ رحمہ اللہ

ترین مخلوقات خدا سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ انھوں نے جو آیتیں کافروں کے بارہ میں نازل ہوئی ہیں ان کو مومنین کی شان میں پڑھنا شروع کر دیا تھا۔

جس طرح آپ اور آپ کے گروہ کے لوگ کر رہے ہیں۔ اس لیے کہ یہ تینوں آیتیں اور علاوہ اس کے اس قسم کی اور آیتیں جیسے

الذین فرقوادینھم وکانو اشیعاً۔ اور قالو ابل نتبع ما الفینا علیہ ابائنا اولو کان ابائھم لایعقلون شیئًا ولا یھتدون۔

جن کو مقلدین کی شان میں آپ لوگ لکھتے پڑھتے ہیں۔ یہ سب ان یہود اور مشرکین کے بارہ میں نازل ہوئی ہیں جو ان عالم اور درویشوں کی تقلید کرتے تھے جن کو یقیناً جانتے تھے کہ یہ توریت اور انجیل میں بغرض تحصیل دنیا اور خوف زوال اپنی سرداری کے تحریف کرتے ہیں اور توریت اور انجیل کے صاف کھلے ہوئے حکموں کے مخالف جس چیز کو چاہتے حرام کر دیتے ہیں اور جس چیز کو چاہتے حلال کر دیتے ہیں۔ یا ان لوگوں کے بارہ میں ہیں جو بتوں کو پوجتے تھے چڑھاوے چڑھاتے تھے اور اس امر میں اپنے باپ دادوں کی تقلید میں گرفتار تھے۔ سو ایسی تقلید باتفاق سب کے نزدیک حرام ہے۔ ذرا انصاف سے تفسیروں کو ملاحظہ کیجئے اور صرف اپنے وہم وخیال اور اس قسم کے اردو رسالہ نویسوں کی تقلید نہ کیجئے غضب تو یہ ہے کہ ایسے ہی کاذب بہتان بند گمراہوں کی تقلید سے کہ جو بالکل حرام ہے بوستان اور مثنوی شریف کو بھی آپ نے نہ دیکھا اور جھٹ بے علموں کو فریب دینے کی غرض سے انہی کے رسالوں کی تقلید کے بھروسہ پر آپ یہ اشعار حرمت تقلید پر پڑھنے بیٹھ گئے۔ لو یہ بوستان ہے یہ مثنوی ہے ذرا نکال تو دو۔ اجی حضرت! ورق گردانی سے کیا فائدہ۔ آپ کو اور بوستان اور مثنوی

شریف سے علاقہ دیکھو۔ بوستان میں یہ شعر اس تقلید کی برائی میں ہے جو پنڈت سومنات بت کے پوجنے میں عبادت کرنے میں اپنے باپ دادوں کی تقلید کرتے تھے ایسی تقلید کے ساتھ عبادت کرنے کو گمراہی فرماتے ہیں۔ علیٰ ہذا مثنوی شریف میں یہ سب اشعار اس تقلید کی مذمت میں ہیں جس میں بجز اولیاء اللہ کے ہم تم سب گرفتار ہیں۔ اور وہ تحقیق جس کو مولانا فرماتے ہیں بجز پیروی اور تقلید اولیاء اللہ کے حاصل ہو نہیں سکتی۔ مراد ان کی یہ ہے کہ باپ دادا سے خدا خدا سن کر ان کی تقلید سے جیسا خدا کو جان رہے ہو اسی تقلید میں مت پھنسے رہو بلکہ اولیاء اللہ کی طرح ایسی کوشش کرو کہ آنکھوں سے دیکھی ہوئی چیز میں شک ہو جائے۔ مگر خدا کے خدا ہونے میں جیسا اس کو بتقلید علماء جانتے ہو اور اس کی کسی صفت میں شک کیا وہم بھی نہ واقع ہو بلکہ بجز خدا کے کچھ نظر نہ آئے۔ دیکھو اس مضمون کا کیا عمدہ ہندی دوہرہ ہے۔

دیکھتے دیکھتے ایسا دیکھ۔ مٹ جائے دھوکا رہ جائے ایک۔

اس کے آفتاب وجود کے سامنے تمام عالم اور اپنا وجود بے بود اور نیست و نابود نظر آنے لگے تاکہ پھر تمام وہم اور شبہوں سے نجات حاصل ہو جائے اور زوال ایمان کا خطرہ باقی نہ رہے۔ ورنہ اس تقلید سے خدا کے خدا جاننے کے راستہ میں بہت سے خطرے ہیں۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ جو نفحات میں مولانا جامی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے مشہور ہے کہ باوجود ایک سو ایک دلیل رکھنے کے وحدانیت خدا پر جب شیطان نے سو دلیلوں کو توڑ دیا اگر دستگیری اہل اللہ اور فضل خدا نہ ہوتا تو ان کا ایمان فقط ایک دلیل پر باقی رہ گیا تھا لہذا جب تک یہ تقلید ہے فرماتے ہیں کہ محبت

دنیا میں پھنسے ہوئے ہو ورنہ جب اولیاء اللہ کی طرح خدا کو اور اس کی صفات کو جان لیا پھر خدا مع جمیع صفات مثل آنکھوں کی دیکھی ہوئی چیز کے نظر آنے لگتا ہے۔ اور محبت غیر اللہ کا فور ہو جاتی ہے چنانچہ فرماتے ہیں شعر۔

نفس تو سرمست نقلست و نبید — زانکہ روحت خوشہ غیبی نچید
مرغ چوں بر آب شورے می تند — آب شیریں راندیداست و مدد
بلکہ تقلید است آں ایمان او — روئے ایماں راندیدہ جان او
بس خطر باشد مقلد را عظیم — از رہ و رہزن و شیطان رجیم
چوں بہ بیند نور حق ایمن شود — ز اضطرابات شک او رکن شود
صد دلیل آرد مقلد درمیان — از قیاسے گوید اورا نزعیاں
آں مقلد صد دلیل و صد بیاں — برزباں آرد ندارد ہیچ جاں
چونکہ گوئندہ ندارد جان وفر — گفت اورا کے بود برگ و ثمر
شیخ نورانی زراہ آگاہ کند — پاسخش ہم نور را ہمراہ کند
جہد کن تا مست و نورانی شوی — تا حدیثت راشود نورت روی

یعنی تیرا نفس چونکہ مست کھانے پینے کا ہے اور نور غیبی سے بالکل ناواقف لہذا اس کی شان بعینہ اس جانور کی سی ہے جو بوجہ ناواقفی کے شیریں پانی سے کھاری پانی پر گرا پڑتا ہے اور اپنے ماں باپ کی تقلید سے اس کی عمدگی پر ایمان رکھتا ہے۔ اسی طرح تیرا نفس دنیا پر بوجہ ناواقفی کے نور غیبی سے گرا پڑتا ہے۔ اور اگر نور حق اس پر ظاہر ہو جاتا تو تمام اضطرابات اور شکوک سے رہائی پا کر سچا بندہ خدا کا بن جاتا اور بغیر اس نور کے اگرچہ اس کی محبت حاصل کرنے پر اور اس کی ذات وصفات پر سیکڑوں دلیلیں لا رہا ہے مگر وہ سب دلیلیں قالب بیجان ہیں اور شیخ نورانی جو راہ بتلاتا ہے اس کی باتوں کے ساتھ نور الٰہی ہمراہ ہوتا ہے اور وہ خود اس

نور میں غرقاب رہتا ہے۔ لہذا تو بھی نورانی بننے کی کوشش کر اور کسی نورانی کو ڈھونڈھ کر اس کا پیرو بن جا تا کہ تو بھی غرقاب نور ہو جائے۔ چنانچہ دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

کیف مد الظل نقش اولیاست — او دلیل نور خورشید خداست
روز سایہ آفتاب رابیاب — دامن چوں شمس تبریزی بتاب
خاک شو مردان حق را زیرپا — خاک برسرکن حسد راہم چوما

یعنی وہ جو قرآن مجید میں ہے کہ ہم نے سایہ کو کیسا پھیلایا ہے اس سایہ سے مراد اولیاء اللہ ہیں کہ ان سے خدا کا پتہ لگ جاتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ سایہ کی طرف سے چل تا کہ آفتاب کو پالے یعنی کسی شمس تبریز جیسے کامل کا دامن پکڑ لے اور مردان خدا کے پاؤں کی خاک بن جا اور حسد کو چھوڑ دے تا کہ پھر بجز خدا کے کچھ نظر نہ آئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

آنکہ اواز پردۂ تقلید جست — اوبنوددو حق بہ بیند ہرچہ ہست
نور پاکش بے دلیل و بے بیاں — نور بشگافد بیاید درمیاں

یعنی جو شخص پردہ تقلید سے رہائی پالیتا ہے تو وہ پھر وہ نہیں رہتا۔ لہذا جو کچھ دیکھتا ہے خدا ہی کو دیکھتا ہے اور اس کا دیکھنا نہ دلیل کا محتاج رہتا ہے نہ بیان کا بلکہ اس کی ہر بات سے نور خدا پیدا ہوتا ہے، اور یہ آپ کا شعر اول اس حکایت میں ہے جس میں اس مکار صوفی کی مذمت ہے جو رات بھر ''خر برفت و خر برفت'' پر حالت وجد میں رہا تھا چنانچہ فرماتے ہیں۔

زیں حرارت پائے کوباں تاسحر — کف زناں خررفت وخررفت اے پسر

جب صبح ہوئی خادم سے صوفی نے اپنا گدھا طلب کیا۔ وہاں گدھا کہاں تھا۔ اہل بزم نے اسی گدھے کو تو بیچ کر انتظام سماع کیا تھا اور قوالوں کو یہ مصرعہ سکھا دیا

تھا۔ خادم نے عرض کیا حضور گدھا تو رات ہی سے غائب ہے۔ صوفی نے کہا اب اہل بزم متفرق ہو گئے تم نے رات ہی کو کیوں نہ کہا۔ خادم نے عرض کیا کہ حضور میں نے کئی بار عرض کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر جب آیا حضور کو کف زناں ''خر برفت و خر برفت'' کہتا پایا۔ میں نے سمجھا کہ حضور ہی کی اجازت سے گدھا گیا ہے مجبوراً چپ ہو رہا۔ یہ سن کر صوفی متحیر ہو کر کہنے لگا۔

مر مرا تقلید شاں بر باد داد — کہ دو صد لعنت برآں تقلید باد

ہاں اس میں شک نہیں کہ آپ نے یا جس فریبی کی تقلید سے آپ نے یہ شعر پڑھا ہے اس نے بغرض رہزنی عوام اہل اسلام اس شعر میں بھی تحریف کی کہ ''مرمرا'' کی جگہ ''دین شان'' کا لفظ رکھ دیا تا کہ مسلمان دھوکہ کھا جائیں۔ علیٰ ہذا اور اس قسم کے جتنے شعر مثنوی شریف میں ہیں وہ ایسے ہی موقعوں کے ہیں۔ اور شعر آخر یعنی۔ ''دین حق را چار مذہب ساختند''۔ الخ یہ مولانا پر محض افترا اور بہتان ہی ہے۔ اگر مثنوی میں دکھا دو تو ابھی دوسو روپے انعام دیتا ہے۔

مولوی صاحب! میں نے اکثر معتبر لوگوں سے سنا ہے کہ بمبئی کے شیعوں نے زمانہ غدر کے قریب ایک مثنوی چھپوائی تھی جس میں اکثر اس قسم کے شعر بھی بنا کر چھپوا دیئے تھے۔ مگر بفضلہٖ تعالیٰ بعد نالش کرنے اور الحاقی ثابت ہو جانے ان شعروں کے مثنوی کے وہ سب نسخے دریا برد کر دیئے گئے منجملہ ان الحاقی شعروں کے ایک شعر یہ بھی ہے۔ اور دوسرے جو شعر مجھے یاد ہیں جن کا ساری مثنوی میں کہیں نشان نہیں ملتا یہ ہیں۔ بلکہ برخلاف ان کے جن سے ان شعروں کا رد ہوتا ہے بہت شعر پائے جاتے ہیں۔

چوں صحابہ حب دنیا داشتند — مصطفیٰ را بے کفن بگذاشتند (معاذ اللہ)
ہفتصد ہفتاد قالب دیدہ ام — ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ ام

من زقرآں مغز را بردا شتم　استخواں پیش سگاں اندا ختم

مگرافسوس یہ ہے کہ آپ لوگ بھی روافض کی تقلید کرنے لگے۔ کشف الحجاب میں مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب محدث پانی پتی رحمہ اللہ نے غیر مقلدوں کے مکروں کو جو روافض کے مکروں سے بعینہ مشابہ کر کے لکھا ہے جو کچھ لکھا ہے سچ لکھا ہے۔ اب تو آپ کو معلوم ہوگیا کہ مولانا کی مراد تقلید اور تحقیق سے اور ہے اور تقلید ائمہ مجتہدین جو مسائل اجتہادیہ میں غیر مجتہد پر واجب ہے وہ اور ہے مگر خیر لفظ تقلید ہی پر نظر رکھ کر کاش آپ مولانا معنوی رحمہ اللہ ہی کی تقلید کر لیتے اور ایسے دھوکہ بازوں کی تقلید سے جو حرام ہے پرہیز کرتے تو ضرور تقلید ائمہ مجتہدین کو مفید اور ضروری سمجھ لیتے اور کبھی ایسے لوگوں کی تقلید کر کے مجتہدین دین کی برابری کا دم نہ بھرتے اور بے سمجھے بوجھے مثل اس ناکردہ کار کے جو بڑے اعلیٰ درجہ کے استادوں کی کاروائی پر اعتراض کرے ائمہ دین پر اعتراض نہ کرتے۔ دیکھو مثنوی شریف کے دفتر پنجم میں مولانا فرماتے ہیں۔ مثنوی

یک مریدے اندر آمد پیش پیر　پیر اندر گریہ بود و در نفیر
شیخ راچوں دید گریاں آں مرید　گشت گریاں آب ور چشمش دوید
چوں لبسے بگریست خدمت کر د ورفت　از پیش آمد مریدے خاص تفت
گفت اے گریاں چو ابر بے خبر　ازوفاق گریہ شیخ از نظر
اللہ اللہ اے وافی مرید　گرچہ در تقلید ہستی مستفید
تانہ گوئی دیدم آں شہ میگریست　من چو اوبگریستم کایں منکریست
گریہ کر جہل و تقلید است وظن　نیست ہمچو گریہ آں مؤتمن

یعنی ایک مرید اپنے پیر کو روتا دیکھ کر خوب رویا۔ جب ایک خاص مرید نے اس مرید کو جو شیخ کی تقلید سے رویا تھا اور شیخ کے رونے کی حقیقت سے بے خبر تھا

دیکھا اس کو سمجھایا کہ اگرچہ شیخ کی تقلید سے رونا فائدہ مند ہے مگر یہ نہ سمجھ لینا کہ میرے رونے اور شیخ کے رونے کا مرتبہ برابر ہے۔ ایسا سمجھنا شیخ کے مرتبہ کا انکار کرنا ہے کیونکہ جو رونا عارفوں کا ہے ان کے مرتبہ کو بزرگوں کی تقلید سے رونے والوں کا رونا ہرگز برابر نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ اشعار

تو قیاس گریہ برگریہ ساز　ہست زیں گریہ بداں راہے وراز
ہست آں از بعدسی سالہ جہاد　عقل اینجا ہیچ نتواند فتاد

یعنی اس اپنے رونے کو شیخ کے رونے پر قیاس مت کرو کہ وہ رونا تیس سال کی محنت مشقت کے بعد کا ہے اور یہ رونا شیخ کے رونے کا پرتو ہے۔ بہرحال مراد مولانا کی یہ ہے کہ مجتہد محقق کے مرتبہ کو مقلد نہیں پہنچ سکتا۔ مگر مقلد کو چاہیے کہ مجتہدوں کی برابری کا خیال نہ کرے کہ یہ منکروں کا کام ہے۔ چنانچہ اسی حکایت کے درمیان میں فرماتے ہیں۔ ابیات

گوش کر یکبار خندد یا دو بار　چونکہ لاغ املاکند یاری بیار
بار اول ازرہ تقلید و سوم　کہ نمے بیند کہ مے خندند قوم
گر بخندوہم چو ایشاں بیگماں　بے خبر از حالت خندندگاں
پس مقلد نیز مانند کراست　اندراں شادی کہ اور اہبراست
پرتو شیخ آمد و منہل ز شیخ　قبض و شادی ترمریداں بل زشیخ
پرتو شیخ است و آں تقلید شیخ　چوں بہ بیند شادی از تائید شیخ
چوں سبد پرآب ونوری برزجاج　گرز خوددانند آں باشد لجاج
چوں جداگر دوز جو داند عنود　کاندروآں آب جوش از جوئے بود
آبگینہ ہم بد انداز غروب　کاں لمع بود ازمہ تابان خوب

یعنی بہرا جس طرح قوم کو ہنستا دیکھ کر بے اختیار ہنسنے لگتا ہے حالانکہ قوم کے

ہنسنے کی وجہ سے بالکل بے خبر ہوتا ہے۔ اسی طرح مرید مقلد شیخ بھی گو حقیقت حال سے کماحقہ بے خبر ہوتا ہے مگر جیسے بہرے کی ہنسی قوم کی ہنسی کا پرتو ہے مرید مقلد کا بھی غم اور شادی پرتو غم اور شادی شیخ کا ہے جیسے ندی میں ٹوکرا اپنے اندر پانی کو اور چاندنی میں آئینہ اپنے درمیان نور کو دیکھتا ہے مگر چاند سے جدا ہو کر آئینہ اور ندی سے جدا ہو کر ٹوکرا جانتا ہے کہ وہ پانی فی الواقع ندی ہی کا تھا اور وہ نور فی الواقع چاند کا تھا۔ اب اگر ٹوکرا اور آئینہ اس پانی اور نور کو اپنا ذاتی تصور کریں ان کی جہالت اور منکر ہونے کی دلیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ وغیرہ جملہ شاگردان امام اعظم رحمہ اللہ اگرچہ بعض مسائل میں بوجہ حاصل ہونے قوت استنباط اور اجتہاد کے بظاہر امام کے مخالف معلوم ہوتے ہیں مگر چونکہ جانتے ہیں کہ ہمارا اجتہاد پرتو اجتہاد امام کا ہے اور طفیل انہیں کے اصول اور قواعد کی پابندی کا۔ حاوی۔ قدسی وغیرہ معتبر کتابوں میں لکھا ہے کہ سخت اور غلیظ قسمیں کھا کر فرماتے ہیں کہ واللہ جو کوئی قول ہم نے کہا ہے وہ فی الواقع قول امام ہی کا ہے اور چونکہ کمالات فقاہت امام بخاری رحمہ اللہ پرتو کمالات امام شافعی رحمہ اللہ ہیں۔ مولانا شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ رسالہ انصاف میں تحریر فرماتے ہیں کہ محمد بن اسمعیل بخاری شمار کئے گئے ہیں طبقات شافعیہ میں اور ذکر کیا ہے ان کو طبقات شافعیہ میں بہتوں نے کہ منجملہ ان کے ایک تاج الدین سبکی رحمہ اللہ بھی ہیں۔ انھوں نے فرمایا ہے کہ فقاہت حاصل کی بخاری نے حمیدی سے اور حمیدی نے شافعی رحمہ اللہ سے الخ۔

محمدی۔ کیوں صاحب! کیا امام ترمذی یا امام بخاری یا امام مسلم رحمہم اللہ وغیرہ محدثین معتبر جن کی لکھی ہوئی کتب حدیث کو تمام مقلد وغیر مقلد اہل اسلام صحاح ستہ کہتے ہیں آپ نہیں مانتے کیا ترمذی کی حدیث جو بواسطہ حضرت عدی

تفسیر آیہ کریمہ۔ اتخذوا احبارھم ورھبانھم الخ۔ میں نقل کی گئی آپ کے نزدیک حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں۔ کیا مخالف جمہور آپ ان کتابوں کی حدیثوں وکے قول وفعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے میں ان محدثوں کی تقلید نہیں کرتے۔ کیا امام ترمذی کی اسناد حدیث آپ کے نزدیک قابل اعتبار نہیں۔ اگر نہیں تو مخالف جمہور اہل اسلام آپ کا اعتراض بے جا قابل سماعت نہیں۔ اور اگر قابل اعتبار ہیں اور آپ ان حدیثوں کے حدیث ہونے میں انہیں کی تقلید کرتے ہین تو ان کی تقلید کرنے میں ہم پر اعتراض کیوں؟ اور یہ جو آپ نے فرمایا کہ یہ آیتیں اراس قسم کی جتنی آیتیں غیر مقلدین مقلدین کی شان میں پڑھتے ہیں سب کفار اور مشرکین اور منافقین کی شان میں نازل ہوئی ہیں اور غیر مقلدین کا ان آیتوں کو مسلمانوں کی شان میں پڑھنا بموجب قول ابن عمر رضی اللہ عنہ شرار خلق اللہ بننا اور خارجیوں کی نشانی اپنے سر دھرنا ہے یہ آپ کا محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ اگر آپ کا دعویٰ صحیح ہے تو ذرا آپ ہی تفسیروں سے ثابت کر دیجئے کہ یہ سب آیتیں کفار اور مشرکین کی ہی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ مگر جب تفسیر قرآن میں حدیث ترمذی بیان کرنے میں بھی آپکو اعتراض ہے تو تفسیروں کے بیان کو تو آپ کیوں مانیں گے۔ لہذا بہتر تو یہ ہے کہ آپ نفس ترجمہ قرآن ہی سے یہ ثابت کر دکھائیں کہ یہ سب آیتیں مذکورہ مشرکین ہی کی شان میں ہیں مسلمان کچھ بھی کریں ان آیتوں کے مصداق نہیں بن سکتے۔ لو ذرا ایک آیت اور بھی سن لو۔ کہ جس سے صاف ثابت ہے کہ راستہ ایک ہی مستقیم اور سیدھا ہے۔ دیکھو سورۂ انعام کے اخیر رکوع میں ہے وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ ذالکم وصاکم بہ لعلکم تتقون ۔ یعنی اللہ جل شانہ فرماتا ہے کہ ''بے شک یہ راستہ میرا مستقیم ہے پس پیروی کرو تم اس کی

اور نہ پیروی کرو تم اور راستوں کی پس تفرقہ میں ڈال دیں گے وہ سب راستے تم کو
میرے اس مستقیم راستہ سے اسی بات کی اللہ تم کو وصیت کرتا ہے تا کہ تم ڈرو‘‘ کیا
یہ بھی مشرکین ہی کی شان میں ہے۔ اور خیر بوستان اور مثنوی سے آپ کے نزدیک
بھی بروں کی تقلید کی گمراہی تو ثابت ہوگئی۔ اور آپ مان گئے کہ مولانا کے نزدیک
مقلد مثل بہروں کے ہیں اور محقق مثل سن کر عمل کرنے والوں کے ہیں۔ اور ظاہر
ہی ہے کہ بہروں سے سننے والے افضل ہوتے ہیں۔ اسی واسطے ہم پیروی قرآن و
حدیث کی کرتے ہیں اور قرآن وحدیث کے مقابلہ میں کسی کی تقلید نہیں کرتے۔
ہاں جب تک تحقیق نہ ہو اس وقت تک بہروں کی طرح اگر کسی مسئلہ میں تقلید کرلیں
تو مضائقہ نہیں مگر وہ بھی ایسوں کی جن کے اجتہاد کو امت کے اکثر عالم مسلمانوں
نے قبول کرلیا ہو۔ جیسے یہ چاروں امام۔ مگر بہرا ہی بنا رہنا ٹھیک نہیں۔ جہاں تک
ہو سکے درپے تحقیق رہے اور جب قرآن وحدیث سے خلاف تقلید ائمہ مذکور ثابت
ہو جائے فوراً اس پر عمل کرے چنانچہ ہمارے مولانا اسمعیل شہید بھی تقویۃ الایمان
میں ایسا ہی فرماتے ہیں۔

مقلد۔ مولانا جزاک اللہ۔ شاباش۔ آپ نے ہمارے تمام اعتراضوں
کے جواب دے دئے۔ مگر گستاخی معاف۔ کیا سارے جلسہ میں آپ نے سب کو
ہی بے سمجھ سمجھ لیا۔ اے اہل جلسہ ذرا انصاف سے بیان تو کرو کہ میں نے کیا عرض
کیا تھا۔ اور مولانا نے کیا فرمایا۔

محمدی۔ جناب من میری گفتگو آپ سے ہے آپ ہی انصاف فرمائیں کہ
میں نے کیا غلط کہا۔

مقلد۔ بہت اچھا۔ مولانا میں نے تو اپنی ساری تقریر میں نہ صحاح ستہ کے
صحاح ہونے سے کہیں انکار کیا ہے اور نہ ترمذی کی حدیث کے حدیث ہونے سے

نہ ان کتابوں کی حدیثوں کے قول وفعل رسول اللہ ہونے میں ان محدثوں کی تقلید
سے۔ میں تو انہیں محدثوں کا نہیں بلکہ ان کا اور جمہور محدثین کا اور ان کے اقوال کا
جو حدیث کے صحیح۔ حسن۔ قوی۔ ضعیف۔ معلل۔ مضطرب۔ شاذ۔ ناسخ۔ منسوخ
وغیرہ ہونے کے قواعد لکھنے والے رجال احادیث کے حالات تحریر فرمانے والے
ہیں۔ قرآن سے احادیث سے استنباط کی قوت رکھنے والے ہیں جس طرح سے وہ
فرما گئے ہیں۔ اور سب سواد اعظم امت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جس طریق
پر اتفاق ہوگیا ہے۔ بموجب حکم صریح کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ ان سب کا مقلد
ہوں۔ مگر اس حدیث کے حدیث ہونے میں جو تفسیر آیہ کریمہ اتخذوا احبارھم میں
آپ نے ترمذی سے نقل کی اور ترمذی کے قول کی تقلید سے آپ نے اس حدیث کو
حدیث مان لیا آپ پر اعتراض اس وجہ سے کیا تھا کہ آپ پہلے فرما چکے تھے کہ تقلید
کسی کے قول بلا دلیل ماننے کو کہتے ہیں۔ اور وہ ہر شخص پر ہر وقت حرام ہے۔ اور
پھر آپ نے جس امر کو ترمذی نے اپنے استادوں کی تقلید سے کہہ دیا کہ رسول اللہ
نے ایسا فرمایا تھا بلا دلیل قرآن وحدیث مان لیا اور ترمذی کی تقلید سے نفس معانی
قرآن پر بھی نظر نہ رکھی اور مخالف معانی قرآن اس امر کو قول رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم یہاں تک سمجھ لیا کہ باوجود ہونے اس قول کے مخالف ظاہر معنی کلام اللہ
تفسیر قرآن میں پیش کر بیٹھے اور ابھی ہوا کیا ہے۔ آپ تو جس حدیث کو بیان
کریں گے اسی حدیث کے حدیث ہونے میں جس کتاب سے اس حدیث کو نقل
کرو گے اسی کتاب والے کی تقلید کا الزام بوجہ ہونے اس تقلید کے بلا دلیل آپ پر
لازم آئے گا بلکہ آپ اگر ذرا غور فرمائیں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ آپ
فقط مقلد اسی زمانہ کے ان مولویوں کے ہو جنھوں نے آپ کو مخالف جمہور یہ سکھایا
ہے کہ بجز قرآن اور حدیث کے اور حدیثوں میں سے بھی فقط احادیث صحاح ستہ

کے کسی کے قول پر عمل کرنا جائز نہیں بلکہ ان کتابوں کی حدیثوں کے بھی وہی صحیح
معنی سمجھنا جو ہم اور ہمارے ہم جنس علما لکھیں۔ ورنہ انہیں کتابوں میں بکثرت وہ
حدیثیں موجود ہیں جن کے معانی اگر بانصاف موافق سمجھ علمائے محققین سمجھے
جائیں تو تمام مسائل حنفیہ موافق احادیث صحیحہ کتب مذکور نکلیں گے۔ اگر شک ہو تو
ہمارا رسالہ ''جواہر السنیہ فی احادیث فقہ الحنفیہ'' ملاحظہ کیجئے۔ اب فرمائیے کہ ان
مولویوں کے اس قول کے ماننے پر آپ کو بلا تقلید کسی کے کونسی آیت بلا واسطہ اللہ
سے یا کونسی حدیث بلا واسطہ رسول سے پہنچی ہے۔ اب آپ اول اپنی پہلی پچھلی
تقریر کو غور سے بنظر انصاف ملاحظہ فرمالیں کہ آپ کے کلام میں کس قدر تعارض
ہے اول تقلید کو ہر وقت ہر شخص کے واسطے حرام فرمایا۔ اور تقلید امام ترمذی میں خود
ہی گرفتار ہو گئے پھر مولانا روم علیہ الرحمۃ اور سعدی علیہ الرحمۃ کے اشعار گمراہ
ہونے پر مطلقاً برے بھلوں کی تقلید میں پیش کئے۔ جب ان شعروں کی حقیقت کھل
گئی تو اب فرماتے ہو کہ چلو خیر الحمد للہ بروں کی تقلید کی برائی تو ثابت ہو گئی۔
مولانا! ہم نے بروں کی تقلید کو کب اچھا کہا تھا۔ اور ہم نے یہ کب کہا تھا کہ مقلد کا
مرتبہ مجتہد سے بڑا ہے۔ جو آپ فرماتے ہیں کہ لو مولانا بھی مقلد کو مثل بہرے کے
فرماتے ہیں اس واسطے جب تک قرآن حدیث نہ ملے اگر بہرے کی طرح تقلید کر
لے تو مضائقہ نہیں۔ مگر جب مل جائے فوراً تقلید ترک کردے۔ جب سننے لگے پھر
کیوں بہرا بنا رہے۔ اور پھر اس قول میں مولوی اسمعیل صاحب کے مقلد بن
گئے۔ ایسے ہی مقلدوں کی شان میں جو امام ترمذی بلکہ مولوی اسمعیل جیسے
مقلدوں کی تقلید کرنے والے ہیں۔ مولانا روم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

کور کورہ جوید از کور دگر — درچہ او بارافتد زود تر

نہ کہ ان مقلدوں کی شان میں جو مجتہدوں کی تقلید کرتے ہیں۔ اس واسطے کہ

مجتہدوں کا بینا ہونا سب پر ظاہر ہے۔ اب ذرا تامل کر کے ان سب باتوں کا جوا
بدو۔ یا ہم سے تقلید کی قسمیں سن کر جو تقلید حرام ہے اور جس میں آپ گرفتار ہیں
اس سے توبہ کرو۔ اور جو تقلید واجب ہے اس کو لازم پکڑو اور ان آیتوں کا کفار کی
شان میں جو ثبوت ہم سے طلب کیا گیا ہے خواہ نفس ترجمہ سے سمجھ لو خواہ بموجب
تفاسیر معتبر سن لو۔

آیہ اول۔ ان الحکم الا للہ الخ کی تفسیر میں صاحب تفسیر کبیر علامہ رازی
علیہ الرحمۃ اور صاحب معالم وغیرہ تحریر فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کفار کو شرک کرنے پر نزول عذاب سے ڈراتے رہتے تھے۔ جب کفار کہنے لگے

**ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء
او ائتنا بعذاب الیم۔**

یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہ بات تمہاری طرف سے حق ہے تو ہمارے
اوپر آسمان سے پتھر برسا دو یا ہم پر عذاب درد دہندہ لے آؤ۔

اللہ جل شانہ نے حضور کو فرمایا کہ ان سے کہہ دو۔

ما عندی ما تستعجلون بہ ان الحکم الا للہ۔

یعنی جس کی جلدی کرتے ہو میرے پاس نہیں ہے بلکہ اس میں بجز اللہ کے
کسی کا حکم نہیں ہے اسے تقدیم اور تاخیر عذاب کا اختیار ہے۔ چنانچہ یہی مضمون
نفس ترجمہ آیت سے سمجھ میں آتا ہے۔ اوپر سے آیت کا ترجمہ دیکھ کر اچھی طرح
سمجھ لو۔ دوسری آیت۔ اتخذوا احبارھم و رھبانھم الخ کا یہود اور نصاریٰ
کی شان میں ہونا لفظ احبار اور رہبان سے ہی ظاہر ہے اس واسطے کہ یہود و نصاریٰ
ہی کے عالموں کو احبار اور درویشوں کو رہبان کہتے ہیں۔ چنانچہ اصحاب تفاسیر
معتبرہ امام بغوی وغیرہ تفسیر آیہ مذکور میں اس حدیث ترمذی کو جو مختصر آپ نے بیان

کی پوری حدیث اس طرح نقل فرماتے ہیں۔

عن عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ قال اتیت رسول اللہ ﷺ و فی عنقی صلیب من ذھب فقال لی یا عدی اطرح ھذا الوثن من عنقک فطرحتہ فلما انتھیت الیہ وھو یقرء اتخذوا احبارھم و رھبانھم الخ، حتی فرغ منھا قال فقلت لہ انا لسنا نعبدھم قال الیس یحرمون ما احل اللہ فتحرموہ و یحلون ما حرم اللہ فتستحلونہ قال فقلت بلی قال فتلک عبادتھم،

یعنی حضرت عدی سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ سونے کی صلیب گلے میں ڈالے ہوئے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ اے عدی اس بت کو اپنے گلے سے اتار ڈال۔ میں نے اتار ڈالا اور آپ کے پاس پہنچ گیا تو آپ یہ آیت پڑھ رہے تھے اتخذوا احبارھم و رھبانھم اربابا من دون اللہ الخ جب آپ پڑھ چکے تو میں نے عرض کیا ہم تو ان کو نہیں پوجتے تھے۔ آپ نے فرمایا کیا وہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام اور حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال نہیں کر دیتے تھے اور تم سب اس امر میں ان کی پیروی نہیں کیا کرتے تھے؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں یہ بات تو ضرور تھی۔ آپ نے فرمایا بس یہی معنی ہیں ان کی عبادت کرنے کے جو آیت میں مذکور ہے۔ اب فرمایئے مقلدوں میں ایسا کون ہے کہ جس نے کسی ایسے کی تقلید کی ہو جو اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام اور حرام کی ہوئی چیز کو حلال کر دے۔ مقلد تو ایسے شخص کو کافر جانتے ہیں۔ نعوذ باللہ۔ کیا ان اماموں کے ساتھ آپ کا ایسا خیال ہے؟

اور آیت تیسری کے معانی سے تو صراحۃً ظاہر ہی ہے کہ مشرکین کی شان میں ہے۔ چنانچہ امام محی السنۃ بغویؒ تفسیر معالم میں اور نیز دیگر مفسرین اس آیت کے

آگے تحریر فرماتے ہیں۔ ''یعنی کفار مکۃ۔'' یعنی آیت مذکور میں مراد کفار مکہ ہیں۔

اور آیت کریمہ ان الذین فرقوا دینھم و کانوا شیعاً لست منھم فی شیء بھی جس کو مصنف قاتل الفجار نے اپنی کتاب میں نقل کر کے لکھا ہے کہ مصداق اس آیت کے یہی چاروں مذہب والے حنفی شافعی۔ مالکی۔ حنبلی ہیں۔ شان میں یہود و نصاریٰ ہی کے ہے۔ چنانچہ تفسیر معالم میں بروایت مجاہد اور قتادہ اور سدی مفسرین معتبرین و کانوا شیعاً کے آگے لکھا ہے ای صاروا فرقاً مختلفۃ و ھم الیھود والنصاریٰ فی قول مجاھد و قتادۃ والسدی یعنی تینوں مفسر فرماتے ہیں کہ یہ جو اللہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے کہ تحقیق وہ لوگ جنھوں نے فرقہ فرقہ اپنے دین کو کر ڈالا اور متفرق ہو گئے تم کو ان سے لڑنے کی کچھ ضرورت نہیں ان سے مراد آیت میں یہود اور نصاریٰ ہیں۔ اور اس کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ آیت معاملہ قتال میں آیت قتال کے ساتھ منسوخ ہے۔ چنانچہ آیہ مذکور کے ساتھ اگلی پچھلی آیتوں کو ملا کر دیکھنے سے بھی یہی امر ظاہر ہے کہ آیہ مذکور یہود و نصاریٰ اور مشرکین ہی کی شان میں ہے۔

علیٰ ہذا آیت پانچویں۔ و اذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللہ قالوا بل نتبع ما الفینا علیہ اباءنا اولو کان اباؤھم لا یعقلون شیئاً ولا یھتدون۔ بھی یہود اور مشرکین ہی کی شان میں ہے چنانچہ ترجمہ آیت مذکور سے یہی ظاہر ہے (یعنی جب کہا جاتا ہے ان سے کہ اللہ کے نازل کئے ہوئے احکام کی پیروی کرو تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے تو جس پر اپنے باپ دادوں کو پایا اسی کی پیروی کریں گے۔ گو ان کے باپ دادا کیسے ہی گمراہ اور بے سمجھ ہوں) اور مفسرین معتبرین امام محی السنۃ بغوی و امام رازی علیہ الرحمۃ وغیرہ بھی یہی تحریر فرماتے ہیں۔

اب رہی وہ آیت چھٹی جس کو زور شور سے آپ نے آخر میں پیش کیا ہے۔ وہ آیت بھی یہود اور مشرکین ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ آیہ کریمہ ان ھذا صراطی مستقیماً کی پہلی پچھلی آیتوں کو ملا کر دیکھو تو یہی امر ظاہر ہے۔ اس سے اول کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتا ہے کہ اے ہمارے حبیب مت پیروی کرو تم ان کی جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور وہ غیروں کو اپنے رب کے ساتھ برابر کرتے ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ آؤ جو اللہ نے حرام کیا ہے وہ میں تم کو پڑھ سناؤں۔ اس کے ساتھ کسی کو ساجھی مت بناؤ۔ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔ اور خوف تنگدستی سے اپنی اولاد کو مت مار ڈالو۔ ہم تم کو اور ان کو رزق دیں گے۔ اور فحش بات خواہ ظاہر ہو یا باطن اس کے قریب نہ جاؤ اور ناحق کسی کو مت قتل کرو۔ یہ تم کو اللہ وصیت کرتا ہے تو کہ تم سمجھو۔ اور یتیموں کے مال کے قریب نہ جاؤ۔ مگر نیک طریق سے یعنی جس طریق سے یتیموں کی بہتری متصور ہو۔ یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائیں اور انصاف کے ساتھ ناپ تول پوری کرو۔ اللہ کسی جان کو تکلیف نہیں دیتا مگر بقدر اس کی طاقت کے اور جب بات کہو انصاف سے کہو گو اپنا نزدیکی ہی کیوں نہ ہو۔ اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ یہ تم کو اللہ وصیت کرتا ہے تو کہ تم نصیحت پکڑو۔ ان ھذا صراطی مستقیماً فاتبعوہ۔ بے شک یہی ہے میرا راستہ سیدھا پس تم اس کی پیروی کرو۔ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ اور مت پیروی کرو تم اور راستوں کی اس واسطے کہ وہ راستے تم کو میرے سیدھے راستے سے تفرقہ میں ڈال دیں گے۔

چنانچہ مفسرین معتبرین علامہ ابو سعود امام محی السنۃ بغوی امام فخر الدین رازی وغیرہ بھی شان نزول ان آیتوں میں یہی تحریر فرماتے ہیں کہ جب مشرکوں بت

پرستوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اچھا وہ کیا باتیں ہیں جو اللہ نے ہم پر حرام کی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوا کہ

قل تعالوا اتل ماحرم علیکم ربکم الخ

یعنی کہہ دو اے ہمارے حبیب کہ آؤ جو اللہ نے حرام کیا ہے میں تم کو پڑھ کر سناؤں۔

پھر یہ سارا مضمون مذکورہ بالا بیان فرما کر آخر میں ان سب آیات کے فرمادیا

ذالکم وصاکم به لعلکم تتقون

یعنی ان سب امور کی اللہ نے تم کو وصیت کی ہے تا کہ تم متقی اور پرہیزگار بن جاؤ۔

اور آخر میں ان سب آیتوں کے یہ حدیث نقل فرماتے ہیں

عن ابن مسعود رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم انه خط خطاً ثم قال هذا سبیل الرشد و فی المعالم هذا سبیل الله ثم خط عن یمینه وعن شماله خطوطا ثم قال هذه سبل علی کل سبیل منها شیطان یدعو الیه ثم تلی هذه الآیة۔

اور بعد اس حدیث کے تفسیر کبیر میں ہے۔

عن ابن عباس رضی الله عنه هذه الآیات محکمات لم ینسخهن شئی من جمیع الکتب من عمل بهن دخل الجنة ومن ترکهن دخل النار۔

یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے ایک خط کھینچا۔ پھر فرمایا کہ یہ راستہ ہدایت کا ہے۔ اور معالم کی روایت میں ہے کہ یہ راستہ اللہ کا ہے۔ پھر اس کے دہنے بائیں بہت سے خط کھینچ

کر فرمایا کہ یہ جو بہت سے راستے ہیں ان سب پر شیطان ہے کہ اپنی طرف بلاتا ہے۔اور حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ یہ وہ آیتیں محکم ہیں جو کسی کتاب سے نسخ نہیں کی گئیں۔جس نے ان پر عمل کیا وہ جنتی ہے اور جس نے ان کو چھوڑا وہ جہنمی ہے۔

اب آپ کو ان ساری آیتوں اور حدیثوں کے مضمون سے اگر ذرا بھی آپ کے مزاج میں انصاف ہوگا معلوم ہوگیا ہوگا کہ آیت مذکور میں صراط مستقیم سے وہی راستہ مراد ہے جس میں یہ نو باتیں مذکورہ آیات پائی جاتی ہوں اور جو راستے ایسے ہیں جن میں ان نو باتوں میں سے ایک بات میں بھی نقصان ہو وہی شیطانی راستے ہیں۔چنانچہ یہود اور نصاریٰ میں جو لوگ اپنے اس عہد پر جو ان کے پیغمبروں نے بموجب حکم توریت اور انجیل کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا اور علاوہ بریں باعتبار حلت وحرمت بعض اشیاء جن جن امور کا ان سے عہد لیا تھا اور وہ آخر تک اس پر قائم رہے جیسے عبداللہ بن سلام وغیرہ علماء یہود اور نصاریٰ اور ان کے پیرو تھے وہی لوگ پیرو صراط مستقیم کہلائے گئے۔اور جنھوں نے اس عہد کو توڑ دیا توریت اور انجیل میں بغرض اپنی عزت وجاہ کے تحریف کرنے لگے اور ان کے پیرو مصداق الذین فرقوا دینھم و کانوا شیعاً اور آیہ کریمہ فتفرق بکم عن سبیلہ کے بن گئے انہی کی شان میں یہ آیتیں نازل فرمائی گئیں۔علیٰ ہذا اس امت کے وہ مولوی۔مشائخ اور ان کے پیرو جس میں یہ صفت پائی جائے جیسے علماء نیچری اور آپ کے علماء جو قرآن اور حدیث تو درکنار اشعار میں بھی تحریف کریں۔اور خدا تو قرآن مجید میں فرمائے

ومن اصدق من اللہ قیلاً۔ ومن اصدق من اللہ حدیثاً۔

یعنی خدا سے زیادہ کون سچ بولنے والا ہے اور سچی بات کہنے والا۔

اور یہ کہیں کہ خدا بھی جھوٹ بول سکتا ہے گو کبھی بولے نہیں۔اور اتنا نہیں سمجھ سکتے کہ بغیر زائل ہونے صفت صدق کے امکان کذب محال ہے اور مرزائیہ مشائخ اور مولوی جو مخالف جمہور معانی قرآن میں تصرف کریں۔احادیث میں تحریف کریں وہ بھی ان آیتوں کے مصداق بن سکتے ہیں۔یہ نہیں ہوسکتا کہ یوں کہہ دیا جائے کہ یہ آیتیں اسی امت کے ایسے مولویوں مشائخوں اور ان کے پیرووں کی ہی شان میں نازل ہوئی ہیں پھر یہ تو ہر مسلمان سے بہت ہی بعید ہے کہ ہر اچھے، برے۔متقی۔عالم۔شیخ۔مجتہد۔فقیہوں کی تقلید کی ہی نسبت مطلقاً ان آیتوں کا لکھنا پڑھنا شروع کردے۔جیسا کہ مصنف قاتل الفجار وغیرہ اکثر وہابیوں نے اپنے رسالوں میں کیا ہے۔بھائی اچھوں کی پیروی کو خود اللہ جلشانہ اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے۔دیکھو سورۂ لقمان میں ہے۔

و اتبع سبیل من اناب الی۔

یعنی پیروی کر تو ان لوگوں کی جو میری طرف رجوع کرتے ہیں۔

اگرچہ شان نزول اس آیت کا خاص ہے۔اطاعت اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں یا اطاعت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں۔مگر حکم عام ہے۔

اور سورۂ شعراء کے آخر رکوع میں تو صراحۃً اللہ جل شانہ مطلقاً ان لوگوں کے واسطے جو متقیوں کے امام اور پیشوا بننے کی اور متقیوں کی پیروی کرنے کی دعا کرنے والے ہیں جنت کا وعدہ فرماتا ہے۔حیث قال تبارک و تعالیٰ

والذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا و ذریاتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماماً. اولیک یجزون الغرفۃ بما صبروا و یلقون فیھا تحیۃ و سلاماً۔

اور صاحب معالم اس کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں

نقتدی بالمتقین ویقتدی بنا المتقون

(خلاصہ ترجمہ بموجب تفسیر معالم) یعنی جو متقیوں کے پیرو رہنے کی اور پھر متقیوں کے پیشوا بننے کی دعا کرتے ہیں ان کو تعظیم تکریم کے ساتھ جنت عطا کی جائے گی۔

اور اس سے بھی زیادہ دوسری جگہ یہ ارشاد ہوتا ہے کہ سب کو فقاہت یعنی قوت اجتہاد حاصل کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ تم میں سے جو لوگ فقاہت حاصل کرلیں دوسروں کو ان کی پیروی لازم ہے۔ چنانچہ اس آیہ کریمہ سے یہ امر ظاہر ہے۔

وما کان المومنون لینفروا کافة. فلو لا نفرمن کل فرقة طائفة لیتفقهوا فی الدیٔن و لینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم لعلهم یحذرون۔

(یعنی سب کے سب مسلمان تو باہر جانے سے رہے پھر ہر گروہ سے تھوڑے سے آدمی کیوں نہیں نکلتے کہ دین میں سمجھ یعنی قوت اجتہاد حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈرائیں کہ وہ مخالفت حکم خدا سے بچیں۔)

اور اچھے لوگوں ایمانداروں کی تقلید اور پیروی چھوڑنے والوں کی شان میں ارشاد فرماتا ہے۔

وَ من یشاقق الرسول من بعد ما تبین لهم الهدی و یتبع غیر سبیل المومنین نوله ما تولی و نصله جهنم وسات مصیراً۔

(یعنی جو شخص مخالفت کرے رسول کی بعد ظاہر ہونے ہدایت کے اور پیروی اور تقلید کرے وہ مومنوں کے راستہ کے سوا دوسرے راستہ کی۔ پھیر دیں گے ہم اس کو اسی طرف جدھر وہ پھرا تھا۔ اور پہنچا دیں گے ہم اس کو جہنم میں اور برا ہے ٹھکانا)۔

شان نزول اس آیت کا بھی اگرچہ قصہ اطعة بن ابیرق ہے مگر حکم عام ہے۔ اور ظاہر ہے کہ مومنین سے مراد آیۃ کریمہ میں یہی جماعت مقلدین مذاہب اربعہ کی بتقلید شخصی ہے جو مصداق ہے سواد اعظم اور جماعت کثیر کی کہ جس جماعت کا اور جس کے پیرووں کا اتباع شیطان سے بچا رہنا نص صریح کلام اللہ سے ثابت ہے اور اس کے جمیع مخالفین کا بوجہ ہونے ان فرقوں کے تنہا تنہا مصدق قلت بلکہ بوجہ ہونے سب فرقوں کے بھی بمقابلہ سواد اعظم مقلدین کے قلیل ان سب کا متبع شیطان ہونا قرآن سے ظاہر ہے۔ دیکھو پارہ ''والمحصنات'' میں خاص ذکر امت مرحومہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے

ولو لا فضل الله علیکم و رحمته لا اتبعتم الشیطان الا قلیلاً۔

(یعنی اے امت مرحومہ اگر تم پر اللہ کا فضل نہ ہوتا اور رحمت۔ تو تم بھی سب شیطاں کے پیرو ہو جاتے مگر تھوڑے)۔

جس کا ما حصل یہ ہوا کہ اللہ کے فضل و رحمت سے تم سب تو شیطان کے اتباع سے بچ گئے مگر تھوڑے تم میں سے پیرو شیطان کے ہوں گے۔ یعنی جس طرح اور پیغمبروں کی امت کی نسبت قرآن مجید میں بہت جگہ آیا ہے کہ تھوڑی ہی ہدایت پاتے ہیں۔ شکر گزار تھوڑے ہی ہوتے ہیں چنانچہ آل داؤد علیہ السلام کی شان میں فرمایا۔ وقلیل من عبادی الشکور۔

اور پھر دوسری جگہ داؤد علیہ السلام سے حکایۃً یوں ارشاد فرمایا

و ان کثیراً من الخلطاء لیبغی بعضهم علی بعضٍ الا الذین امنوا وعملوا الصالحات و قلیل ماهم۔

اور نوح علیہ السلام کی شان میں ارشاد فرمایا و ما امن معه الا قلیل۔

سارے قرآن میں امت مرحومہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں

کہیں بھی یہ نہ فرمایا کہ تم بھی تھوڑے ہی رہ جاؤ گے۔ رہا یہ امر کہ بہ نسبت زیادہ
رہنے اور ہونے کفار کے جو کہیں ذکر آیا ہے وہ ہم کو مضر نہیں اس واسطے کہ ہمارا
کلام تو ان میں ہے جو مسلمانوں میں سے ہدایت پر رہیں اور جو گمراہ ہو جائیں۔
بلکہ علاوہ آیت مذکورہ ولو لافضل اللہ علیکم و رحمتہ لا تبعتم الشیطان
الا قلیلاً کے فرمایا تو اس سے بھی زیادہ اس امت کی نسبت یہ فرمایا کہ ثلۃ من
الاولین و ثلۃ من الاخرین

اس کی تفسیر میں امام محی السنۃ بغوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

قال النبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وصحبہ وسلم من ادم الینا ثلثۃ
ومنی الی یوم القیمۃ ثلۃ۔

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ثلۃ من الاولین وثلۃ من
الاخرین کے یہ معنٰی ہیں کہ آدم علیہ السلام سے لے کر مجھ تک مع سارے پیغمبروں
کے اہل جنت کی ایک جماعت بے شمار ہوگی۔ اور مجھ سے قیامت تک میرے
امتیوں کی ایک جماعت بے شمار ہوگی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ آدھی جنت میں تمام
پیغمبر مع اپنے امتیوں کے ہوں گے اور آدھی جنت میں میں ہوں گا مع اپنے
سارے امتیوں کے چنانچہ خاص اس مضمون کی کئی احادیث صاحب معالم تحریر
فرماتے ہیں۔ یہ معنٰی تو اس تقدیر پر ہیں جب اس سے پہلے آیت ثلۃ من الاولین
وقلیل من الاخرین کے یہ معنی کئے جائیں کہ ان لوگوں کی جو نیکیوں میں سبقت
کرتے ہیں پہلے امتیوں میں سے ایک جماعت بے شمار ہوگی اور پچھلے لوگوں میں
یعنی آپ کے امتیوں میں سے ایسے لوگ کم ہوں گے۔ تا کہ یہ دوسری آیت
بموجب حدیث مرویہ معالم التنزیل وغیرہ تفاسیر معتبر ببرکت گریۂ حضرت عمر رضی
اللہ عنہ اور فضل خداوند کریم ناسخ حکم آیۃ اول ہو جائے ورنہ بموجب قول اکثر

مفسرین معتبرین مجاہد وعطا ابن ابی رباح وضحاک وغیرہ تو دونوں آیتوں میں دونوں
جماعت امت مرحومہ کی مراد ہیں چنانچہ معالم میں ہے

و مجاھد و عطاء ابن ابی رباح والضحاک قالوا ثلۃ من الاولین
من سابقی ھذہ الامۃ و قلیل من الاخرین من ھذہ الامۃ فی اخر الزمان

یعنی یہ تمام مفسر معتبر جو اجلہ تابعین سے ہیں فرماتے ہیں کہ معنی آیت اولیٰ
کے یہ ہیں کہ جو لوگ نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں ان کی ایک جماعت بے
شمار ہوگی اس امت کے پہلے لوگوں میں سے اور نسبت ان کی اس امت کے آخر
زمانہ کے لوگوں میں سے ایسے لوگ کم ہوں گے ورنہ اس امت کے مطلقاً نیکو
کاروں کی شان میں تو یوں ارشاد ہوتا ہے کہ ثلۃ من الاولین وثلۃ من
الاخرین یعنی اس امت کے پہلے نیکوکاروں کی جماعت بھی بے شمار ہوگی اور پچھلے
نیکوکاروں کی بھی جو صاحب یمین کہلائے جائیں گے۔ اور حوریں باکرہ اور تمام
بہشت کے عیش و آرام ان کے واسطے ہیں جماعت بے گنتی اور بے شمار ہوگی۔ اور
حدیثیں اس مضمون کی کہ جب تم میں اختلاف ہو تو بڑی جماعت کی پیروی کرنا۔
کیونکہ جو بڑی جماعت سے نکلا۔ جہنم میں پھینکا گیا۔ بہت سی ہیں۔ چنانچہ قریب
چالیس کے تو اس مضمون کی حدیثیں بخاری و مسلم وغیرہ کتب معتبر حدیث سے
بغرض اختصار میں نے اپنے رسالہ ''مختصر المیز ان لکلام السبحان'' میں نقل کی ہیں۔
جس کا جی چاہے دیکھ لے اور آیۃ مذکورہ نولہ ماتولی ونصلہ جھنم سے تو یہ
مضمون خوب ظاہر ہو ہی چکا۔ اب فرمایئے وہ جماعت مقلدین کی جس کا نام محمدی
جماعتوں اور فرقوں میں بڑی محمدی جماعت ہونا ہر چھوٹے بڑے پر ظاہر ہے کیونکر
گمراہ ہو سکتی ہے اور اس کی تقلید کیونکر بدعت بن سکتی ہے۔ لامحالہ اس جماعت کا
اور اس جماعت کے پیروؤں کا گمراہ کہنے والا بلا شبہ وہی ہو سکتا ہے۔ جو قرآن و

حدیث کی پیروی سے بے خبر۔ گمراہ۔ سراپا شر۔ مصداق آیہ کریمہ مذکورۂ بالا و
یتبع غیر سبیل المومنین ہے۔

محمدی۔ جناب من! آپ کی اس تقریر سے تو ہمارا مدعا ثابت ہوگیا۔ آپ
نے ابتداء تقریر میں فرمایا کہ میں سب کا مقلد ہوں۔ بس یہی ہمارا مدعا ہے کہ کسی
ایک مجتہد خاص کے جمیع امور میں تقلید نہ کی جائے۔ ایسی تقلید کو ہم حرام کہتے ہیں۔
اس تقلید کو ہم حرام نہیں کہتے کہ جس امام کے قول کو خواہ وہ مجتہد ہو یا محدث موافق
قرآن وحدیث قوی پایا اس کی اس میں تقلید کر لے اور جس قول کو مخالف قرآن و
حدیث پایا فوراً اس میں اس کی تقلید چھوڑ دے۔ چنانچہ مولانا اسمٰعیل کے قول کے
موافق اس بات کو آپ نے بھی تسلیم کر لیا ہے اور فرمادیا کہ میں سب کا مقلد ہوں
اس واسطے کہ بصورت تقلید شخصی تو یہ کہنا کہ میں سب کا مقلد ہوں ایسا ہے جس طرح
کوئی کہے کہ میں فقط ایک ہی حاکم کا تابعدار ہوں۔ اور پھر کہے کہ میں تو تمام
حاکموں کا تابعدار ہوں۔ اور دلیلیں جو آپ نے بیان کیں ان سے صراحۃً یہ ثابت
ہوتا ہے کہ حنفی شافعی وغیرہ مقلدین بہ تقلید شخصی ہی جنتی ہوں گے۔ اس واسطے کہ
تمام محمدیوں میں سے بڑی جماعت کے یہی مصداق ہیں اور محمدی بڑی جماعت کا
ہی تمام محمدی فرقوں میں سے شیطان کے اتباع سے بچا رہنا قرآن سے ثابت ہوتا
ہے۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ زمانہ صحابہ کرام سے ۲۰۰ء دوسو تک کوئی مقلد بہ تقلید شخصی
نہ تھا۔ چنانچہ مولانا شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ رسالہ انصاف میں تحریر فرماتے ہیں۔

وبعد المائتين ظهر فيهم التمذهب للمجتهدين باعيانهم و قل
من كان لايعتمد على مذهب مجتهد بعينه۔

یعنی بعد ۲۰۰ء کے اہل اسلام میں تقلید مجتہد معین کی اس درجہ ظہور پذیر ہوئی
کہ بہت ہی کم لوگ تھے جو اپنے مجتہد معین کے قول پر اعتماد نہ رکھتے ہوں لہذا

بموجب آپ کے اس قول کے اگر بڑی جماعت کے مصداق یہی مقلدین ہیں جن
کا ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسو برس بعد ہوا تو ہم لوگ اور صحابہ کرام
سے ۲۰۰ء تک کے لوگ اور خود وہ امام جن کی تقلید تم ثابت کر رہے ہو اور تم خود
بموجب اپنے پہلے قول کے کہ میں سب کا مقلد ہوں اتباع شیطان سے نہ بچے نعوذ
باللہ من ذالک۔ اور اگر بڑی جماعت کے مصداق وہ لوگ ہیں جو ۲۰۰ء تک تھے
اور بعدہ اس قسم کے کم رہ گئے اور اب تک کم ہی رہتے چلے آتے ہیں جیسے ہمارا
گروہ تو بالضرور مقلدین متبع شیطان رہے اور آپ کی ہی دلیل سے ہمارا مدعا
ثابت ہوگیا۔ رہے نیچری۔ مرزائی۔ قائلین امکان کذب۔ ان کو ہم بھی گمراہ سمجھتے
ہیں۔ ہاں قائلین امکان کذب باری کو آپ شاید گمراہ نہ سمجھتے ہوں۔ کیونکہ یہ
مسئلہ تو علماء حنفی مقلدین گنگوہ و دیوبند ہی سے شہرت پایا ہے بلکہ وہ تو اتنے بڑے
حنفی مقلد ہیں کہ مخالف حدیث فقط باتباع کتب فقہ کوا تک کھا رہے ہیں۔

مقلد:۔ مولانا اللہ کا شکر ہے کہ آپ نے میری دلیلوں کو تو تسلیم کر لیا مگر جو
مدعا دلائل مذکور سے ثابت ہوتا ہے اس کو آپ قطعاً نہ سمجھے۔ حضرت میں نے جو
دلائل بیان کئے ان سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ بڑی جماعت امت مرحومہ محمد رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع شیطان سے بچی رہے گی۔ اکثر لوگ اس امت کے
ہمیشہ ہدایت پر رہیں گے گو قلیل گمراہ ہو جائیں لہذا ۲۰۰ تک جب تک اجماع
امت مرحومہ تقلید شخصی ایک مجتہد معین پر نہ ہوا تھا اور سب لوگ بوجہ قرب زمانہ
نبوت اور پائے جانے شروط اجتہاد کے بہت سوں میں اپنی تحقیق پر عمل کرتے
تھے۔ یا بلا قید مجتہد معین کے جس مسئلہ کو جس مجتہد سے چاہتے تھے پوچھ کر عمل کر لیتے
تھے اس وقت تک بوجہ متفق ہونے جماعت اہل اسلام کے اس امر پر یہی امر حق تھا
اور اسی میں اتباع سواد اعظم اور پیروی طریقہ مومنین کی تھی اور اس وقت اگر کوئی

جماعت قلیل اس کی مخالفت کرتی بے شک مصداق من شذشذ فی النار اور آیہ
کریمہ و یتبع غیر سبیل المومنین نولہ ماتولی کی بن جاتی ۔اور جب
اجماع سواد اعظم وجوب تقلید شخصی یعنی تقلید ایک مجتہد معین پر ان چاروں اماموں
سے قرار پاگیا اسی وقت بموجب آیہ کریمہ ولولا فضل اللہ علیکم و رحمتہ
معلوم ہوگیا کہ اب اسی طریق پر شیطان کی پیروی سے بچنا ممکن ہے اور اس کی
مخالفت بوجہ مخالفت سواد اعظم مومنین سراسر پیروی شیطان کی ہے اور بموجب
حدیث شریف مرویہ ابن ماجہ شریف لاتجتمع امتی علی الضلالۃ فاذا رایتم
اختلافا فعلیکم بالسواد الاعظم فانہ من شذشذ فی النار کہ جس کے ہم
معنی بہت سی حدیثیں طرق مختلف اور اسانید معتبر سے کتب صحاح ستہ وغیرہ میں
منقول ہیں جن میں سے چالیس احادیث کے قریب تو ہم نے اپنے رسالہ مختصر
المیزان ہی میں نقل کی ہیں ۔اگر چاہو رسالہ مذکور کو دیکھ لو یہ موجود ہے۔

لو اب تو آپ پر بھی اگر انصاف دل میں ہے خوب ظاہر ہوگیا ہوگا کہ دوسو
برس کے بعد سے اب تک اسی تقلید شخصی کا اتباع لازم ہے بوجہ اتفاق سواد اعظم
مومنین کے وجوب پر اسی تقلید شخصی کے اور جس نے اس کی مخالفت کی دوزخ میں
پھینکا گیا۔ چنانچہ ابو طالب مکی قوت القلوب میں بعد بیان اس امر کے کہ یہ نسخے
کتب حدیث وفقہ کے مع اتفاق امت مرحومہ کے تقلید شخصی پر بعد ۲۰۰ کے ظاہر
ہوئے ۔یہ عبارت بھی نقل فرماتے ہیں وکان ھذا ھو الواجب فی ذالک
الزمان یعنی ایک مجتہد کی تحقیق پر اعتماد کرنا اس زمانہ میں واجب سمجھا جاتا تھا اور
ایک مجتہد کی تقلید اختیار کرنے کے بعد دوسرے مجتہد کے دو چار بھی ان قولوں پر جو
اپنے مجتہدوں کے مخالف ہوں عمل کرنے کو سخت معیوب سمجھتے تھے۔

چنانچہ بستان المحدثین میں مولانا شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

نوشتہ اند کہ یحیی بن یحیی در ہر مسئلہ اتباع اجتہاد امام مالک لازم گرفتہ بود مگر در چہار
مسئلہ کہ مذہب ابن سعد مصری اختیار میکرد و مردم آں دیار بسبب کمال اعتقاد امام
مالک دریں مخالفت قلیلہ ہم برو گرفت مے کردند و انکار مینمودند۔

اور ظاہر ہے کہ اہل علم کی گرفت اہل علم ہی کرتے ہیں۔

اب رہا یہ امر کہ ۲۰۰ تک اتفاق امت مرحومہ اس طریق پر اور ۲۰۰ کے بعد
سے ابتک اس طریق پر کیوں ہوا۔اس کے بیان کی ہم کو ضرورت نہیں ۔جب کوئی
ہم سے پوچھے کہ نماز کے ہونے کی کیا دلیل ہے تو ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ آیہ کریمہ
اقیموا الصلوۃ اور اگر کوئی پوچھے کہ اللہ نے اس کو فرض کیوں کیا تو ہم یہی کہہ
سکتے ہیں کہ اس کی واقعی وجہ اللہ ہی خوب جانتا ہے گو مختلف وجوہ علماء نے بھی اپنی
رائے سے بیان کی ہیں ۔اگر رسالہ انصاف فی بیان سبب الاختلاف کو خود ملاحظہ کر
کے آپ نے عبارت مذکورہ انصاف پیش کی ہوگی تو اس کی وجہ بھی جو علماء نے بیان
کی ہے آپ پر خوب ظاہر ہوگئی ہوگی ۔مگر خیر کچھ ہم بھی آپ کے اطمینان کے لیے
بیان کئے دیتے ہیں کہ قرآن مجید سے اتنی بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ جس کسی
امر میں قرآن مجید کے مضامین سے باہم اختلاف معلوم ہو یا کسی اور امر میں جس کو
رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق ہو یا صحابہ کرام سے اس کو اپنی سمجھ کے موافق باہم
مخالف سمجھ لینا اور شہرت دے دینا منافقوں کی نشانی ہے لہذا بموجب نص صریح
کلام اللہ جو کوئی اس قسم کا مضمون بظاہر مختلف معلوم ہو اس کا تحقیق کرنا زمان رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یا ان علماء سے جو قوت
استنباط کی رکھتے تھے اور جب تک اس قسم کے علماء پائے جاتے ہیں فرض تھا اور
ہمیشہ فرض ہے اور یہ بھی قرآن ہی سے ثابت ہے کہ ہر ایک عالم میں قوت اجتہاد
اور استنباط کی نہیں ہوتی ۔چنانچہ پارہ والمحصنات کے آٹھویں رکوع میں ان سب

باتوں کو خداوند کریم منافقوں کی شان میں اس طرح ارشاد فرماتا ہے۔

افلا یتدبرون القران ولو کان من عند غیر الله لوجدوا فیه اختلافا کثیراً و اذا جاء هم امر من الامن او الخوف اذا عوابه ولو ردوه الی الرسول والی اولی الامر منهم لعلمه الذین یستنبطونه منهم

یعنی کیا یہ منافق قرآن کو نہیں سمجھتے اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کے پاس سے آتا تو بے شک اس میں بہت اختلاف پاتے اسی واسطے جب کوئی بات امن کی یا خوف کی ان کے پاس آتی ہے تو اس کو پھیلا دیتے ہیں اور اگر اس میں رسول کی یا علماء دین کی طرف رجوع کرتے تو البتہ ان سب عالموں میں سے وہ عالم جو قرآن وحدیث سے قوت استنباط اور اجتہاد کی یعنی ان مسائل کے نکالنے کی رکھتے ہیں جو ہر عالم میں نہیں ہوتی۔ اس ظاہری اختلاف کی حقیقت جان لیتے۔

اسی واسطے بموجب آیہ کریمہ مذکور جب تک اس قسم کے سارے مسائل کسی ایک مجتہد نے ایک جگہ جمع نہیں کئے تھے جس مجتہد سے چاہتے تھے دریافت کر کے اس پر عمل کر لیتے تھے۔ اور جب اس قسم کے سارے مسائل مجتہدوں نے باب باب اور فصل فصل کر کے جمع کر دیئے اور پھر بوجہ بعد زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض لوگوں کو دیکھا گیا کہ بغیر حاصل ہونے قوت اجتہاد مطلق دعویٰ اجتہاد کر کے مخالف سلف فتویٰ دینے لگے اور اس وجہ سے بہت سے باطل مذہب پھیل گئے جس طرح غیر مقلدوں میں سے جب سے ترک تقلید کا شہرہ ہوا ہے مثل نیچری۔ مرزائی۔ نذیریہ۔ عبدالوہابیہ۔ اشاعۃ القرآن وغیرہ بہت سے گمراہ فرقے اب تھوڑی ہی مدت سے پھیل گئے۔ اور پھر بعض لوگوں کو دیکھا گیا کہ باوجودیکہ ایک مجتہد کو ہر وجہ سے علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاننے والوں میں سب سے افضل اور اعلیٰ سمجھتے ہیں اور باایں ہمہ بعض اوقات ان کے کسی مسئلہ کو مخالف اپنی

خواہش نفسانی کے سمجھ کر دوسرے مجتہد سے جن کا قول اس قسم کے مسائل میں ان کے مخالف ہے پوچھ کر عمل کر لیتے ہیں اور گمراہ فرقوں میں جا ملتے ہیں۔ بغرض بند کرنے دروازہ اس قسم کے احتمالات کے جو بموجب ظاہر حال اکثر آدمیوں کے ظہور میں آتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے رفتہ رفتہ سب امت کو اس امر پر مجتمع کر دیا کہ جس مجتہد کو جو کوئی شخص اپنی سمجھ کے موافق معتبر سمجھ کر اس کی تقلید کر لے اب اس کی مخالفت کرنا گویا آیہ کریمہ ولو ردوه الی الرسول الخ کی مخالفت کرنا ہے۔ بوجہ بن جانے بعض ناکسوں اور بدعتیوں کے داعی اجتہاد اور بوجہ چھوڑنے بعض شخصوں کے تقلید مجتہد اول کو محض بغرض خواہش نفس اور ترک کرنے احتیاط اور ڈھونڈھنے رخصت کے موقعوں کے اور بن جانے اور ہو جانے اس شخص کے بعینہٖ مثل اس بے وقوف کے جو کامل استادوں کی بنائی ہوئی عمارت مثل تاج گنج آگرہ اور جامع مسجد دہلی کے بعض در و دیوار کو خود کاریگری کا مدعی بن کر یا کسی دوسرے نکمے معمار کے بہکانے سے اس کی نکمی بودی عمارت کے ظاہر حال کو اپنی حالت یا اپنی سمجھ کے موافق اس سے بہتر جان کر کھودنا شروع کر دے اور یہ بالکل نہ جانے کہ اس عمارت میں ایسے ہی در و دیوار موزوں ہوتے ہیں اور جن کاریگروں نے ان کو بنایا ہے وہ ایک استاد کامل تھے اور پھر اس سے ایسے بن سکیں نہ ویسے۔

ہاں البتہ اگر کوئی شخص فی الواقع مرتبہ اجتہاد کو کل مسائل یا بعض مسائل میں پہنچ جائے اور بموجب شرائط اجتہاد اس کے نزدیک کوئی حدیث مرتبہ صحت کو پہنچ جائے بے شک وہ شخص بموجب قول امام اذا صح لحدیث فهو مذهبی یعنی جب حدیث بموجب شرائط اجتہاد مرتبہ صحت کو پہنچ جائے اس پر عمل کرنا میرا ہی مذہب ہے۔ اور اترکوا قولی بخبر الرسول صلی الله علیه وسلم یعنی میرے قول کو حدیث کے مقابلہ میں چھوڑ دو۔ بموجب قول جمہور سلف وخلف اس

حدیث پر ضرور عمل کرے اور مخالف حدیث بلاشبہ اس کو تقلید کرنا اس مسئلہ خاص میں حرام ہے۔ اسی واسطے مولانا شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ عقد الجید مطبوعہ مطبع محمدی لاہور کے صفحہ ۳۸ میں انہیں چاروں مذہبوں میں سے ایک مذہب کی تقلید اس زمانہ میں ضروری ہونے کے دلائل بیان کر کے ابتداء صفحہ ۴۰ سے آخر صفحہ ۴۲ تک ابن حزم کا وہ قول جو بالکل ان دلائل کے مخالف ہے نقل کرتے ہیں اور اس قول کی ان دلائل کے ساتھ اس طرح موافقت بیان فرماتے ہیں

وانما یتم ذالک فیمن له ضرب من الاجتهاد ولو فی مسئلة واحدة و فیمن ظهر علیه ظهوراً بیناً ان النبی صلی الله علیه وسلم امر هکذا و نهیٰ عن هذا

یعنی یہ قول ابن حزم کا اس شخص کی شان میں پورا ہو سکتا ہے جس کو ایک قسم کی قوت اجتہاد کی حاصل ہو۔ اگرچہ ایک ہی مسئلہ میں سہی۔ اس کو اسی ایک مسئلہ میں ترک تقلید جائز ہے۔ علیٰ ہذا اس شخص کی شان میں ہے کہ جس پر خوب یقینی طور سے ظاہر ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے۔ اس بات کا حکم دیا ہے۔ خواہ بطور کشف وشہود کے یا بوجہ قرب زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہی۔ نہ کہ ہر عام وخاص کی شان میں کہ جو حدیث کے حدیث ہونے اور قوی اور ضعیف اور صحیح اور حسن ہونے میں بھی انہی محدثوں کا مقلد ہو جو خود ان مجتہدوں کے مقلد تھے۔ چنانچہ ہم بیان کر چکے ہیں اور جن کے بڑے بڑے استاد اپنے ضعف علم کے ان مجتہدوں کے مقابل میں قائل تھے۔ چنانچہ خیرات الحسان میں امام ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ نقل فرماتے ہیں کہ

امام المحدثین اعمش کہ ائمہ تابعین میں سے بڑے امام جلیل القدر تابعی شاگرد حضرت انس رضی اللہ عنہ استاد امام بخاری کے ہیں ایک روز امام اعظم رحمہ

اللہ کے چند مسئلے سن کر پوچھ بیٹھے کہ یہ مسئلے تم کہاں سے کہتے ہو۔ فرمایا ان حدیثوں سے جو تم سے مجھ کو پہنچیں ہیں اور مع سند ساری حدیثیں لفظ بلفظ پڑھ کر سنا دیں۔ اعمش رضی اللہ عنہ ان سب حدیثوں کو سن کر فرمانے لگے۔

اے جماعت فقہاء کی تم نے دونوں مرتبے روایت (یعنی حدیث دانی) اور فقاہت کے حاصل کر لیے۔ جن حدیثوں کو سو دن میں میں نے سنایا تھا تم نے مع اس کی فقہ کے ایک ساعت میں پڑھ سنایا۔

حضرت اسی خیرات الحسان میں ہے کہ آپ کے علم حدیث میں چار ہزار استاد تو تابعیوں میں سے وہ تابعی ہیں جو امام گنے جاتے تھے۔ اور اسی میں ہے کہ حضرت مسعر بن کدام رحمہ اللہ دادا استاد امام بخاری رحمہ اللہ بوجہ آپ کے مرتبہ بلند اور پایہ عالی کے علم وفقاہت میں آپ کے ساتھ آپ کے گھوڑے کی رکاب پکڑ کے دوڑا کرتے تھے۔

اور نیز خیرات الحسان تذکرۃ الحفاظ امام ذہبی تنویر الصحیفہ یوسف بن عبد الہادی الحنبلی وغیرہ معتبر کتابوں میں ہے کہ آپ کے شاگرد علم حدیث جو آپ سے حدیثیں سن کر روایت کرنے والے ہیں وہ مثل امام مالک بن انس۔ امام سفیان ثوری۔ امام لیث بن سعد۔ امام مسعر بن کدام کی کہ یہ دونوں امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد ہیں اور مثل امام زفر امام عبد اللہ بن مبارک جیسے فقہاء ومحدثین اس کثرت سے ہیں کہ ان کا لکھنا اور ضبط کرنا مشکل ہے مگر پچھلے محدثوں کے نزدیک اگر لفظ حدیث کے یاد نہ رہیں اس حدیث کو بذریعہ معنی چونکہ روایت کرنا جائز ہے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ناجائز۔ اس واسطے بوجہ نہ پائے جائے اس شرط کے اپنے درمیان اور نہ یاد رہنے الفاظ حدیث کے مثل شرط امام کے آپ سے روایت کرتے ہوئے ڈرتے ہیں ورنہ اس کے کیا معنی کہ آپ کو تمام محدثین حافظ حدیث جانیں اور پھر آپ سے روایت نہ کریں۔ علیٰ ہذا القیاس ایسا ہی حال علم وکمال ان دوسرے مجتہدوں کا تھا۔ اسی وجہ سے حضرت عبد الوہاب شعرانی رحمہ اللہ میزان میں حضرت امام شیخ الاسلام زکریا انصاری قدس سرہ سے نقل فرماتے ہیں کہ

ایاکم ان تبادروا الی الانکار علی قول مجتهداد تخطیته الابعدا
حاطتکم بادلۃ الشریعة کلها و معرفتکم بجمیع لغات العرب التی
احتوت علیها الشریعة و معرفتکم بمعانیها و طرقها و انی لکم
ذالک۔

یعنی بچاؤ تم اپنے آپ کو انکار کرنے اور خطا نکالنے سے کسی مجتہد کے مگر بعد
احاطہ کر لینے کے کل دلیلوں پر شریعت کے اور پہچان لینے تمام ان عربی لغتوں کے
جن کو شریعت حاوی ہے۔ اور بعد پہچان لینے ان کے تمام معانی اور طریقوں کے۔
اور یہ بات تم کو کہاں میسر ہے۔ اور علامہ شامی بھی ایسا ہی تحریر فرماتے ہیں۔ اور
اسی طرح بہت سے محدثین اور فقہاء لکھتے چلے آئے ہیں۔ لہذا مولوی اسمعیل
صاحب کا بھی قول ایسے ہی لوگوں کی شان میں ہے جو قوت اجتہاد یہ رکھتے ہوں
ورنہ ان کا قول کوئی وحی نہیں ہے کہ خواہ مخواہ مخالف جمہور اہل اسلام اور مخالف
انہیں کی بزرگوں کے مانا ہی جائے۔ چلو کسی کی نہ مانو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا تو
قول مانو گے۔ امام قسطلانی اپنے مقدمہ میں اور اشباہ والنظائر میں علامہ شیخ زین
العابدین رحمہ اللہ نقل فرماتے ہیں۔

ذکر البزازی فی المناقب عن الامام البخاری رحمه الله الرجل
لا یصیر محدثاً کاملاً الا ان یکتب اربعه مع اربع کاربع مع اربع فی
اربع عند اربع با ربع علی اربع عن اربع لاربع و هذه الرباعیات لاتتم
الابا ربع مع اربع فاذا تمت له کلها هانت علیه اربع وابتلی باربع فاذا
صبر اکرمه الله تعالیٰ فی الدینا باربع و اصابه فی الاخرة باربع اما
الاولی فاخبار الرسول صلی الله علیه وسلم و شرائعه و اخبار
الصحابة و مقادیرهم والتابعین و احوالهم وسائر العلماء و تواریخهم

مع اربع اسماء رجالهم و کناهم و امکنتهم و ازمنتهم کا ربع التحمید
مع الخطب و الدعاء مع الترسل والتسمیة مع السورة والتکبیر مع
الصلوة مع اربع المسندات والمرسلات والموقوفات والمقطوعات
فی اربع فی صغره فی ادراکه فی شبابه فی کهولته عند اربع عند شغله
عند فراغه عند فقره عند غناه باربع بالجبال بالبحار بالبراری بالبلدان
علی اربع علی الحجارة علی الاخذف علی الجلود علی الاکتاف الی
الوقت الذی یمکن نقلها الی الاوراق عن اربع عن من هو فوقه و دونه
و مثله و عن کتابة ابیه اذا علم ان خطه لاربع لوجه الله تعالیٰ و رضاه
و للعمل به ان وافق کتاب الله تعالیٰ و نشرها بین طالبیها ولا حیاء
ذکره بعد موته ثم لاتتم له هذه الاشیاء الاباربع من کسب العبد وهو
معرفة الکتابة واللغة والصرف والنحو مع اربع من عطاء الله تعالیٰ
الصحة والقدرة والحرص والحفظ فاذا تمت له هذه الاشیاء هانت
علیه اربع الاهل والولد والمال والوطن و ابتلی باربع بشماتة الاعداء
و ملامة الاصدقاء و طعن الجهال وحسد العلماء وفاذا صبر اکرم الله
تعالیٰ فی الدنیا باربع بعز القناعة و هیبة النفس ولذة العلم و حیات
الابدو اصابه فی الاخرة باربع بالشفاعة لمن اراد من اخوانه و بظل
العرش حیث لاظل الاظله و الشرب من الکوثر وجوار النبیین فی
اعلیٰ علیین فان لم یطق احتمال هذه المشاق فعلیه بالفقه الذی یمکن
تعلمه وهو نی بیته قار ساکن لا یحتاج الی بعد اسفار ووطی دیار و
رکوب بحار و هو مع دالک ثمرة الحدیث ولیس ثواب الفقیه و عزه
اقل من ثواب المحدث وعزه. انتهیٰ. یعنی بزازی رحمہ اللہ اپنی کتاب مناقب

میں امام بخاری رحمہ اللہ سے نقل فرماتے ہیں کہ کوئی آدمی محدث کامل نہیں بنتا جب تک
چار باتوں کو ساتھ چار باتوں کے ایسا لازم نہ لکھ رکھے جیسے چار باتیں چار باتوں کو لازم
ہیں۔ اول یہ کہ تمام خبروں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو مع ان امور کے جن کو آپ
نے جائز اور ناجائز فرمایا۔ اور تمام خبروں صحابہ کرام کو مع مقدار ان صحابہ کے اور تمام
خبروں تابعین کو مع حالات ان تابعین کے اور تمام علماء مجتہدین سلف کی خبروں کو مع
تاریخ ان کی حاصل نہ کرلے۔ اور ان چار باتوں کو ان چار باتوں کے ساتھ لازم نہ سمجھ
لے کہ جن جن کے ذریعے سے جس قدر بھی وہ ہوں وہ خبریں اور ان کے حالات اور
تاریخی معاملات اس تک پہنچیں ان سب کے نام مع ان کی کنیتوں اور مکانوں
کے مع یادداشت زمانہ بیان اخبار کے اور حالات اپنے سنے کے ان لوگوں سے حفظ
کرلے اور یاد رکھے اور ان چاروں باتوں کو ان چاروں باتوں کے ساتھ ایسا لازم سمجھ
لے جیسے خطبوں کے ساتھ حمد وثنا لازم ہے اور خط وکتابت کے ساتھ دعا لازم ہے یا دعا
کے ساتھ آہستگی لازم ہے اور سورتوں کلام اللہ کے ساتھ بسم اللہ لازم ہے اور نمازوں
کے ساتھ تکبیریں لازم ہیں۔ اور ان پہلی باتوں کے ساتھ یہ چار امر بھی ضروری سمجھے کہ
ان اخبار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اخبار صحابہ میں کون کونسی خبریں یعنی حدیثیں مسند
ہیں کس قدر مرسل ہیں کتنی موقوف ہیں کونسی مقطوع ہیں اور ان امور مذکور کے ساتھ یہ
چار امر بھی یاد کرلے اور یاد رکھے کہ جس استاد سے یہ حدیث پہنچی ہے اس نے اس
حدیث کو اپنے استاد سے کس عمر میں سنا تھا اور اس سے کس عمر میں بیان کی اور اس استاد
کے استاد نے کس عمر میں علیٰ ہذا القیاس لڑکپن کے زمانے میں کہ جو کم اعتبار کا وقت ہے
یا بالغ ہونے کے زمانے میں کہ جو اعتبار کا زمانہ ہے جوانی کی حالت میں کہ جو کمال
یادداشت کا زمانہ ہے۔ یا بڑھاپے کی حالت میں کہ سہو اور نسیان کا وقت ہے۔ اور پھر
یہ چار باتیں بھی ضرور یاد رکھے کہ وقت بیان حدیث کے استاد کسی دوسرے کام میں

مشغول تھا اور اس کی طبیعت دوسری طرف متوجہ تھی۔ یا فارغ البال تھا۔ اس کے زمانہ
بیان کرنے حدیث میں محتاجی اور غربت کی حالت تھی یا غنا اور بے احتیاجی کی۔ اور وہ
استاد اور اس استاد کے استاد کہاں کے رہنے والے تھے۔ پہاڑوں کے یا دریاؤں کے
یعنی اہل کشتی اور جہاز سے تھے یا جنگل اور گاؤں وشہروں سے علیٰ ہذا القیاس۔ اور یہ بھی
یاد رکھے کہ جب تک ورقوں پر میرے استاد نے یا میں نے یا استاد کے استاد نے نقل نہ
کرلی تھی اس وقت تک پتھر پر لکھ کر یاد رکھی تھی یا ٹھیکریوں پر یا کھال پر یا بکری کے شانہ
کی ہڈیوں پر اور یہ بھی یاد رکھے کہ یہ حدیث اپنے سے اونیٰ درجہ کے آدمی سے باعتبار عمر
وغیرہ کے پہنچی ہے۔ یا بلند درجہ سے یا اپنے ہم مثل سے یا اپنے باپ کے ہاتھ کی لکھی
ہوئی ملی تھی۔ مگر اس کا اعتبار تب ہے کہ جب اپنے باپ کا خط بھی پہچانتا ہو۔ اور یہ محنتیں
چار نیتوں سے اپنے اوپر اٹھائے۔ اللہ کی خوشنودی کے واسطے عمل کرنے کی غرض سے۔
طالب علموں کے سکھلانے کو۔ اپنا ذکر خیر باقی رکھنے کی امید پر۔ مگر یہ سب امور تب
کام آسکتے ہیں جب چار باتیں خود حاصل کرلے۔ اور چار باتیں منجانب اللہ میسر
ہوں۔ علم کتابت۔ علم لغت۔ علم صرف۔ علم نحو۔ اور منجانب اللہ صحت اور تندرستی۔ قوت
تحصیل علم۔ حرص تحصیل علم۔ قوت حافظ۔ اتنے امور کے بعد اب اس کو بیوی بچے مال
وطن کی طرف رجوع کرنا اگرچہ آسان ہوگا مگر ضرور چار بلاؤں میں مبتلا ہوگا بوجہ
مشغول رہنے کے علم وعمل میں اور کم ہونے اسباب دنیا کے اور متوجہ ہونے اہل دین
کے اس کی طرف دشمن ٹھٹھا کریں گے۔ دوست ملامت کریں گے۔ جاہل اس کو نشانہ
طعن وتشنیع کا بنا دیں گے۔ اہل علم اس کے ساتھ حسد کریں گے۔ مگر جب یہ سب
مشقتیں سہار لے گا۔ اب یہ شخص جماعت محدثوں میں داخل ہوکر ضرور چار باتوں کے
ساتھ دنیا میں اور چار باتوں کے ساتھ آخرت میں ممتاز ہوگا۔ دنیا میں ہیبت الٰہی اور
قناعت اور لذت علم اور زندگی دائم کے ساتھ اور آخرت میں اول شفاعت کے ساتھ

جن کے واسطے اپنے بھائیوں میں سے شفاعت کا ارادہ کرے۔ دوم سایہ عرش کے ساتھ جس وقت کسی کا سایہ نہ ہو۔ سوم ساتھ پانی پلائے جانے کے حوض کوثر سے چہارم ساتھ پڑوس پیغمبروں کے اعلیٰ علیین میں۔ لہذا امام بخاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اگر طالب علم یہ ساری مشقتیں نہ اٹھا سکے اس کو لازم ہے کہ سفر دور دراز اور ان سب محنتوں سے بچ کر اپنے گھر میں آرام سے بیٹھ کر علم فقہ حاصل کرے کہ جو ثمرہ اور پھل حدیث کا ہے حالانکہ ثواب اور عزت فقیہ کی ثواب اور عزت محدث سے کچھ کم نہیں ہے۔ انتہیٰ ترجمۃ

اور ظاہر ہے کہ مراد امام بخاری رحمہ اللہ کی اس قول سے کہ اگر طالب علم بغرض عمل کرنے کے ان مذکورہ شرطوں کے ساتھ علم حدیث حاصل کرنے کی مشقت نہ اٹھا سکے تو اس کو لازم ہے کہ علم فقہ کو لازم پکڑے۔ یہی علم فقہ مراد ہے جو کتب فقہ میں باب باب اور فصل فصل کر کے جمع کر دیا گیا ہے۔ نہ وہ فقہ مصطلح فقہائے مجتہدین کہ جو جاننے تمام جزئیات حلال وحرام کا نام ہے مع ان کی دلیلوں کے اس واسطے کہ یہ کام تو اس فقیہہ کا ہے جو مجتہد ہو۔ اور مجتہد نہیں ہوتا جب تک محدث کامل نہ ہو۔ اور علاوہ ان باتوں کے جن کو امام بخاری رحمہ اللہ محدث کامل ہونے کے واسطے ضروری فرماتے ہیں اتنی باتیں اور حاصل نہ کرلے۔ اول علم قرآن مع اس کے تمام معانی لغوی اور شرعی کے اور اس کی تمام قسمیں عام خاص مفسر مؤول ناسخ منسوخ جو بڑی بڑی کتب اصول میں مذکور ہیں۔ دوم علم تمام وجوہ قیاس کا اور یہ دونوں امر اتنے مشکل ہیں کہ جس نے کتب اصول کو بغور دیکھا ہے وہی خوب جانتا ہے حق یہ ہے کہ جو جانے وہ پہچانے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ چونکہ اس منزل دشوار گزار سے واقف کار ہیں با اینہمہ شان علم وکمال کہ جن کے یحیی ابن معین مزنی شاگرد امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد اور ابو عبد اللہ ذہبی صاحب تذکرۃ الحفاظ رحمہم اللہ جیسے حفاظ حدیث، حدیث دانی

اور فقاہت کے مداح ہیں۔ امام اعظم رحمہ اللہ کی شان میں فرماتے ہیں کہ

ما خالفة فی شئی قط الا رأیت مذهبه الذی ذهب الیه انجی فی الاخرة و کنت ربما ملت الی الحدیث فکان هو ابصر بالحدیث منی۔

یعنی میں نے کبھی کسی بات میں امام اعظم رحمہ اللہ کی مخالفت نہیں کی مگر آخر کار یہی دیکھا کہ جس طرف امام اعظم رحمہ اللہ گئے ہیں۔ یعنی جو آپ کا مذہب تھا وہی مذہب زیادہ تر موجب نجات آخرت تھا اور بہت دفعہ میں نے حدیث کی طرف میلان کیا مگر آخر کار آپ ہی کو علم حدیث میں بہت بڑا صاحب بصارت پایا اسی وجہ سے مسعر بن کدام وغیرہ استاد اور دادا استاد امام بخاری رحمہ اللہ کے جن کا مختصر ذکر ہو چکا آپ کی پیروی کرتے ہیں پھر ایسا کون ہو سکتا ہے جو امام کے مقابلہ میں کسی حدیث کو خود تحقیق کر کے صحیح یا ضعیف کہہ سکے۔ حضرت اہل علم علمائے مجتہدین کا کسی صحیح حدیث پر عمل نہ کرنا خود دلیل اس امر کی ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک منسوخ ہے یا مخالف حکم قرآن کے ہے یا اور کوئی ایسی ہی وجہ ہے کیا امام بخاری رحمہ اللہ کے اس قول کی (جو فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سی صحیح حدیثوں کو اپنی صحیح بخاری میں نقل نہیں کیا اور چھوڑ دیا علاوہ اس امر کے جو ہم نے بیان کیا) آپ کوئی اور وجہ بیان کر سکتے ہیں۔ پھر کسی محدث کے کسی حدیث کو صحیح کہہ دینے سے تقلید ائمہ مجتہدین چھوڑنا گویا مجتہدوں کو مخالف جمہور فقہا اور محدثوں کے علم حدیث سے ناواقف سمجھنا ہے۔ اسی وجہ سے امام ابو عبد اللہ محمد بن حاج مکی مالکی اپنی کتاب مدخل میں جو بغرض رد بدعات لکھی ہے تحریر فرماتے ہیں کہ امام بخاری و مسلم کے دادا استاد امام المحدثین عبد الرحمن بن مہدی کا قول ہے کہ

السنة المتقدمة من سنة اهل المدينة خير من الحديث

یعنی وہ پرانی سنت جس کو علماء مدینہ سنت کہتے چلے آئے ہیں حدیث سے بہتر ہے کیونکہ ان کا سنت کہنا باتفاق دلیل ہے اس امر کی کہ یہ حدیث بمقابلہ اس حدیث

کے جس سے وہ اس امر کو قدیم الایام سے سنت کہتے چلے آئے ہیں متروک ہے۔ گو تفصیلی طور سے ان پچھلے لوگوں کو وہ حدیث اول یاد نہ ہو۔ یا یاد ہو تو بطریق ضعیف یاد ہو۔ اور امام بخاری بھی باب **ما اجمع علیه الحرمان** باندھ کر حجت ہونے اجماع پر حرمین والوں کے بہت سی حدیثیں نقل فرماتے ہیں۔ اور اسی مدخل میں ہے کہ امام دار الہجرت سیدنا مالک بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں **العمل اثبت من الاحادیث** یعنی عمل علماء فقہا کا حدیث سے زیادہ مضبوط دلیل ہے۔ اس واسطے کہ حدیث میں احتمال نسخ کا ہے۔ اور فقہاء صحابہ اور فقہاء تابعین کا عمل مخالف اس حدیث کے دلیل ہے اس امر کی کہ یہ عمل بموجب حدیث غیر منسوخ کے ہے۔ ورنہ اس کے کیا معنی کہ باوجود غایت درجہ متبع حدیث ہونے کے وہی لوگ اس حدیث کو نقل کریں اور اس پر عمل نہ کریں۔ چنانچہ یہ قاعدہ مستمرہ فقہاء صحابہ سے چلا آتا ہے۔

دیکھو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے اگرچہ رکوع اور سجود کے وقت رفع یدین کی کئی حدیثیں منقول ہیں مگر با ایں ہمہ حضرت عبداللہ کا رفع یدین نہ کرنا اس امر کی دلیل صریح ہے کہ رفع یدین ان کے نزدیک منسوخ ہے، بہرنہج مجتہد فقیہ کا حدیث صحیح پر عمل نہ کرنا دلیل اس امر کی ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک منسوخ ہے یا کسی اور قوی وجہ سے متروک ہے۔

کیا آپ حضرت عبداللہ بن عباس جیسے فقیہ صحابی یا حضرت صدیقہ جیسے فقیہ یا حضرت عمر جیسے فقیہ رضی اللہ علیہم اجمعین پر حدیث صحیح پر عمل نہ کرنے کا اعتراض کر سکتے ہیں۔ خدا کے لیے اُن پر اعتراض کر کے ایمان نہ کھو بیٹھنا۔ دیکھو ترمذی میں ہے کہ جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث صحیح بیان کی کہ **الوضو مما مسسته النار**

یعنی از سر نو وضو کرنا لازم ہے اس چیز کے استعمال سے جس کو آگ نے چھولیا۔

حضرت عبداللہ نے اس کو رد کر دیا اور فرمایا **انتوضا من الدهن انتوضا من الحميم**۔ یعنی کیا ہم تیل کے استعمال سے یا گرم پانی کے استعمال سے بھی از سر نو وضو کریں گے؟

غرض یہ تھی کہ تم اس حدیث کا محل و موقعہ ہم سے زیادہ نہیں جانتے۔

مسلم شریف میں ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس کی یہ حدیث سن کر کہ مطلقہ بائنہ کے واسطے ایام عدت میں نان نفقہ اور مکان سکونت شوہر پر لازم نہیں حضرت عمر نے فرمایا کہ **لانترک کتاب ربنا و لاسنة نبينا بقول امرأة لاتدری حفظت ام نسيت**

یعنی ایک عورت کے کہنے سے ہم حکم قرآن اور سنت نبی کو نہیں چھوڑتے ہم نہیں جانتے کہ یہ جانتے فاطمہ کو یاد ہے یا بھول کر روایت کرتی ہیں۔ علی ہذا الطحاوی شریف میں ہے کہ جب حضرت مغیرہ نے حضرت ابراہیم تابعی کے سامنے حدیث حضرت وائل کی نقل کی۔ حضرت وائل فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شروع نماز کے وقت اور رکوع میں جانے اور رکوع سے اٹھنے کے وقت رفع یدین کرتے دیکھا تو حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کا یہی جواب دیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پچاس دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ علاوہ تکبیر تحریمہ کے کہیں رفع یدین نہیں فرماتے تھے پھر اگر وائل نے ایک دفعہ دیکھا تو بمقابلہ روایت عبداللہ بن مسعود ہم اس پر کیونکہ عمل کر سکتے ہیں۔

میاں خود مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی معیار میں لکھتے ہیں کہ ''بعض اماموں کا بعض حدیثوں کو ترک کرنا ان کی تحقیق کی فرع ہے۔ کیونکہ انھوں نے ان احادیث کو قابل عمل نہ سمجھا'' بدعوی نسخ یا بدعوی ضعف اور امثال اس کے ذرا مقدمہ سیوم معیار الحق مطبوعہ مطبع صدیقی بریلی کے صفحہ ۱۹۶ کو ملاحظہ کیجیے پھر فرمایئے دوسرے محدثوں کی

تقلید سے جن کی دس بیس حدیثیں بھی ایسی نہیں جو ایک جماعت کثیر کی روایت سے
بطور تواتر[1] یا شہرت ان تک پہنچی ہوں۔ اور مفید یقین ہوں کہ بلا شبہ یہ احادیث رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ ان چاروں مذہبوں کے کسی مجتہد کے کسی قول پر آپ
کیونکر اعتراض کر سکتے ہیں۔ حالانکہ ان چاروں مجتہدوں کے زمانوں تک یقینی
طریقوں سے احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قول و فعل صحابہ کرام اور اہلبیت
عظام کا بوجہ قرب زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچنا تو ہر منصف شخص پر ظاہر ہی
ہے۔ مگر یہ امر بھی ہر سمجھدار واقف کار پر خوب ظاہر ہے کہ جس کیفیت کے ساتھ مدون
اور مبوب مشہور کتابوں میں بطریق شہرت ان چاروں مذہبوں کے مجتہدوں کے اقوال
مع بیان راجح و مرجوح وغیرہ امور ضروریہ آج تک نقل ہوتے چلے آئے ہیں اور کسی
مجتہد کے اقوال مجتہدین صحابہ اور اہلبیت میں سے اور نیز مجتہدین تابعین سے منقول نظر
نہیں آتے اسی وجہ سے انہیں چاروں مجتہدوں میں سے ایک مجتہد کی تقلید پر بعد ۲۰۰ھ
دوسو کے اتفاق امت ہو گیا اور بوجہ اجماع امت یہ تقلید مرتبہ وجوب کو پہنچے گی۔ چنانچہ
ایسا ہی مولانا شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ عقد الجید میں لکھتے ہیں۔ اور یہی مضمون مولانا شاہ
عبد العزیز علیہ الرحمۃ تحفہ میں بجواب اعتراض روافض تحریر فرماتے ہیں۔ عقد الجید کے
باب ''تاکید الاخذ بہذہ المذاہب الاربعۃ والتشدید فی ترکہا'' میں ہے۔

اعلم ان فی الاخذ بهذه المذاهب الاربعة مصلحة عظيمة و فی
الاعراض عنها كلها مفسدة كبيرة ونحن نبين ذالک بوجوه. احدها
ان الامة قد اجتمعت علی ان يعتمدوا علی السلف فی معرفة الشريعة
فالتابعون اعتمدوا فی ذالک علی الصحابة و تبع التابعين اعتمدوا
علی التابعين و هكذا فی كل طبقة اعتمد العلماء علی من قبلهم

[1] بلکہ تمام حدیثیں بطریق احاد منقول ہیں کہ جو مفید ظن کے ہیں ۱۲ منہ۔

والعقل يدل علی حسن ذالک لان الشريعة لايعرف الا بالنقل
والاستنباط والنقل لايستقيم الابان يأخذ كل طبقة عن من قبلها
بالاتصال ولابدّ فی الاستنباط من ان يعرف مذاهب المتقدمين لان لا
يخرج من اقوالهم فيخرق الاجماع و يبنی عليها و يستعين فی ذالک
بمن سبق لان جميع الصناعات كالصرف والطب والحدادة و
النجارة والصياغة لم يتيسر لاحد الابملازمة اهلها و غير ذالک نادر
بعيدلم يقع و ان كان جائزا فی العقل و اذا تعين الاعتماد علی اقاويل
السلف فلا بدان يكون اقوالهم التی يعتمد عليها مروية بالاسناد
الصحيح او مدونة فی كتب مشهورة و ان يكون مخدومة لتبيين
الراجح من المرجوح من محتملاتها و تخصيص عمومها فی بعض
المواضع و بجمع المختلف منها و تبيين علل احكامها والالم يصح
الاعتماد عليها وليس مذهب فی هذه الازمنة المتاخرة بهذه الصفة
الا هذه المذاهب الابعة۔

یعنی بے شک بیچ لازم پکڑنے ان چاروں مذہبوں کے بہت بڑی مصلحت
ہے اور ان سے منہ پھیرنے میں بہت بڑا فساد ہے۔ چنانچہ کئی وجہ سے اس امر کو ہم
بیان کئے دیتے ہیں۔ اول یہ ہے کہ تحقیق تمام امت کا اتفاق ہے اس امر پر کہ
شریعت میں پچھلے پہلوں پر اعتماد کرتے ہیں۔ چنانچہ تابعین نے صحابہ پر اعتماد کیا
اور تبع تابعین نے تابعین پر علیٰ ہذا القیاس پچھلے علما نے اپنے سے پہلے علماء پر۔ اور
عقل اس بات کی بھلائی پر دلالت بھی کرتی ہے۔ اس واسطے کہ شریعت نہیں معلوم
ہو سکتی مگر ساتھ نقل کرنے پچھلوں کے پہلوں سے ان صریح حکموں کو جن میں
استنباط کی ضرورت نہیں۔ یا ساتھ استنباط کے یعنی جو حکم صریح نہیں ہے اس کی علت

قرآن اور حدیث سے نکال کر جس کو قوت اجتہاد حاصل ہو وہ بیان کرے۔ اور نقل کرنا ممکن نہیں ہے مگر اس طرح سے کہ پچھلے پہلوں سے بلا فاصلہ برابر بیان کرتے چلے آئیں۔ اور جن امور میں استنباط کی ضرورت ہے ان میں استنباط کرنے والے یعنی مجتہد کو یہ امر ضروری ہے کہ اس معاملہ میں پہلے مجتہدوں کے تمام مذہبوں کو جانتا ہوتا کہ ان سب کے قولوں کے مخالف کوئی قول نہ کر بیٹھے اور مخالفت اجماع میں نہ مبتلا ہو جائے اور انہیں کے کسی قول کے مطابق اپنے قول کو مع دلیل بنا کرے۔ اور اپنے پہلوں سے اس معاملہ میں مدد لے۔ اس واسطے کہ تمام صناعتیں جیسے صرف۔ طب۔ شاعری۔ آہنگری۔ نجاری۔ زرگری۔ آج تک کسی کو اس فن کے استادوں سے سیکھے بغیر نہیں حاصل ہوئی۔ اور بغیر سیکھنے کے حاصل ہونا نادر ہے کہ آج تک ایسا ہوا نہیں۔ گو عقل کے نزدیک جائز ہو۔ اس واسطے پہلوں کے قولوں کا کہ جن پر اعتماد کیا جائے سندوں صحیح کے ساتھ مروی ہونا اور مشہور کتابوں میں ان کا جمع ہونا اس طرح سے کہ جتنے احتمالات ان قولوں کے ہیں راجح ہونے اور مرجوع ہونے سے اور بعض موقع پر عام کے خاص بنانے سے اور مختلف قولوں کے جمع کرنے اور علت حکموں کی بیان وغیرہ سے ضرور ہے اور نہیں تو ان قولوں پر اعتماد کرنا صحیح نہ ہوگا اور ان پچھلے زمانوں میں بجز ان چار مذہبوں کے اور کوئی مذہب کسی تابعی کا یا کسی صحابی کا جو ان صفتوں کے ساتھ موصوف ہو کہیں نہیں پایا جاتا۔ انتہی۔

اور بعد اس کے اور کئی دلیلیں بیان کی ہیں۔ اور تحفہ میں بجواب کید ہشتاد و پنجم یہ عبارت ہے۔

دبا جماع شیعہ وسنی کسے از ائمہ تالیف وتصنیف کتابے وتاصیل اصول وتفریع فروع ہیچ علمی نکردہ تا بکتابت او دفن مدون او استغنا واقع شود بلکہ روایات مسائل و

احکام در یاران ائمہ منتشر بودہ اند وقواعد استنباط و جزئیات مخفی و مستور ماندہ لابد شخصے میباید کہ آنہمہ روایات را جمع سازد وقواعد را متتبع نمودہ جدا نویسد و آئین و رسم اجتہاد را بنیاد نہد۔ پس معلوم شد کہ چنانچہ نسبت مذہبی بانامے معنی ندارد ہمچناں اتباع امام نیز بلا واسطہ مجتہد غیر مجتہد را امکان ندارد لہذا مقلد را در اتباع شریعت پیغمبر از توسیط مجتہد ناگزیر است۔" انتہی۔

(خلاصہ ترجمہ) یعنی چونکہ کسی امام اہلبیت کا کوئی مذہب مدون نہیں پایا جاتا لہذا اس امام کی پیروی بھی بغیر پیروی مجتہد کے غیر ممکن ہے اور شیخ عبدالعظیم بن ملا فروخ مکی رحمہ اللہ نے قول سدید میں اور ملا احمد معروف بہ ملاجیون علیہ الرحمۃ نے تفسیر احمدی میں اور علاوہ ان کے جمہور محققین نے بھی ایسا ہی تحریر فرمایا ہے۔ اسی واسطے علامہ ابن ہمام وغیرہ محققین لکھتے ہیں۔

نقل الامام الرازی رحمہ اللہ اجماع المحققین علی منع العوام من تقلید الصحابۃ بل یقلدون من بعد ھم الذین وضعوا و دونوا

یعنی جب صحابہ کا اور ائمہ اہلبیت کا کوئی مذہب مشہور اور مدون کتابوں میں نہیں پایا جاتا۔ علامہ رازی علیہ الرحمۃ اجماع محققوں کا اس امر پر نقل فرماتے ہیں کہ عوام الناس کو تقلید صحابہ سے منع کرنا چاہیے۔ بلکہ ان کو لازم ہے کہ ان پچھلے مجتہدوں میں سے کسی کی تقلید کریں جن کے مذہب مدون اور مشہور ہیں۔ اب آپ کسی حدیث کی کتاب کو دیکھ کر کسی حدیث کو جو بطریق احاد خود اس کے مدونوں تک پہنچی ہے نقل کر کے فرمائیں کہ کسی مجتہد پر ان ائمہ مجتہدین میں سے کیونکر اعتراض کر سکتے ہیں اور مخالف اجماع اہلسنت والجماعت کے ایسی حدیث کے

ساتھ بغیر حاصل ہونے قوت اجتہاد یا کشف صحیح[1] اور بلا ضرورت شاقہ معتبرہ کے جو محققین فقہا کے نزدیک[2] معتبر ہو اپنے مذہب کے مجتہدوں کے مخالف کسی حدیث پر کس طرح عمل کر سکتے ہیں۔ البتہ ہر ایک ایسے مقلد کو جو حدیث کی مشہور کتابوں پر

[1] واضح ہو کہ صاحب کشف صحیح ولی کامل بھی کوئی عمل مخالف اپنے امام کے خود ہی کر سکتا ہے جب اس پر عمل یقینی طور سے کھل جائے مگر اپنے مریدوں کو موافق ان کے مذہب ہی کے عمل کرنے کا حکم دے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمہ اللہ اور حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمہ اللہ سے امام کے پیچھے الحمد کا پڑھنا منقول ہے مگر ان کے حنفی مریدوں میں سے کسی کا مخالف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر آج تک عمل نہیں پایا جاتا۔ چنانچہ میزان مطبوعہ اکمل المطابع دہلی کے صفحہ ۲۵ میں جو مضمون حضرت امام عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے اس کا بھی یہی مطلب ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ ولی پر جب چشمہ شریعت کھل جاتا ہے تو وہ تمام مذہبوں کو برابر دیکھتا ہے۔ اندریں صورت وہ ولی تقلید امام معین کا مریدوں کو کس طرح حکم کرے گا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس غرض سے حکم کرے گا کہ اس کو جلد جمعیت قلبی حاصل ہو جائے اس واسطے کہ فقہا اور مشائخ فرماتے ہیں کہ ہر شخص اپنے مذہب کے امام کے موافق عمل کرے۔ کسی دوسرے مذہب کے موافق اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کسی خاص شہر کو ایک راستہ سے جائے جب تہائی راستہ طے کر لے پھر لوٹ کر دوسری راہ سے چلے پھر لوٹ کر تیسری راہ سے۔ تو وہ منزل مقصود تک کبھی نہ پہنچے گا۔ انتہیٰ۔ ۱۲ منہ۔ غفر اللہ ولوالدیہ۔

[2] چنانچہ انتظار الحق میں ہمارے مولانا عمدۃ العلماء زبدۃ الاصفیا استاذی مولانا ارشاد حسین صاحب قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں۔ دوسری وجہ وجوب تقلید شخصی کی یہ ہے کہ اکثر ملتزمین تقلید ائمہ کو علی الاطلاق حکم انتقال دیا جائے تو ایسے فتنے اور تباغض بین المسلمین برپا ہوں گے کہ انسداد ان کا دشوار ہوگا اور فساد اور تباغض حرام ہے اور نصوص قطعیہ ''لاتفسدوا فی الارض بعد اصلاحہا'' وغیرہ کے۔ مثلاً کسی حنفی المذہب نے اپنی زوجہ کو چھوڑ کر سفر کیا اور مفقود الخبر ہو گیا۔ دوسرے حنفی نے چاہا کہ میں اس کی زوجہ سے نکاح کرلوں پس دعویٰ تقلید امام مالک علی الرحمۃ کا کر کے بعد چار برس کے بدوں وقوع ضرورت

حاوی ہو اور انہیں محدثوں کی تقلید سے صحت اور ضعف حدیثوں پر واقف ہو جہاں تک حکم[3] عام یا حکم خاص کلام اللہ کی مخالفت لازم نہ آئے۔ یہ امر ضرور ہے کہ جس مسئلے میں فقہاء مرجحین سے تصریح صحت اور قوت نہ پائے اپنے مذہب کے

(بقیہ) شرعیہ کے بلا رجوع کے طرف قاضی مالکی المذہب کے اور امضاء حکم اس کے کے نکاح کرلیا بعد اس کے اس کا زوج اول آ گیا تو غور کرو کہ وہ عذر زوج ثانی کا بیچ باب نکاح زوجہ اپنی کے ساتھ تقلید امام مالک علیہ الرحمۃ کے کیونکر مقبول کرے گا اور تا بمقدور قتل اور فساد میں کمی نہ کرے گا اس واسطے فقہا حنفیہ لکھتے ہیں کہ جس کسی کو ضرورت ایسے امر کی واقع ہو تو چاہیے کہ قاضی مالکی کی طرف رجوع کرے تا کہ وہ قاضی وقوع ضرورت دیکھ کر حکم جواز نکاح نافذ کرے اور کسی کو گنجائش منازعت اور سرتابی باقی نہ رہے اور فتنہ و فساد برپا نہ ہو۔ اور اگر قاضی مالکی موجود نہ ہو تو بضرورت قاضی حنفی وغیرہ کو فتویٰ دینا اوپر مذہب امام مالک کے جائز ہے۔ چنانچہ ایسا ہی شامی وغیرہ فقہائے محققین نے تحریر فرمایا ہے۔ ۱۲ منہ غفر اللہ ولوالدیہ۔

[3] مثلاً امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک مذہب حنفی میں مطلقاً قرأت یعنی الحمد اور سورت کا پڑھنا امام کے پیچھے وقت قرأت امام کے احتیاطاً مقتدی کو مستحسن ہے۔ اور یہ قول موافق ہے ظاہر معنی بعض احادیث صحیحہ کے اور امام اعظم رحمہ اللہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک مقتدی کو امام کے پیچھے وقت قرأت سری اور جہری امام کے مطلقاً پڑھنا خواہ الحمد ہو یا کوئی سورت یا دعا مکروہ تحریمی ہے اور یہ قول موافق ہے حکم عام قرآن کے اس واسطے کہ قرآن مجید میں بلاخصوصیت اللہ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے۔ وَ اِذَا قُرِیءَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا وَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْن۔ یعنی جب پڑھا جائے قرآن تم کان لگاؤ اور چپ رہو۔ مگر جمہور صحابہ کے نزدیک یہ حکم فقط مقتدی کے ساتھ مخصوص ہے گو لفظ آیت سے حکم عام ہی ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ یہی مضمون صاحب تفسیر مدارک تحریر فرماتے ہیں اور یہی مضمون تفسیر بیضاوی وغیرہ میں ہے۔ بہر نہج حکم آیۃ عام رکھو یا خاص چونکہ امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر بموجب ظاہر معنی بعض احادیث کے عمل کرنے سے مخالفت حکم کلام اللہ لازم آتی ہے اور نیز بعض دوسری حدیثوں کی لہذا ایسے قول کو واجب العمل نہ سمجھنا چاہیے۔ ہاں اگر بلا مخالفت قرآن وہ قول موافق

مجتہد[1] مستقل اور مجتہد منتسب[2] اور مجتہد فی المذہب[3] کے قولوں سے جس قول کو

(بقیہ) حدیث صحیح ہو اس کو قوی جان کر واجب العمل سمجھنا بے شک موافق رائے فقہا محققین کے ہے تا کہ حتی الوسع کسی کی فقہاء اور محدثین میں سے مخالفت نہ ہو۔ اسی بنا پر مولانا شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ عقد الجید میں یا انصاف میں اور مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر السعادت میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب تک اپنے امام کی تقلید نہ ٹوٹے دوسرے امام کی موافقت کر لینا اولیٰ ہے۔ مثلاً حنفی اگر مس ذکر سے احتیاطاً وضو کرے تا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بے وضو نہ رہے اور شافعی اگر خون بہہ جانے کے بعد وضو کر لے تا کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک بے وضو نہ رہے تو اولیٰ ہے اس واسطے کہ کسی امام کے نزدیک وضو پر وضو کر لینا ممنوع نہیں ہے بلکہ نور علیٰ نور ہے ۱۲ ابو محمد محمد دیدار علی غفر اللہ لہ ولوالدیہ۔

[1] عقد الجید میں مولانا شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ امام بغوی رحمہ اللہ سے نقل فرماتے ہیں کہ مجتہد مطلق وہ ہے جو پانچ قسم کے علم حاصل کر لے۔ اول علم قرآن کا۔ دوم علم حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا (یعنی قرآن کے معانی مضامین کو بھی جانتا ہو اور جو شرطیں امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان کی ہیں بموجب ان کے محدث بھی) اور پھر قرآن اور حدیث کو اس طرح جانتا ہو کہ کونسی آیت و حدیث ناسخ ہے کونسی منسوخ ہے کونسی مفسر ہے اور کونسی مجمل۔ علی ہذا اباحت اور حرمت اور کراہت کے ثبوت کا کیا طریق ہے۔ وجوب و فرضیت و استحباب کی ثبوت کا کیا طریق ہے قرآن کو حدیث سے مقدم رکھتے ہیں یا حدیث کو قرآن پر مقدم رکھتے ہیں اور وہ کونسی حدیث ہے جس کو قرآن پر مقدم رکھتے ہیں۔ سوم علم تمام علماء سلف کے قولوں کا اس طرح پر کہ کونسا قول اجماعی ہے کونسا مختلف فیہ ہے۔ چہارم علم لغت اس قدر کہ قرآن اور ان حدیثوں کا جس کا تعلق احکام شرع کے ساتھ ہے۔ پنجم علم قیاس یعنی جب کوئی حکم صراحۃً قرآن یا حدیث یا اجماع سے نہ ملے اس کو ان سے علۃ حکم ڈھونڈ کر نکالے اور ہر ایک پر اس کو ظاہر کر دے اور صحابہ کرام اور تابعین اور فقہا امت مرحومہ کے قول اور فتووں کو بھی جانتا ہوتا کہ مخالف اجماع مرکب کے نہ ہو جائے اور باعتبار اختلاف محل موقع حالات مختلف کے مختلف طور پر جو مقاصد کلام عربی سے سمجھے جاتے ہیں ان کو بھی سمجھتا ہو۔ اور جو ان میں سے کسی ایک نوع کو بھی نہ جانتا ہو وہ تقلید کرے گو کسی ایک امام کے مذہب میں پہلے اماموں سے کتنا کمال اور تبحر رکھتا ہو پھر اس سے آگے رافعی اور

موافق حکم اس حدیث صحیح کے پائے جس کے صحیح ماننے میں انہی محدثوں میں سے کسی محدث کی تقلید کی ہے۔ اور اس کے حکم صحت کو موافق اصول اور قواعد اپنے امام کے پا لیا ہے ضرور اس قول کو قوی سمجھے اور اپنے زمانے کے عرف اور تعامل اور آدمیوں کی حالت کے موافق اس پر عمل کرے۔ یہی معنی ہیں اس قول کے جو صاحب درمختار تحریر فرماتے ہیں۔

وقد ذکروا ان المجتھد المطلق فقد فقد و اما المقید فعلی سبع مراتب و اما نحن فعلینا اتباع ما رجحوہ و صححوہ کما لو افتوا فی حیاتھم فان قلت قد یحکون اقوالا بلا ترجیح و قد یختلفون فی التصحیح قلت یعمل بمثل ما عملوا من اعتبار تغیرات العرف و

(بقیہ) وغیرہ بے شمار علماء کی تصریح کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ یہ مجتہد مطلق جس کی تفسیر بیان ہو چکی اگر اصول میں بھی تصرف کرے جن کے موافق اجتہاد کرتا ہے اور ان آیات اور احادیث اور آثار صحابہ کو بھی تلاش کرے کہ جن کے موافق پہلے علما نے فتوے دیئے ہیں متعارض دلیلوں میں سے ایک کو دوسری دلیل سے پسند کرے تمام احتمالوں سے جو کسی آیت یا حدیث میں ہوں ایک کو ترجیح دے جن واقعات میں پہلوں نے کوئی فتویٰ نہ دیا ہو اس حکم کو ان آیتوں و حدیثوں سے نکالے جب وہ مجتہد مستقل ہے۔

[2] اور جو اصول میں اپنے شیخ مجتہد کی تقلید کرے اور اپنے شیخ مجتہد کے فتووں کے دلائل انہیں اصول کے موافق حاصل کرے اور بموجب ان اصول کے استنباط احکام پر قادر ہو وہ مجتہد منتسب کہا جاتا ہے۔

[3] اور جو مرتبہ میں اس سے کم ہو کہ اپنے امام کے احکام معہ دلائل اور اصول کے جانتا ہو اور جس مسئلہ میں اپنے امام کا قول نہ پائے انہیں دلائل اور اصول کے موافق اس میں فتویٰ دے سکے اس کو مجتہد فی المذہب کہتے ہیں۔ انتہیٰ خلاصہ ترجمہ ما فی العقد الجید ۱۲

احوال الناس و ما هو الارفق و ماظهر عليه التعامل وماقوى وجهه ولايخلوا الوجود عمن يميز هذا حقيقة لا ظنا وعلى من لم يميزان يرجع لمن يميز لبراءة زمة. انتهىٰ

یعنی تحقیق محققین نے لکھا ہے کہ مجتہد مطلق تو بے شک مفقود ہو گئے مگر مجتہد مقید سات مرتبہ کے جو مشہور ہیں ان میں سے کسی نہ کسی مرتبہ کے ہوتے رہے ہیں...... چنانچہ ہم جو ساتویں درجہ کے ہیں ہمارے اوپر یہی لازم ہے کہ مرجحین فقہا جس قول کو راجح اور صحیح لکھ گئے ہیں جیسے وہ لکھ گئے ہیں اسی کے موافق عمل کریں۔ جیسے ان کی زندگی میں ہم پر ان کے فتوے کے موافق عمل کرنا لازم تھا ویسے ہی اب لازم ہے۔ ہاں جس قول کو وہ بلا ذکر صحت اور ترجیح چھوڑ گئے ہیں۔ یا وہ بعض قول جن کی صحت میں ان کو بھی اختلاف واقع ہوا ہے مثلاً بعض نے ایک قول کو راجح اور صحیح کہا ہے اور بعض آخر نے دوسرے قول کو۔ تو ہم کو انہی کے طریق پر عمل کرنا ضرور ہوگا کہ بموجب حالات زمانہ اور عرف اور تعامل اپنے زمانے کے جس قول کو مناسب زمانہ سمجھیں اور جس قول کی دلیل قوی[1] ہو اسی پر عمل کریں اور یہی معنی تھے اس قول کے جو ہم نے کہا تھا کہ میں سب کا مقلد ہوں۔ پھر

[1] دلیل قوی سے یہاں یہ مراد نہیں کہ خود اس دلیل کی قوت اور ضعف بیان کرنے پر قادر ہو بلکہ یہاں مراد یہ ہے کہ جس دلیل کو محدثین اور فقہا نے قوی لکھا ہے اس کے مطابق جس مسئلہ کو پائے اس کو قوی سمجھے۔ جس کو انھوں نے ضعیف لکھا ہے ان کی تقلید سے جس مسئلے کو اس کے مطابق پائے اس کو ضعیف سمجھے اس واسطے کہ دلیل کو قوی ضعیف کہنا یہ کام مجتہد مستقل یا مجتہد فی المذہب کا ہے نہ کہ ساتویں درجے کے مجتہدوں کا جو فی الواقع مقلد محض ہیں چنانچہ شامی (ماقوی وجہہ) کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں معتولہ ماقوی وجہہ اے دلیلہ الحاصل لا المحصل لانہ رتبۃ المجتہد۔ ۱۲ منہ غفر اللہ والولد یہ

آپ کا یہ فرمانا کہ اس قول سے ہمارا مدعا ثابت ہوگیا۔ آپ کا دل خوش کر لینا ہے ورنہ میری مراد یہی تھی کہ موافق اتفاق سواد اعظم کے سب کا مقلد ہوں جس کی کیفیت پہلے بھی میں عرض کر چکا تھا اور اب تو خوب ہی واضح کر کے بیان کر دی گئی ہے با ایں ہمہ آپ کا مجھ کو اپنی جماعت قلیل میں شریک کر لینا یہ آپ ہی کا کام ہے۔

رہا مسئلہ امکان کذب۔ سو اول تو حضرت یہ زہریلہ مسئلہ آپ ہی کے مولویوں میں سے مولوی شہود الحق شاگرد مولوی نذیر حسین صاحب نے اپنی کتاب صیانۃ الایمان میں لکھا تھا۔ حنفی تو بفضلہ تعالیٰ اس بات کے بھی قائل نہیں کہ خداوند کریم سے خلف وعید یعنی عذاب کے وعدوں میں بھی مخالفت ممکن ہے۔ ہاں بعض مشائخ اشعریہ شافعیوں میں سے اس امر کے قائل ہیں مگر وہ خلف وعید یعنی عذاب کا وعدہ کر کے عذاب نہ کرنے کو کذب نہیں سمجھتے بلکہ وہ اس امر کو عفو و کرم سمجھتے ہیں کہ جو نیک اور بھلی صفت ہے اور ثواب کا وعدہ کر کے اس کے مخالف کرنا تو ذات خداوند کریم سے سب کے نزدیک بالاتفاق محال اور غیر ممکن ہے۔ پھر مسئلہ امکان کذب کو مقلدوں سے خصوصاً حنفیہ سے کیا علاقہ۔ دیکھو نظم الفرائد میں ہے۔

ذهب مشائخ الحنفية الى انه يمتنع تخلف الوعيد كما يمتنع تخلف الوعد كمافى العمدة للامام النسفى و الشرح الكبير للامام اللقانى و شرح الفقه الاكبر للشيخ على القارى و ذهب المشائخ من الاشعرة الى ان العقاب عدل او عذبه العاصى وله ان يعفوعنه لان الخلف فى الوعيد لا يعد نقصا كما فى المواقف و شرحه الشريفى و التفسير الوسيط للامام الواحدى و شرح الجوهر للامام اللقانى

یعنی مشائخ حنفیہ کا یہ مسلک ہے جس طرح ثواب کا وعدہ کر کے اس کی مخالفت خداوند کریم سے ممتنع ہے اسی طرح عذاب کا وعدہ کر کے اس کے مخالف کرنا بھی ذات پاک خداوند کریم سے غیر ممکن اور ممتنع ہے۔ چنانچہ امام نسفی کی کتاب عمدہ میں اور امام لقانی کی شرح کبیر میں اور شیخ علی قاری کی شرح فقہ اکبر میں ایسا ہی ہے اور بعض مشائخ اشعریوں میں سے ایسا فرماتے ہیں کہ عذاب کرنا مقتضا عدالت کا ہے اسی وجہ سے گنہگاروں سے وعدہ عذاب کا کیا ہے مگر اگر وہ معاف کرنا چاہے تو معاف کرسکتا ہے اس واسطے کہ عذاب کے وعدے میں مخالف وعدہ کرنا موجب نقصان اور عیب نہیں ہے ایسا ہی مواقف اور شرح مواقف اور تفسیر وسیط امام واحدی میں ہے اور ایسا ہی شرح جوہر امام لقانی میں۔ اور یہی مضمون شرح عقائد نسفی کا ہے اور اس کی شرح شریفی اور مولانا شاہ عبد العزیز قدس سرہ تو تفسیر آیہ کریمہ **فلن يخلف الله عهده** میں ان سب سے بڑھ کر اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔

یعنی ہرگز خلاف نخواہد کرد ایں عہد حکمی خود را زیرا کہ خبر او کلام ازلی ابدیست و کذب در کلام نقصانی ست عظیم کہ ہرگز بصفات او راہ نمی یابد و آنچہ بعضے از ظاہر بینان گفتہ اند کہ خلاف در وعد نیک نقصان است و در وعید بد کرم و لطف است مبنی است بر قیاس غائب بر شاہد در حق او تعالیٰ کہ مبرا از جمیع عیوب و نقصان است دخلاف خبر مطلقاً نقصان است خواہ نیک باشد خواہ بد۔ زیرا کہ لطف و کرم او تعالیٰ راہ ہائے بسیار دارد و جائز است کہ معاملہ لطف و کرم ہم نماید و خلف در وعید ہم نکند بخلاف آدمیان کہ بسبب عجز بشری بغیر از خلف در وعید ایشاں را لطف و کرم کردن ممکن نمیشود پس در حق ایشاں خلف در وعید بہ ترجیح نقصانے بر نقصانے است کہ اشد از نقصان۔ اول است و در حق او تعالیٰ نقصانے محض است بے حاجت بتکمیل

فافترقا۔

یعنی اللہ جل شانہ کبھی اپنے وعید کے مخالف نہیں کرنے کا اس واسطے کہ اس کی خبریں اس کا کلام سب ازلی ابدی ہیں۔ اس کے کلام میں جھوٹا بہت بڑا نقصان ہے اور وہ جو بعض ظاہر بینوں کا قول ہے کہ عذاب کے وعدے میں مخالفت کرنا جھوٹ نہیں بلکہ یہ لطف و کرم ہے۔ سو یہ انسان کی شان ہے کہ وہ بغیر مخالفت و عذاب کرم کر نہیں سکتا اور وہ قادر مطلق بلا مخالفت و عذاب کرم کرسکتا ہے۔

خلاصہ مطلب شاہ صاحب کا یہ ہے کہ بعض اشعریوں نے لحاظ ان آیتوں اور حدیثوں کے جن میں علاوہ شرک کے تمام گناہوں کے بخشنے کا وعدہ بموجب مشیت کے ہے جو یہ کہا ہے کہ عذاب کا وعدہ کر کے عذاب نہ کرنا جھوٹ نہیں کہا جاتا بلکہ اس کو کرم اور عفو کہتے ہیں۔ اور کرم و عفو وہ صفت کمال ہیں جن کے ساتھ خداوند کریم ہمیشہ موصوف ہے۔ یہ قول بھی ضعیف ہے۔ چنانچہ حنفی اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ جب تمام خبریں اللہ کی کلام ازلی و ابدی ہیں تو لامحالہ عذاب کے وعدے کی آیتوں کے ساتھ ہی مرتبہ علم اللہ میں بخشش کے وعدے کی آیتوں کو ماننا ضروری ہے۔ لہذا جب اللہ نے آیہ کریمہ **ان الله لا يغفر ان يشرك به و يغفر ما دون ذلك لمن يشاء** میں یہ وعدہ کرم کا کرلیا کہ سوا شرک کے جس گناہ کو ہم چاہیں گے بخش دیں گے۔ بلاشبہ تمام عذاب کے وعدے کی آیتوں کے۔ علیٰ ہذا القیاس ایسی حدیثوں کی کہ جو وحی غیر متلو کہی جاتی ہیں۔ یہی معنی ہوئے کہ جس نے مومن کو قصداً قتل کیا اس کا بدلہ ہمیشہ جہنم میں رہنا ہے۔ اگر اللہ اس کے گناہ کو بخشنا نہ چاہے اور نہ بخشے اور جو کوئی برا عمل کرے گا اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ اگر اس کو نہ بخشے اور بخشنا نہ چاہے علیٰ ہذا القیاس۔ اندریں صورت جب عذاب کے وعدے کے ساتھ ہی یہ فرما دیا کہ یہ وعدہ حتمی نہیں ہے بلکہ اگر ہم چاہیں

گے عذاب کریں گے اور اگر چاہیں گے تو بخش دیں گے اگر بخش دیا اور عذاب نہ کیا خلف وعید کہاں لازم آیا۔ پھر کیا ضرور ہے کہ خلف وعید کو کرم اور عفو قرار دے کر خدا پر تجویز کیا جائے۔ اسی وجہ سے ان بعض اشعریوں کو مولانا شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ نے ظاہر بیں قرار دیا ہے اور علامہ شیخ زادہ علیہ الرحمۃ نے اس مذہب کے ضعیف ہونے پر یہ قول علامہ رازی علیہ الرحمۃ تفسیر کبیر سے نظم الفرائد میں نقل کیا ہے۔

واذا جاز الخلف فی الوعید لغرض الکرم فلم یا یجوز الخلف فی القصص والاخبار لغرض المصلحة و معلوم ان فتح هذا الباب یفضی الی الطعن فی القرآن و کل اشریعة۔ انتہیٰ بلفظ۔

یعنی جب بغرض اظہار شان عفو وکرم وعدہ عذاب کا کر کے اس کے مخالف کرنا جائز سمجھا جائے گا تو پھر یہ بھی کہہ سکیں گے کہ بعض قصے اور خبروں کو بھی اللہ نے بغرض کسی مصلحت کے مخالف واقعہ کے بیان کر دیا ہے۔ نعوذ باللہ منہا۔ اور ایسے قولوں سے قرآن مجید بلکہ ساری شریعت پر جو طعن وارد ہوں گے وہ سب جانتے ہیں۔ بہر نہج حنفی۔ شافعی۔ اشعریہ۔ ماتریدیہ کسی کے ضعیف بلکہ اضعف قول سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ جس امر پر جھوٹ اور کذب کا اطلاق کریں اس امر کو ذات خداوند کریم سے ممکن بھی سمجھیں۔ اس واسطے کہ جب کذب ممکن ہوگا تو ضرور ہے کہ خدا سے زوال صدق بھی ممکن ہوگا۔ اور جو صفت زائل ہو سکے وہ صفت حادث ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ حادث صفتوں سے پاک ہے جو کوئی اس کے واسطے صفت حادث ثابت کرے وہ مسلمان نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب مسئلہ امکان کذب کا ان نئے مدرسین نے دیو بند میں پھیلایا اور مولوی خلیل احمد کے قلم سے بھی بمقابلہ مولانا عبدالسمیع صاحب مرحوم ومغفور رسالہ براہین قاطعہ

میں نکل گیا اور غالباً بن سوچے سمجھے مولوی رشید احمد صاحب نے بھی اس پر تقریظ لکھ ڈالی اور پھر سب کو بات کی پچ پڑ گئی۔ مولوی عثمان صاحب بن قاری رحیم بخش صاحب ساکن فیروز پور جھرکہ فرماتے تھے کہ مولوی سید احمد صاحب مدرس دوم مدرسہ دیو بند سے جو یہ مسئلہ دریافت کیا گیا انھوں نے تو اس کے جواب میں یہ عبارت تحریر فرمائی تھی بجنسہٖ مولوی عثمان نے جو نقل کرادی تھی اس کے مطابق نقل کی جاتی ہے

(ذات جناب باری سے امکان کذب ممتنع بالذات اور قدرت تمسع للجہات ان دونوں میں منافات سمجھنا عقل کی کوتاہی اور ایمان کی تباہی)

غالباً یہ سب مدرسین حال مدرسہ دیو بند مولوی صاحب ممدوح کے تو شاگرد ہی ہوں گے۔ مگر اب تو حضرت مولویانِ دیو بند کے نزدیک وہ مولوی محمد قاسم صاحب جن کو تمام علماء دیو بند اور سہارنپور اور گنگوہ اور نانوتہ اور دہلی وغیرہ باتفاق اپنا پیشوا اور بہت بڑا محقق جامع شریعت وطریقت مانتے تھے ان کی تحقیقات کو سب سر اور آنکھوں پر رکھتے تھے وہ بھی کچھ نہ رہے۔ ان کے مخالف بھی کئی مسئلے جاری کر دیئے۔

دیکھو لطائف قاسمیہ میں جمعہ کے بعد چار فرض احتیاطاً پڑھنے کے بارے
میں جو انھوں نے مولوی عبدالسلام کو خط لکھا ہے اس میں کیا کیا دلائل بیان کئے ہیں
اور کس شد و مد سے لکھا ہے اور یہ حال کے مدرس اب کس زور شور سے اس احتیاط
الظہر کی ممانعت کر رہے ہیں۔ اور اسی خط میں ہے کہ جو لوگ دیہات میں جمعہ
پڑھ لیتے ہیں ان سے بھی دست بگریباں نہ ہونا چاہیے۔ اور یہ لوگ جو ایسے گاؤں
میں جمعہ پڑھنے والے ہیں کہ جن پر شہر کی تعریف آخر صادق آتی ہے ان سے بھی
کس درجہ دست بگریباں ہو رہے ہیں۔ اور اس مسئلہ امکان کذب میں بھی یہ لوگ
ان کے مخالف ہی معلوم ہوتے ہیں۔ اس واسطے کہ ان کے ان دو جملوں سے جو
انھوں نے تصفیۃ العقائد مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی میں بجواب سر سید احمد خان بہادر
تحریر فرمائے ہیں ان کا مسلک تو موافق جمہور اہلسنت ہی معلوم ہوتا ہے اس واسطے
کہ بہ نسبت انسان کے جو عاجز ہے اگرچہ کذب یعنی جھوٹ بولنے کو بعض موقعوں
پر لغو بعض موقعوں پر نیک داخل حسنات بعض موقعوں پر قبیح۔ اس کتاب کے جواب
پانزدہم میں لکھا ہے مگر خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت تو صفحہ ۷ میں یہی
لکھا ہے۔ کلام خداوندی اور کلام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جیسے مخالف حقیقت اور
مخالف واقع نہیں ہوسکتا ایسے ہی حقیقت واقعہ دریافت کرنے کی صورت اس سے
بہتر نہیں کہ کلام خدا اور رسول کی طرف رجوع کیا جائے۔

اور پھر صفحہ ۳۳ سطر ۱۵ اسی کتاب میں لکھا ہے۔

ہاں اگر خدا اور رسول کی طرف جھوٹ بولنے کا احتمال ہو تو البتہ ایسے تامل کی
گنجائش رہے۔ انتہی۔ مختصراً بقدر الحاجۃ۔ علیٰ ہذا القیاس رسالہ فیصلہ ہفت مسئلہ میں
جو ان مسئلوں کے متعلق جامع شریعت و طریقت علم الہدی مولانا حاجی امداد اللہ
صاحب قدس سرہٗ نے فیصلہ لکھ بھیجا تھا اس کی بھی مخالفت جب ان دیوبند کے

مدرسین حال سے مشہور ہے باآنکہ حاجی صاحب ممدوح ان کے اور ایک زمانے
کے مسلم الثبوت پیشوا تھے۔ پھر اگر یہ ایسے علما مخالف جمہور اہل اسلام امکان
کذب کے قائل ہو جائیں ان کا قول جمہور اہلسنت پر موجب طعن نہیں ہوسکتا جو
کوئی مخالف جمہور قول کرے گا اس کا قول گمراہی سمجھا جائے گا۔ اور اس امر میں
زیادہ تحقیق مدنظر ہے تو ہمارے اس رسالہ یک روزہ کو فرصت سے دیکھنا۔ مگر اب
پہلے مجھ کو یہ تو بتا دو کہ کتب فقہ میں اس دیسی کوے کو جو کانو کانو بولتا ہے چھپا مینڈ کی
چڑیا کے بچے وغیرہ کو چھوٹے بڑے آدمیوں کے ہاتھ سے ٹکڑے وغیرہ کو اڑتا ہوا
اچک لے جاتا ہے کونسی فقہ کی کتاب میں حلال لکھا ہے۔

حضرت من! تمام فقہ کی کتابوں میں اول یہ کلیہ لکھا ہے کہ ذوناب اور ذو
مخلب یعنی دانت والے اور پنجہ دار جانوروں میں سے جو شکاری جانور ہیں وہ
سب حرام ہیں۔ چنانچہ ہدایہ میں جو یہ حدیث نہیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم عن کل ذی مخلب من الطیور و کل ذی ناب من السباع دلیل
حرام ہونے پنجہ دار اور دانت والے شکاری جانوروں کی نقل کی ہے اس کی شرح
میں صاحب غایۃ البیان تحریر فرماتے ہیں۔

فصار تقریر الحدیث کانہ قال نہیٰ عن کل ذی مخلب من سباع
الطیر ونہیٰ عن کل ذی ناب من السباع فیکون المحرم بہذا
الحدیث کل ذی مخلب من سباع الطیر لا کل طیر لہ مخلب

یعنی یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک پنجے
دار پرند اور دانت والے کو حرام فرمایا ہے۔ اس کے آخر میں چونکہ قید درندہ کی لگا
دی ہے لہذا امراد حدیث میں وہ پنجہ دار پرند اور دانت والے جانور ہیں جو شکاری
ہیں نہ کہ کل پنجہ دار پرند اور دانت والے جانور

اور من السباع کی قید جو حدیث میں ہے اس کی شرح میں صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں۔

والسبع کل مختطف منتهب جارح قاتل عاد عادة

یعنی سبع جس کی جمع سباع ہے اور ترجمہ اردو میں شکاری یا درندہ ہے ان جانوروں کو کہتے ہیں جو اڑتے اڑتے مثل چیل کووں کے لوگوں سے گوشت۔روٹی وغیرہ چیزوں کو۔اور مثل چوہیا۔مینڈکی۔چڑیا کے بچے وغیرہ چھوٹے یا ان سے بڑے جانوروں کو اچک لے جائیں۔یا مثل بلی۔کتے کے لوگوں سے بعض چیزوں کو چھین لیں۔زخمی کر دیں۔دوسرے جانداروں کو جان سے مار ڈالیں۔حملہ کریں۔اور یہ سارے معاملے سکھائے سے نہیں بلکہ بمقتضائے عادت ان سے سرزد ہوں۔اب وہ جانور جو اچک کر لے جانے والے شکاری ہیں چونکہ دو قسم کے تھے۔ایک وہ جو اڑتے ہوئے پنجے سے اچک لے جائیں۔جیسے چیل۔شکرہ۔باز۔لہذا ان کو الگ اس طرح سے بیان کر دیا و ذوالمخلب طائر یختطف بالمخلب یعنی پنجے کش وہ جانور ہیں جو پنجے سے اچک کر لے جائیں۔اور ایک وہ جو چونچ سے گوشت وغیرہ چیزوں کو مردار جانوروں کو ان کے گوشت کو اپنے سے چھوٹے جانور جیسے چوہیا۔چڑیا کے بچے۔مرغی کے بچے۔مینڈک۔مینڈکی وغیرہ کو اڑتے ہوئے اچک لے جائیں اور پنجے سے دبا دبا کر کھائیں جیسے یہ دیسی کوا۔یا بن دبائے چونچ سے ہی کھاتے رہیں۔یا ثابت ہی مردار کے پائے وغیرہ نگل جائیں۔جیسے گد۔ڈھینک،الو۔چھپکا۔چمگادڑ۔لہذا اس خیال سے کہ کبھی اس قید اتفاقی سے جو بعض فقہا نے ذو مخلب کی تعریف میں مثل شارح وقایہ کے پنجے سے اچکنے کے لگا دی ہے۔ان شکاری جانوروں کو کوئی غیر شکاری نہ سمجھ لے۔الگ بالتصریح شکاری کر کے بیان کر دیا۔کمافی الچلپی حاشیہ شرح الوقایۃ

اعلم ان الغراب اربعة انواع نوع یاکل الحبوب فقط یقال له غراب الزرع کما سیاتی. فهو حلال اتفاقا لانه لیس من سباع الطیور و لا یاکل الجیف ا۔ ونوع یاکل فحسب فهو حرام اتفاقا و نوع معدودة من سباع الطیر فهو حرام اتفاقا ایضا ونوع یجمع بین الحب والجیفة وهو حلال عند الاعظم رحم الله علیه وهو العقعق الذی یقال له بالفارسية عكه لانه كالدجاجة وعن الثانی انه يكره

یعنی تحقیق کوے کی چار قسم ہیں۔ایک وہ جو صرف دانہ کھاتا ہے اور اس کو دشتی کوا کہتے ہیں وہ باتفاق سب کے نزدیک حلال ہے۔دوسرا وہ جو فقط مردار سڑا ہوا گوشت کھاتا ہے وہ باتفاق سب کے نزدیک حرام ہے۔تیسرا وہ جو شکاری پرندوں میں شمار کیا جاتا ہے وہ بھی اتفاقاً سب کے نزدیک حرام ہے۔چوتھا وہ جو مردار سڑا ہوا گوشت اور دانہ دونوں کو کھاتا ہے وہ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک حلال ہے اس کا نام عقعق ہے۔اس کو فارسی میں عکہ کہتے ہیں اس واسطے کہ وہ مثل مرغی کے ہے۔اور امام ابو یوسف رحم اللہ علیہ کے نزدیک وہ مکروہ ہے

اور ظاہر ہے کہ کووں میں یہی دیسی کوا شکاری ہے جو چوہیا۔گلہری کے۔مرغی کے۔چڑیا کے بچوں کو شکار کرتا ہے۔علاوہ اس کے اگر کوئی کوا ایسا کہیں ہوتا ہو جو پنجے سے چیل کی طرح شکار کرتا ہو اور شکاری بھی اسی کو کہتے ہیں جو پنجے سے اچکے تو اس کوے کی حلت کا فتویٰ دینے والے بشہادت کتب معتبرہ بتلا دیں۔اور پھر روایت قاضی خاں کو فکان الاصل عنده ان مایخلط النجاسة بشی اخر

ا غیاث اللغات میں ہے۔جیف بکسر اول و فتح دوم جمع جیفہ کہ بمعنی حیوان مردہ بو گرفتہ است۔از صراح۔جیفہ بالکسر حیوان مردار بو گرفتہ۔از منتخب و لطائف و کنز۔اسی واسطے ترجمہ میں جیفہ کے معنی سڑے ہوئے گوشت کے کئے گئے ہیں۔۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالیٰ

کالدجاجة لابأس به (یعنی امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک یہ قاعدہ ٹھہرا کہ جو جانور نجاست کو دوسری چیز کے ساتھ ملا کر کھائے اس کا کچھ ڈر نہیں) مقابل میں لے کر آئیں۔ علاوہ بریں پہلے اپنے بزرگوں کی تحقیقات کو تو دیکھ لیں۔ جناب مولانا شاہ اہل اللہ صاحب قدس سرہ برادر حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمۃ محدث دہلوی ترجمہ کنز الدقائق میں جس کا اردو ترجمہ مولوی محمد احسن صاحب صدیقی نانوتوی مرحوم برادر مولوی محمد مظہر صاحب مرحوم مدرس اول مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور نے مسمی باحسن المسائل کیا ہے۔ اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔

''جو کوا کھیتی کھاتا ہے اور ناپاکی نہیں کھاتا حلال ہے مگر جو کوا ابلق کہ مردار کھاتا ہے حرام ہے۔ اور مراد ابلق سے یہی دیسی کوا ہے کہ اس کی گردن کا رنگ بہ نسبت پروں کے سفید ہوتا ہے اس کا کھانا حرام ہے۔ فقط اور فائدہ ترجمہ آیۃ احل لکم الطیبات و ما علمتم من الجوارح کے آخر آیت ان اللہ سریع الحساب کے ترجمہ اردو کے آگے جو ایک کا ہندسہ دے کر موضح القرآن سے حاشیہ صفحہ ۱۴۳ قرآن مترجم بمترجمین مطبوعہ ہاشمی ۱۲۸۲ھ میں لکھا ہے۔ اس میں مولانا شاہ عبد القادر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت نے جو چیزیں منع فرمائیں معلوم ہوا کہ وہ ستھری نہیں جیسے پھاڑنے والا جانور چوپایہ یا پرندہ مثلاً شیر۔ چیتا، باز۔ چیل اور اسی میں داخل ہوئے مردار خوار سارے کوا وغیرہ الخ۔''

۱ حالانکہ ابن ماجہ شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت قاسم رضی اللہ عنہ سے اور زرقانی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حاشیہ زیلعی مسمی بہ شلبی میں حضرت عروہ سے باتفاق یہ مضمون جامع مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا من یأکل الغراب وقد سماہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاسقا۔ یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوے کو فاسق فرمادیا پھر کون کوے کو کھا سکتا ہے۔ اور عمدۃ

پھر آپ نے ان بعض علماء دیوبند کے کوے کھا لینے پر کہ جنھوں نے فقط نجاست اور دانہ ملا کر کھانے والے جانوروں پر مثل عقعق مرغی کے قیاس کر کے اس دیسی کوے کو حلال کر لیا۔ نہ اس کے مردار خوار ہونے پر نگاہ ڈالی نہ شکاری ہونے کی طرف دیکھا نہ فاسق۲ ہونے کا خیال کیا نہ اپنے بلکہ تمام ہندوستان کے بزرگوں کی تحقیق کو مد نظر رکھا۔ حنفیت کو کیسے منحصر کر دیا۔ حضرت من۔ اس دیسی کوے فاسق مردار خوار شکاری کو تو تمام کتب فقہ میں حرام لکھا ہے۔ اور جو کوا مختلف فیہ ہے جو فقط نجاست اور دانہ مثل مرغی کے ملا کر کھاتا ہے اس کو عربی میں عقعق اور فارسی میں عکہ کہتے ہیں اور اردو میں مہو کا کہتے ہیں اسی کو کتاب ''مالا بد منہ'' میں مکروہ لکھا ہے۔ چنانچہ مالا بد کی کتاب التقویٰ میں ہے۔

''وزاغ کہ دانہ ونجاست ہر دو میخورد مکروہ است۔''

اسی کی نسبت صاحب غایۃ الاوطار کوے ابلق اور کالے کی تین قسمیں بیان کر کے آخر میں فرماتے ہیں۔''

تیسرا قسم کا وہ کوا ہے جو کبھی نجاست کھاتا ہے کبھی دانہ کھاتا ہے۔ وہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہ تحریمی اور امام کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔ اور اس امر کے متعلق اور زیادہ تحقیق منظور ہو تو۔ رسالہ قول الصواب اور رسالہ زیغ زاغ کو لیجئے اور ملاحظہ کیجئے۔ اور اب اصل مدعا کی طرف توجہ فرمائیے۔ اور اب

(بقیہ) القاری میں علامہ عینی کا اور فتح الباری میں ابن حجر عسقلانی رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ باتفاق علما عقعق اور غراب الزرع یعنی مہوکا اور دشتی کوے کے سوا جس کے پنجے اور چونچ سرخ ہوتے ہیں سب کوے غراب البقع کے حکم میں داخل ہیں جو باتفاق حرام ہے ۱۲ منہ غفر اللہ ولوالدیہ۔

۲ چنانچہ ابن ماجہ سے ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس کوے کو فاسق فرما کر فرماتے ہیں۔ واللہ ماہو من الطیبات ۱۲۔ منہ

بھی کوئی شبہ باقی ہے تو بیان کیجئے۔

محمدی۔ مولانا جزاک اللہ۔ یوں ہٹ دھرمی کا تو ذکر نہیں جیسا ہماری جماعت قلیل کا خاصہ ہے ورنہ ہر بات کی اس وقت تو میری پوری تشفی ہوگئی۔ میں تو آپ کو معمولی آدمی سمجھا ہوا تھا مگر آپ کی تحقیق سن کر تو آنکھیں کھل گئیں اور جو میں مثل اپنے ہم مشربوں کے اپنے آپ کو بڑا محقق سمجھتا تھا اس کی کیفیت معلوم ہوگئی اب میں دو روز کی اجازت چاہتا ہوں کہ اس مدت میں رسالہ قول الصواب اور زلیغ زاغ کو بھی دیکھ لوں گا۔ اور یہ تحقیق تقلید کی جو آپ نے لکھوا دی ہے اس کو بھی اپنے ہم مشرب مولویوں کے ساتھ مل کر دیکھوں گا تا کہ اور کوئی شبہ پیدا ہو تو اس کو بھی آپ سے رفع کرلوں اور پھر اطمینان سے توبہ کروں اور شاید میرے ساتھ اور بھی دو چار اس طریق سے توبہ کرلیں۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

مقلد۔ وعلیکم السلام مولوی صاحب اس کا مضائقہ نہیں۔ مگر دیکھو کبھی ایسا نہ ہو کہ آپ بلحاظ اپنے ہم مشربوں کے چھپ بیٹھو اور نہ آؤ۔ کہو تو میں ہی پرسوں آپ کے مکان پر حاضر ہوں خدا کرے آپ اسی انصاف پر قائم ہیں۔

محمدی: مولانا اب ایسا نہیں ہوسکتا۔ انشاء اللہ میں ہی ضرور حاضر ہوں گا۔ اب آپ کی تقریر میرے دل میں کھب گئی ہے۔ والسلام علیک۔

محمدی۔ السلام علیکم۔

مقلد۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ فرمایئے کوئی اور شبہ تو نہیں پیدا ہوا اور ان دونوں رسالوں کو کیسا پایا۔

محمدی۔ مولانا ماشاء اللہ۔ رسالہ یکروزہ تو آپ نے خوب ہی بلا تعصب انصاف کے ساتھ لکھا ہے۔ اور یہ تقریر جو آپ نے مجھ کو لکھوا دی یہ کیا کچھ کم ہے۔ میں یقین کرتا ہوں کہ علماء گنگوہ اور دیوبند بھی اگر اس کو دیکھ لیں گے اور میدان

انصاف میں ذرہ بھی قدم رکھتے ہوں گے تو اپنی بات کی پچ اور اپنے سخن کا پاس چھوڑ دیں گے اور بجز پاس سخن حق یہ ہے کہ غالباً ان کا امکان کذب کا ہرگز عقیدہ بھی نہ ہوگا۔ اور رسالہ قول الصواب اور زلیغ زاغ بھی فی الواقع اسم با مسمی قول الصواب اور زلیغ زاغ ہی ہے اور زاغ خوری سے میں نے سنا ہے کہ اب خود دیوبندی گنگوہی بھی اپنے دلوں میں شرمندہ ہیں۔ ورنہ مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کے رسالہ زلیغ زاغ اور قول الصواب کا کچھ تو جواب دیتے مگر کیا کریں اب جو بات منہ سے نکل گئی وہ کس طرح لوٹے۔ مگر غضب ہے کہ بعضے مرید سیدھے سادے تو اس کو ایمان سمجھ لیتے ہیں چنانچہ مولوی حسن صاحب بن مولوی محمد مرید صاحب مغفور تو میوات میں اس درجہ کوے کھانے کی ترغیب دے رہے ہیں کہ گویا بغیر اس کے کھانے کے مسلمان ہی نہیں۔ نعوذ باللہ۔ ایسے لوگ حنفیوں کو بدنام کرتے ہیں۔ اور یہ دلیلیں تقلید کی جو آپ نے بیان کیں یہ بھی لاجواب ہی ہیں۔ مگر بااینہمہ اس کی کیا وجہ ہے کہ جب ان چاروں اماموں کے کل اقوال معہ بیان راجح مرجوح وغیرہ امور ضروری منقول چلی آتی ہیں اور انہیں میں سے کسی ایک امام کی تقلید پر سواد اعظم امت مرحومہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کا اتفاق بھی ہوگیا پھر مقلدین امام اعظم رحمہ اللہ بعض قولوں پر امام کے کیوں نہیں عمل کرتے۔ دیکھو فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

وفی نوادر داؤد بن رشید عن محمد رحمه الله فی رجل لیس بفقیه ابتلی بنازلة فی امراة فسال عنها فقیها فافتاه بامر من تحلیل اوتحریم فعزم علیه و امضاه ثم افتاه ذالک الفقیه بعینه او غیره من الفقهاء فی امراة اخری له فی عین تلک النازلة بخلاف ذالک فاخذبه و عزم علیه وسعه الامران جمیعا ولو کان هذا الرجل سال

بعض الفقهاء عن نازلة فافتاه بحلال او حرام فلم یعزم علی ذالک فی زوجة حتی سالِ فقیها آخر فافتی بخلاف ما افتی به الاول فامضاه علی زوجة و ترک فتوی الاول و سعه ذالک ولو کان امضیٰ قول الاول فی زوجة و عزم علیه فیما بینه و بین امراته ثم افتاه فقیه اخر بخلاف ذالک لا یسعه ان یدع ما عزم علیه و یاخذ فتوی الاخر قال محمد رحمه الله هذا کله قول ابی حنفیة و ابی یوسف رحمهما الله و قولنا۔

یعنی نوادر میںؒ امام محمد رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ اگر کسی ایسے شخص نے جو فقیہ یعنی مجتہد نہ تھا کسی فقیہ یعنی مجتہد سے کسی عورت کے معاملہ میں اپنے اوپر حرام ہونے کا فتویٰ لے کر اس عورت کو اپنے اوپر حرام سمجھ لیا اور اپنے سے جدا کر دیا اور پھر دوسری عورت سے جب پہلی عورت کا سا ہی معاملہ واقع ہوا اور اس معاملہ میں دوسرے فقیہ یعنی مجتہد سے فتویٰ لیا۔ اس نے اسی معاملہ خاص کے اعتبار سے جس کی وجہ سے پہلے فقیہ نے پہلی عورت کو حرام کہہ دیا تھا اس عورت کو حرام نہ بتایا بلکہ برخلاف فقیہ اول کے حلال رہنے کا فتویٰ دیا اور اس نے بموجب قول دوسرے فقیہ کے عمل کیا اور اس عورت کو جدا نہ کیا تو اِس کو دونوں فقیہوں کے قول پر دو عورتوں کے معاملہ میں عمل کرنا جائز ہے۔ البتہ ایک عورت کے ایک معاملہ خاص میں ایک فقیہ کے قول پر عمل کرنے کے بعد دوسرے فقیہ کے مخالف قول پر عمل درست نہیں ہاں فقیہ اول کے قول پر عمل کرنے سے پہلے اس کے قول کو چھوڑ دے اور دوسرے کے قول پر جو فقیہ اول کے مخالف فتوی دیتا ہے عمل کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اور پھر امام محمد فرماتے ہیں یہی ہمارا قول ہے اور یہی ابو حنیفہ اور امام ابی یوسف رحمہما اللہ کا انتہیٰ۔

پس اس قول پر حنفیہ کیوں نہیں عمل کرتے۔ اگر اس پر عمل کر لیا جائے تو مقلدین و غیر مقلدین میں تھوڑا ہی فرق رہ جائے۔ کہ جس کا مٹنا مٹانا کوئی مشکل نہیں بلکہ واقع میں اس قول کا اور غیر مقلدوں کا ایک منشا ہے وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ایک مجتہد کے تمام معاملات میں پابندی ضرور نہیں۔ بلکہ اگر عالم ہے تو جس مجتہد کی دلیل باعتبار قرآن اور حدیث کے قوی پائے اس کے قول پر عمل کرے ورنہ بموجب روایت عالمگیر یہ عمل کرتا رہے۔ ہاں غیر مقلد ہر ایک شخص کو تلاش دلیل قرآن اور حدیث کی البتہ ضرور ہدایت کرتے رہتے ہیں۔ مگر یہ بات شاید کسی کے نزدیک بھی بری نہ ہوگی اس واسطے کہ اس صورت میں مجرد خواہش نفس کے موافق کسی مجتہد کے قول کو چھوڑا نہ جائے گا۔ چنانچہ اس مضمون کی بھی روایتیں شامی۔ میزان شعرانی وغیرہ میں موجود ہیں۔ اور ایک معاملہ خاص میں ایک کے قول پر عمل کر کے اسی معاملہ خاص میں جو دوسرے وقت بعض غیر مقلد دوسرے مجتہد کے مخالف قول پر عمل کر لیتے ہیں۔ یہ امر بھی موافق روایت مذکورہ صفحہ ۵۱ سطر ۳۰ شامی مطبوعہ مطبع مجتبائی ہے البتہ ایک معاملہ میں ایک وقت میں بھی کئی مجتہدوں کے مختلف قولوں پر عمل جو کر لیتے ہیں۔ مثلاً وضو میں مسح بموجب قول امام شافعی رحمہ اللہ ایک دو بال کا کر لیا۔ اور جب مس ذکر لیا تو بموجب قول ابو حنیفہ رحمہ اللہ اسی وضو سے نماز پڑھ لی۔ سو اول تو ایسا تب کرتے ہیں جب اس قول کو موافق قرآن و حدیث قوی پائیں۔ علاوہ بریں اس میں کچھ خرابی ہو اور اتنی بات ان کو سمجھائی جائے تو غالباً مان بھی سکتے ہیں۔ نہ یہ کہ مخالف قول خدا و رسول اور قول امام اعظم رحمہ اللہ ایک ہی امام کے مقلد بن جائیں۔

مقلد:۔ مولوی صاحب مجھ کو افسوس اس بات کا ہے اور یہ افسوس فقط آپ پر ہی نہیں بلکہ آپ کے تمام ہم مشربوں پر ہے کہ جو بات ایک دفعہ خوب سمجھا دی

جاتی ہے اس کو بوجہ محبت آزادی کے جو غیر مقلدوں کو حاصل ہے آپ صاحب اس کو یکدم پھر بھول جاتے ہیں اور وہی پہلا قصہ گانے لگتے ہیں۔ مہربان من! بموجب قول امام بخاری رحمہ اللہ اور قول مولانا شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ اور مولانا شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ وغیرہم ابھی جو شرطیں قرآن اور حدیث پر عمل کرنے کی میں نے آپ کو لکھوا دی تھیں اور ان کو مع اپنے ہم مشربوں کے آپ نے دو روز تک دیکھا کیا وہ ان سب غیر مقلدوں میں اور آپ میں پائی جاتی ہیں اور جب نہیں پائی جاتیں۔ پھر اس قول کے کیا معنی کہ ایک واقعہ خاص میں بھی اگر وہ کئی مجتہدوں کے اقوال مختلف پر عمل کرتے ہیں تو جب ان قولوں کو موافق قرآن اور حدیث کے قوی پاتے ہیں تب کرتے ہیں اور جب بعد نظر ڈالنے کے قول مذکورہ امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ پر آپ کا یہ قول بے معنی اور بیکار رہا تو اب اس خرابی کو سمجھ لیجئے جو آپ کی مذکورہ صورت میں لازم آتی ہے۔

کیوں حضرت! جب کسی نے بموجب قول امام شافعی رحمہ اللہ وضو میں سر کے دو چار ہی بال کا مسح کیا تو باقی تین اماموں کے نزدیک تو یہ وضو نہیں ہوا۔ اور جب مس ذکر کرلیا یعنی پیشاب کی جگہ کو بلافصل کپڑے وغیرہ کے چھولیا تو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی یہ وضو نہ رہا۔ اب فرمایئے اگر اسی وضو سے اس نے نماز پڑھ لی چاروں اماموں میں سے کس امام کے نزدیک یہ نماز جائز ہوگی جو اس وضو سے پڑھی گئی کہ جو وضو کسی امام کے نزدیک بھی وضو نہ تھا۔ رہی وہ عبارت شامی مذکورہ صفحہ ۱۵ مطبوعہ مجتبائی جس سے آپ کے ہم مشربوں نے دو روز محنت کر کے آپ کو شبہ میں ڈالا ہے وہ بھی امام ابو یوسف رحمہ اللہ جیسے مقلد مجتہدین فی المذہب کے حق میں ہے۔ خلاصہ اس عبارت کا یہ ہے کہ امام شرنبلالی فرماتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس سے یہ بات حاصل ہوتی ہے کہ انسان پر ایک مجتہد کی

پابندی ضروری نہیں بلکہ ایک قسم کے دو حادثوں میں کبھی اس امام کے قول پر عمل کر لے کبھی دوسرے امام کے قول پر جو قول امام اول کے قول کے مخالف ہے۔ تو بھی جائز ہے بلکہ ایک امام کے قول کے موافق مثلاً اگر اپنی نماز کو درست جان کر نماز پڑھ لے اور پھر معلوم ہو کہ اس امام کے نزدیک تو یہ نماز جائز اور درست نہیں ہوئی مگر دوسرے امام کے نزدیک جائز اور درست ہے تو اس امام ثانی کی تقلید سے اگر اس نماز کا اعادہ نہ کرے تو بھی جائز ہے۔ چنانچہ فتاویٰ بزازیہ میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ جب وہ حمام سے غسل کر کے نماز جمعہ پڑھ چکے معلوم ہوا کہ جس کنوئیں سے وہ حمام بھرا گیا تھا اس میں چوہا مر گیا تھا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اسوقت ہم اپنے مدینہ والے بھائیوں کے قول کی تقلید کرتے ہیں جو وہ فرماتے ہیں کہ جب پانی قلتین کی مقدار کو پہنچ جائے اس میں نجاست اثر نہیں کرتی۔ اب فرمایئے امام شرنبلالی نے اپنے قول پر جو فعل امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے دلیل پکڑی اس قرینہ سے یہ امر ظاہر ہے یا نہیں کہ یہ قول بموجب ایک روایت غیر مفتیٰ بہ امام کے امام ابو یوسف رحمہ اللہ جیسے مقلدوں کی شان میں ہے جو مجتہد فی المذہب ہیں۔ ورنہ یہ روایت اور وہ روایت بحر الرائق اور فتاویٰ بزازیہ کی کہ اگر قاضی مجتہد نہ ہو اور مخالف اپنے مذہب کے کوئی حکم نافذ کردے وہ حکم اس کا صاحبین یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک بھی نافذ ہو جائے گا اور بعد نفاذ اس کے حکم کو کوئی دوسرا قاضی نہیں توڑ سکتا بمقابلہ روایت ہدایہ کے جو ظاہر الروایت ہے ہرگز قابل اعتبار نہیں ہو سکتی۔ اس واسطے کہ ہدایہ کی کتاب ادب القاضی میں ہے

ولو قضى القاضى فى المجتهد فيه مخالفا لرأيه ناسياً لمذهبه نفذ عند ابى حنيفة رحمه الله و ان كان عامدا ففيه روايتان ووجه

النفاذ انه لیس بخطا یقیناً و عند هما لا ینفذ فی الوجهین لانه قضیٰ
بما هو خطاء عنده و علیه الفتوی۔

یعنی قاضی مجتہد نے اگر اپنے مذہب کو بھول کر مخالف اپنی رائے کے اس مسئلہ میں جس میں اجتہاد کی گنجائش ہے اور کسی دوسرے مجتہد کی رائے اس کی رائے کے مخالف تھی اسی مخالف رائے کے موافق حکم جاری کر دیا تو ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ حکم نافذ ہو جائے گا اور اگر قصداً مخالف اپنے مذہب کے حکم جاری کیا ہے تو ایک روایت میں امام کے نزدیک اب بھی وہ حکم[1] نافذ ہو جائے گا اس واسطے کہ دوسرے مجتہد کی رائے مطابق ہونے کی وجہ سے وہ حکم یقیناً خطا نہیں ہوسکتا اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک اور بموجب دوسری روایت کے جو امام سے مشہور ہے امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک بھی وہ حکم نافذ نہ ہوگا اس واسطے کہ اس کے گمان میں تو وہ حکم جو مخالف اپنی رائے کے موافق قول دوسرے مجتہد کے نافذ کیا ہے خطا ہی تھا اسی واسطے بوجہ قوی ہونے دلیل دوسری

[1] واضح ہو کہ امام سے جو ایک روایت میں مروی ہے کہ قصداً بھی اگر قاضی برخلاف اپنے مذہب کے حکم جاری کر دے وہ نافذ ہو جائے گا اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ قاضی کو ایسا کرنا بھی جائز ہے اسی واسطے صاحب شامی تحریر سے بعد نقل روایت مذکور تحریر فرماتے ہیں۔ واجاب فی التحریر بان قول الامام بالنفاذ لایوجب حل الاقدام علی ہذا القضاء یعنی امام کی روایت نفاذ سے یہ لازم نہیں آتا کہ قاضی کو ایسا کرنا جائز بھی ہو جس طرح فاسق کی گواہی پر اگر قاضی نے کوئی حکم جاری کر دیا وہ نافذ ہو جائے گا مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایسا کرنا بھی قاضی کو درست ہو۔ چنانچہ بحوالہ بحرالرائق فتح القدیر کی یہ عبارت نقل فرماتے ہیں۔ ومقتضی الدلیل ان لا تحل ان یقضی بہا فان قضیٰ جاز۔ انتہی۔ ومقتضا الاثم انتہی۔ بہرنہج نفاذ سے جواز ایسی حرکت کا ثابت نہیں ہوتا۔ اور یہاں ابھی روایت نفاذ میں ہی کلام ہے۔۱۲ منہ رحمہ اللہ

روایت کے جو امام سے منقول ہے اور اختیار کرنے صاحبین کے اس روایت کو صاحبین ہی کی روایت مختار پر فتویٰ ہے اور مبسوط سے بھی صاحب شامی نے روایت مختار صاحبین پر ہے فتویٰ نقل کیا ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر صاحب شامی روایت مذکورہ بحرالرائق اور فتاویٰ بزازیہ نقل کر کے فرماتے ہیں کہ روایت بحرالرائق قابل توجہ کرنے کے نہیں ہے اور بزازیہ کی روایت اس امر پر محمول ہوسکتی ہے کہ روایت غیر مفتیٰ بہ اور ضعیف جیسے امام سے نفاذ حکم کے مروی ہے صاحبین سے بھی مروی ہو ورنہ صاحبین سے جب بموجب روایت مفتیٰ بہ ہدایہ اور مبسوط یہ ثابت ہو چکا کہ اگر قاضی مجتہد بھی مخالف اپنے مذہب کے حکم جاری کر دے تو جاری نہیں ہوسکتا پھر صاحبین کے نزدیک قاضی مقلد کا حکم برخلاف فتویٰ اپنے امام کے کیونکر جاری ہوسکتا ہے لہذا درمختار میں صراحۃً لکھ دیا ہے و اما المقلد فلا ینفذ قضائه بخلاف مذهبه اصلا کما فی القنیة۔ یعنی قنیہ میں ہے کہ قاضی مقلد کا حکم برخلاف فتویٰ اپنے امام کے ہرگز نافذ نہیں ہوسکتا۔

اور مبسوط کا ان کتب ظاہر الروایات سے ہونا تو ظاہر ہی ہے جن کو مولانا شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمہ صاحب شامی تصانیف مشہورہ مجتہدین فی المذہب سے مثل خبر متواتر اور مشہور کے معتبر اور مشہور تحریر فرماتے ہیں مگر ہدایہ بھی وہ معتبر کتاب ہے کہ صفحہ ۶۴ فصل نے المجتہد فی المذہب عقد الجید میں مولانا شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ نوادر کے نسخے جو ہمارے زمانے میں پائے جاتے ہیں ان کی روایتوں کو امام محمد۔ امام ابو یوسف رحمہما اللہ کی طرف نسبت کرنا درست نہیں ہے اس واسطے کہ طریق مشہور سے یہ نسخے ہمارے زمانے میں نہیں پہنچے۔ ہاں کسی معتبر مشہور کتاب میں جیسے ہدایہ اور مبسوط ہے اگر نوادر کی کوئی روایت پائی جائے تو ان کتابوں کے اعتبار کی وجہ سے وہ روایت مان لی جائے گی اور شامی کی

روایت مسائل نوادر اور کتب ظاہر الروایۃ کی نسبت جو ہے وہ بھی سن لیجئے تا کہ نوادر کی روایت جو فتاویٰ عالمگیری سے آپ نے نقل کی ہے اس کی حقیقت بھی آپ پر کھل جائے اور معلوم ہو جائے کہ کتب فقہ سے فتویٰ دینا بھی بغیر استاد سے پڑھنے اور سیکھنے کے درست نہیں ہے۔ دیکھو شامی میں ہے۔

کتب ظاهر الرواية كتب محمد الستته المبسوط والزيادات والجامع الصغير والسير الصغير والجامع الكبير والسير الكبير وانما سميت بظاهر الرویة لانها رويت عن محمد بروايات الثقات فهي ثابتة عنه اما متواتره او مشهورة الثانية مسائل النوادر و انما قيل لها غير ظاهر الرواية لانها لم تروعن محمد بروايات ثابتة صحيحة كالكتب الاولى۔

یعنی مبسوط وغیرہ کو ظاہر الروایت اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ مرتبہ خبر متواتر اور مشہور کو پہنچی ہیں۔ امام محمد رحمہ اللہ سے بذریعہ روایت ثقہ راویوں کے اور نوادر کے مسائل امام محمد رحمہ اللہ سے بذریعہ روایت صحیحہ نہیں روایت کئے گئے۔

اب فرمایئے بمقابلہ روایت ہدایہ اور مبسوط نوادر کے روایت کیونکر معتبر سمجھی جائے اگر فتاویٰ عالمگیریہ کا مرتبہ مبسوط اور ہدایہ کی برابر ہوتا تو اس کے اعتبار پر مان لیتے مگر اول تو شروح کے مقابل میں مرتبہ فتاویٰ کا کم ہے۔ اور پھر مبسوط اور ہدایہ کے مقابلہ میں تو کچھ بھی نہیں۔ مگر خیر اگر اس روایت کو معتبر مان بھی لیں تو کیا اس عبارت کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ مراد فقیہ اول اور فقیہ آخر سے مجتہدین فی المذہب مثل امام محمد امام ابو یوسف امام زفر وغیرہ ہیں کہ جن سب کے اقوال سے مذہب حنفی مرکب ہے یا مجتہد فی المسائل یا حافظ روایات فقہ۔ اس واسطے کہ عرف فقہا میں ان کو بھی فقیہ کہتے ہیں اور یہ سب زمرہ مقلدین میں داخل ہیں۔ اور ان

میں جو باہم بعض روایات میں اختلاف ہے بموجب قواعد رسم المفتی ان میں سے کبھی کسی کی روایت پر کبھی کسی دوسرے کی روایت پر بحسب ظہور قوت اور ضعف دلیل کے یا بوجہ فتویٰ مختلف دینے دو مفتیوں کے جو دونوں حنفی ہیں بموجب اختلاف روایات اور اختلاف اپنی اپنی سمجھ کے عمل کر لینا عین تقلید امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہے۔ ایک مذہب کے مختلف فقیہوں کے مختلف فتوی پر عمل کرنے سے جب وہ فتوی بروایت صحیح ثابت ہو جائے اس مذہب کی تقلید سے نہیں نکلتا اس واسطے کہ ان کا کوئی حکم مخالف رائے امام نہیں ہوتا۔ چنانچہ علامہ شامی درر سے نقل فرماتے ہیں۔

اذا حكم الحنفي بمذهب ابي يوسف اور محمد و نحوهما من اصحاب الامام فليس حكما بخلاف رايه

یعنی اگر حنفی امام ابو یوسف یا محمد وغیرہ اصحاب امام کے کسی قول کے موافق فتویٰ دے دے تو وہ حکم مخالف رائے امام کے نہیں ہوتا۔ اور میزان شعرانی وغیرہ کی روایتوں کا بلکہ جتنی اس قسم کی روایتیں ہیں ان سب کا حال ہم جواب سابق میں روایت امام بخاری رحمہ اللہ اور شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ اور روایت میزان وغیرہ کے ساتھ مفصل پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ یہ سب روایتیں مجتہد فی المذہب کی شان میں ہیں نہ ہر خاص و عام کی شان میں۔ اب بھی اگر کوئی شک رہا ہو تو کہہ دو۔ اور یاد رکھو کہ اس قسم کے شبہ میں ڈالنے والے اقوال بہت ہیں اور غالباً حتی الوسع اس قسم کے سارے ہی قولوں کو مولوی نذیر حسین صاحب نے مع اپنی تحقیقات کے معیار الحق میں جمع کر دیا ہے مگر ان کی تحقیقات کے جوابات دنداں شکن نہایت تحقیق کے ساتھ ہمارے مولانا سید العلماء سند الاصفیاء سیدی و مولائی استادی مولانا ارشاد حسین صاحب فاروقی مجددی قدس اللہ سرہ نے انتصار الحق

میں مع نقل بہت سے اقوال متقدمین فقہاء کے وجوب تقلید میں خوب ہی بسط کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ اگر آپ کو یا آپ کے احباب کو ایسے قولوں کی پورے طور سے تحقیق منظور ہو تو یہ انتصار موجود ہے بنظر انصاف دیکھو۔ مگر اس کے دیکھنے کے واسطے کچھ علم کی بھی ضرورت ہے لہذا جو شبہ ہو ہم سے رفع کرتے جاؤ۔ اور مجرد کسی کے کہنے کے کہ انتصار کا بھی جواب ہو چکا ہے تقلید نہ کرو بلکہ اس جواب کو منگوا کر پاس رکھ لو مولانا ممدوح سے بھی بعض نے آپ کے زمانہ حیات میں ذکر کیا تھا مگر میں نے مولانا امداد حسین صاحب قدس سرہ برادر کلاں حضرت مولانا سے اسی زمانہ میں سنا تھا کہ مولانا ممدوح قدس سرہ نے اس جواب کو منگوا کر ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ عقلا کے نزدیک یہ جواب خود مصنف کی لیاقت فہم ظاہر دکھا رہا ہے اس کے جواب الجواب کی کیا حاجت ہے۔ بہرنہج اس کو بھی منگوا لو اور دونوں کو دیکھتے جاؤ پھر ہم بھی دیکھیں کہ بعد سمجھ لینے انتصار کے پھر اس قسم کے قولوں سے بہ نسبت وجوب تقلید کوئی شبہ کس طرح پیدا ہوتا ہے۔

محمدی:۔ مولانا! جب ایک ہی مذہب کے مقلدوں سے جو مجتہد منتسب یا مجتہد فی المذہب ہیں مختلف روایتیں مخالف قول امام کے منقول ہیں اور آپ اول فرما چکے ہیں کہ یہ سب اصول میں امام ہی کے مقلد ہیں اور آپ بحوالہ شامی فرما چکے کہ ان سے کوئی بھی روایت مخالف رائے امام منقول نہیں۔ اندریں صورت یہ بات لازم آتی ہے کہ امام کے نزدیک جو بعض چیزیں اور بعض امور حرام ہیں وہی بعض حلال بھی ہیں اور جو بعض چیز ناپاک ہیں وہ پاک بھی ہیں اور جو بعض امور فرض ہیں وہ جائز بھی ہیں اور یہ بات بالکل خلاف عقل و نقل ہے۔ منار میں ہے **والحق فی موضع الخلاف واحد** یعنی جس مسئلے میں اختلاف ہو وہاں حق تو ایک ہی بات ہوتی ہے یہاں کیا کیجئے کہ ایک ہی امام کے نزدیک جو بعض چیزیں

حلال ہیں وہی بعض حرام ہیں۔ اب مقلد ان دونوں باتوں میں سے کس کو حق سمجھے اور اپنے امام کے ایسے مختلف قولوں میں سے کس پر عمل کرے کس پر فتویٰ دے؟

مقلد: اسی طریق پر عمل کرے اور اسی طریق پر فتویٰ دے جس طریق کو ہم ابھی بجواب سوال ششم میں بیان کر چکے ہیں اور ہر ایک قول کی دلیلیں جو کتب فقہ اور حدیث میں موجود ہیں ان میں سے ہر ایک دلیل کی قوت اور ضعف پہچاننے کی اگر قوت نہ ہو تو اتنی بات ضرور مدنظر رکھنی چاہیے کہ جب تک مشہور کتابوں کی روایت ملے غیر مشہور کتابوں کی روایت پر جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ یہ روایت کس معتبر کتاب سے نقل کی ہے اور بدوں دیکھنے شروح کے مختصر کتابوں پر مثل کنز اور نہر کے بھی فتویٰ نہ دے۔ چنانچہ شامی میں ہے۔

فلا یجوز الافتاء ممافی الکتب الغریبة

یعنی غیر مشہور کتابوں پر فتوی دینا جائز نہیں۔

وفیه انه لا یجوز الافتاء من الکتب المختصرة۔

اور پھر اصحاب متون جس روایت کی تصحیح کریں اس کو مقدم سمجھے ورنہ پھر متون کی روایتوں میں سے مسائل ذوی الارحام میں امام محمد کے قولوں کو اور قضا میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قولوں کو مقدم رکھنا چاہیے اور بصورت مقابلہ شروح اور متون تو پھر متون ہی مقدم رکھی جائیں گی۔ چنانچہ علامہ شامی بحوالہ شرح بیری تحریر فرماتے ہیں۔

وهذا عند عدم ذکر اهل المتون للتصحیح والا فالحکم بمانی المتون کمالا یخفی لا نها صارت متواترة

یعنی یہ قاعدہ کہ مسائل ذوی الارحام میں امام محمد کے قولوں کو اور قضا میں امام ابو یوسف کے قولوں کو مقدم رکھنا چاہیے۔ جب ہے کہ اصحاب متون کسی قول

کی تصحیح نہ بیان کریں۔ ورنہ شروح وغیرہ پر متن ہی مقدم رہتا ہے اس واسطے کہ متون کی روایتیں بطریق تواتر منقول ہوتی چلی آئی ہیں۔ اور یہ جو آپ نے فرمایا کہ ایک ہی چیز کا حلال بھی اور حرام بھی ہونا ایک ہی امام کے نزدیک خلاف نقل و عقل ہے۔ سو بے شک یہ امر باعتبار ایک زمانے اور ایک قسم کے لوگوں کے ایسا ہی ہے ورنہ باعتبار مختلف زمانوں کے مختلف شہروں کے مختلف مرتبے کے لوگوں کے اور بدلتے حالات آدمیوں کے شرعی حکموں کا مختلف ہوتے رہنا ظاہر ہے۔
چنانچہ ظاہر ہے کہ ابتدا زمانہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں عورتوں پر پردہ مطلقاً فرض نہ تھا۔ جب منافقوں اور زانیوں کی فتنہ انگیز ظاہر ہوئی اور بجہت عادت قدیم ایام جہالت ادھر عورتیں بے حجاب نکلتی رہیں ادھر یہ شریر لوگ اپنی عادت بد سے باز نہ آئے۔ اللہ جلشانہ نے بمقتضائے حکمت کاملہ آہستہ آہستہ حکم حجاب نافذ فرمانا شروع کر دیا اس واسطے کہ یکدم پرانی عادت کا چھوٹنا بموجب قانون قدرت بہت نادر ہے اور اول عورتوں کی نسبت تو یہ حکم نافذ فرمایا۔

یاایھا النبی قل لازواجک وبناتک ونساء المومنین یدنین علیھن من جلابیبھن قال القاضی عبد اللہ بن عمر فی تفسیر البیضاوی یغطین وجوھھن و ابدانھن بملاحفھن اذا برزن لحاجة.

یعنی اے ہمارے رسول اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور نیز مومنوں کی بیویوں سے کہہ دو کہ اپنی چادروں میں لپیٹی رہا کرو۔ قاضی بیضاوی فرماتے ہیں کہ معنی آیت کے یہ ہیں کہ ان سے کہہ دو جب کسی ضرورت کے واسطے باہر نکلو تو اپنے منہ کو اور تمام بدن کو چادروں سے ڈھانک لیا کرو۔
چنانچہ شاہ عبد القادر علیہ الرحمۃ بھی بموجب تفسیر بیضاوی ترجمہ آیت اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔ کہو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نکاحیوں کو اور اپنی بیٹیوں

کو اور مسلمانوں کی عورتوں کو کہ جب گھر سے باہر نکلیں تو نیچا چھوڑیں سر سے اپنی چادروں کو جو منہ اور بدن ڈھکے
اور بدکاروں اور منافقوں کی نسبت آیہ مذکورہ کے ساتھ ہی یہ حکم نازل ہوا۔

لئن لم ینتہ المنافقون والذین فی قلوبھم مرض والمرجفون فی المدینة لنغرینک بھم ثم لایجاورونک فیھا الا قلیلاً ملعونین اینما ثقفوا اخذو وقتلوا تقتیلاً۔

یعنی باوجود عورتوں کے چھپ کر نکلنے کے اب بھی اگر منافق اور دلوں کے بیمار اور بدخبری اڑانے والے مدینہ میں باز نہ آئیں گے تو پھر ہم تم کو ایسا ان کے پیچھے ڈالیں گے کہ پھر وہ تھوڑے دن بھی مدینے میں دردر پھٹ پھٹ ہی میں رہیں اور جہاں ملیں پکڑے جائیں اور مارے جائیں۔
پھر جب بعض عورتوں کی طرف سے قصور ظاہر ہوا اور بعض مومنوں کو بھی دیکھا گیا کہ عورتوں کی طرف بلاضرورت بھی دیکھنے لگتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جتنے فساد زنا وغیرہ کے دنیا میں برپا ہوتے ہیں ان کی بنا مرد عورت کا آپس میں ایک دوسرے کو دیکھنا ہی ہے۔ لہذا فرمادیا۔

قل للمومنین یغضوا من ابصارھم و یحفظوا فروجھم ذلک ازکی لھم و اطھر ان اللہ خبیر بما یصنعون۔

یعنی اے محبوب ہمارے مومنوں کو کہہ دو کہ اپنی نگاہوں کو غیر عورتوں سے بند رکھیں اور شرمگاہوں کی زنا سے حفاظت کریں یہ بات ان کے لیے بہت ہی خوبی اور پاکی کی ہے۔ بے شک اللہ آگاہ ہے ان کے تمام کرتبوں سے خواہ آنکھ سے کسی کو دیکھیں یا کسی کی آواز پر کان لگائیں یا برا قصد کریں۔ چنانچہ قاضی بیضاوی اس کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں۔

لا یخفی علیه اجالة ابصارهم و استعمال سائر حواسهم و تحریک جوارحهم و ما یقصدون بها فلیکونوا علی حذرمنه فی کل حرکة و سکون۔

یعنی اللہ پر ان کی آنکھوں کی گردش اوران کے تمام حواس کے عمل اوراعضا کی حرکتیں اورارادے پوشیدہ نہیں ہیں لہذاان کو چاہیے کہ ہرحرکت اورسکون میں اس سے ڈرتے رہیں۔

اور پھر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امرکواور موکد کردیا۔ چنانچہ مشکوہ میں شعب الایمان بیہقی سے مروی ہے۔

ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال لعن اللّٰه الناظر و المنظور الیه

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اللہ کی لعنت ہواس پر جو کسی کی عورت کو دیکھے یعنی کسی کے اتنے جسم کو دیکھے جس کا ڈھانکنا فرض ہے اوراس پر جس کا اتنا بدن دیکھا جائے یعنی بلا عذر اور اضطرار ایسی طرح ہو جائے کہ اس کو کوئی دیکھ ہی لے اور ظاہر ہے کہ مرد کی عورت یعنی وہ بدن کہ جس کا ڈھانکنا فرض ہے امام کے نزدیک زیرناف سے گھٹنے تک اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک فقط شرمگاہ اور سرین ہی ہیں مگر عورت کا بدن تو اتفاقاً سارا ہی عورت ہے۔ چنانچہ ترمذی شریف میں ہے۔

عن ابن مسعود عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم انه قال المرأة عورة فاذا خرجت استشر فها الشیطان

یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

فرماتے تھے کہ عورت تو ساری ہی عورت ہے یعنی اس کا سارا ہی بدن سر سے پاؤں تک واجب الستر ہے جب وہ نکلتی ہے شیطان اس کی تاک جھانک میں رہتا ہے۔

صاحب لمعات اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔ لیغویها و یغوی بها یعنی اس غرض سے کہ اس کو بھی بہکائے اوراس کے ساتھ کسی اور کو بھی گمراہ کرے۔ اور نیز مشکوٰۃ شریف اور طحاوی شریف اور مسند امام احمد رضی اللہ عنہ اور ترمذی شریف اور ابوداؤد اور دارمی میں حضرت بریدہ حضرت علی سے روایت کرتے ہیں کہ قال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم النظرة الاولیٰ لک والاخرة علیک یعنی حضرت علی فرماتے تھے کہ مجھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی پہلی نظر تو واسطے تیرے ہے یعنی جو اچانک پڑ گئی وہ تو معاف ہے اور دوسری نظر اوپر تیرے ہے یعنی موجب وبال ونکال ہے مقصود اس حدیث میں حضرت علی کے مخاطب بنانے سے یہ ہے کہ سب مسلمان سمجھ لیں کہ جب حضرت علی جیسے عارف باللہ شیر خدا کو ایسا حکم ہوتا ہے تو پھر دوسرے کس گنتی شمار میں ہیں اور پھر مومن عورتوں کے واسطے آیہ مذکورہ سے آگے اس طرح ارشاد فرمایا

و قل للمؤمنات یغضضن من ابصارهن و یحفظن فروجهن ولا یبدین زینتهن. قال القاضی فی تفسیر البیضاوی فی تفسیرها کالحلی والثیاب والاصباغ فضلا عن مواضعها لمن لا یحل ان تبدی له الاظهر منها عند مزادلة الاشیاء کالثیاب والخاتم فان فی سترها حرجا والمستثنیٰ هو الوجه والکفان لانها لیست بعورة والاظهر ان هذا فی

الصلوة لا فی النظر فان کل بدن الحرة عورة لا یحل لغیر الزوج والمحرم النظر الی شئی منها الا للضرورة کالمعالجة وتحمل الشهادة

یعنی اے ہمارے محبوب کہہ دو تم مومن عورتوں سے کہ اپنی آنکھوں کو غیر مردوں سے بند رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کسی کو نہ دکھائیں۔ صاحب تفسیر بیضاوی فرماتے ہیں کہ مراد زینت سے زیور اور کپڑے رنگین اور مہندی کا رنگ ہے اور ظاہر ہے کہ جب ایسی ممانعت ہے تو عورتوں کو کسی عضو کا دکھانا کب درست ہوسکتا ہے اور منہ اور دونوں ہتھیلیوں کو جو لکھا ہے کہ اس

اچنانچہ درمختار میں بھی ایسا ہی لکھا ہے حیث قال. و ینظر من الاجنبیة ولو کافرة الی وجهها وکفیها فقط للضرورة۔ یعنی کسی ضرورت سے اجنبی عورت کا منہ اور دونوں ہتھیلیوں کا دیکھنا جائز ہے۔ اور نیز ایسا ہی ہدایہ میں ہے۔ ولا یجوزان ینظر الرجل الی الاجنبیة الا الی وجهها و کفیها ۔یعنی اجنبی عورتوں کا سوا منہ اور دونوں ہتھیلیوں کے دیکھنا قطعاً جائز نہیں۔ پھر اس سے آگے تحریر فرماتے ہیں۔ فان کان لایا من الشهوة لاینظر الی وجهها الا لحاجة. لقوله علیه السلام من نظر الی محاسن امرلة اجنبیة عن شهوة صب فی عینه الآنک یوم القیامة فان خاف الشهوة لم ینظر من غیر حاجة تحرزا عن المحرم۔ وقوله لایامن یدل علی انه لا یباح اذا شک فی الاشتهاء۔ یعنی اگر یہ جانے کہ دیکھنے سے مجھ کو شہوت پیدا ہوگی تو بلاضرورت منہ کو بھی نہ دیکھے بسبب فرمانے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ جو شخص کسی اجنبی عورت کے حسن کو شہوت سے دیکھے گا تو سیسہ اس کی آنکھوں میں قیامت کے روز ڈالا جائے گا اسی واسطے خوف شہوت سے تو بلا اجازت نہ دیکھے حرام سے بچنے کی غرض سے۔ اور قول صاحب ہدایہ کا لایامن دلیل ہے اس امر کی کہ اگر شہوت کا شک بھی ہو تو اس کے منہ کو نہ دیکھے۔ و فی غایة البیان من انه روی اصحاب السنن عن ابن عباس ان اللّٰه کتب علی ابن آدم حظه من الزنا

حکم سے مستثنیٰ ہیں یہ عورت نہیں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ نماز میں ان کا کھلا رہنا جائز ہے نہ کہ کسی کے دیکھنے میں اس واسطے کہ آزاد عورت کا تو سارا ہی بدن واجب الستر ہے بلاضرورت علاج یا کسی عورت کے گواہ بننے کے کسی کو عورت کا کوئی عضو بجز خاوند اور محرم کے دیکھنا جائز نہ عورت کو دکھانا جائز چنانچہ آخر آیت میں تو فرما دیا ولا یضر بن بارجلهن لیعلم ما یخفین من زینتهن یعنی عورت کو پاؤں مار کر بھی نہ چلنا چاہیے کہ کبھی زیور کی آواز سن کر کوئی دیکھے نہ سہی مگر یہ بھی نہ جانے کہ یہ عورت زیور پہنے ہوئے ہے۔ اسی واسطے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرما دیا کہ

لاتبا شر المرأة المرأة فتنعتها لزوجها کانه ینظر الیها ۔رواہ البخاری ومسلم عن عبداللہ ابن مسعود

یعنی بخاری اور مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ننگے بدن عورت عورت سے بھی ملے

(بقیہ) ادرک ذالک لا محالة فزنا رالعینین النظر واللسان المنطق والنفس تتمنی و تشتهی والفرج یصدق ذالک او یکذبه ۔یعنی غایۃ البیان میں ہے کہ منہ کو بھی نہ دیکھے اس واسطے کہ اصحاب سنن ترمذی نسائی وغیرہ حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک اللہ نے جو حصہ آدمی کا زنا سے لکھ دیا ہے وہ ضرور اس کو پالے گا۔ پھر آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے اور زبان کا زنا اجنبی عورت سے بات کرنا اور نفس خواہش کرتا ہے اور شرمگاہ سب کو سچا کر دیتی ہے یا جھوٹا۔ ۱۲ منہ غفر اللہ لہ ولوالدیہ۔

جول نہ رکھے اس واسطے کہ پھر وہ اپنے شوہر سے اس کا ذکر کرے گی اور ایسا ہو جائے گا کہ گویا اس کا شوہر اس کو دیکھ ہی رہا ہے۔

اور مسلم شریف میں ہے۔

عن عقبة بن عامر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اياكم والدخول على النساء فقال رجل يارسول الله ارايت الحمو قال الحمو الموت۔

یعنی حضرت عقبہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ خبردار کبھی غیر عورتوں میں نہ جایا کرو۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ جیٹھ دیور بھی۔ یعنی جہاں اس کی بھابھی ہو کیا نہ جائے۔ فرمایا وہ تو موت ہیں یعنی ان سے تو ایسا ڈرنا چاہیے جیسے موت سے ڈرتے ہیں لہذا جب تک مرد وعورت ان تاکیدوں کے پابند رہے بغرض امور ضروری اور پنجگانہ نماز کے عورتوں کو گھر سے نکلنے کی اجازت رہی۔ پھر جس قدر ان تاکیدوں کے پابند نہ رہنے میں نقصان ہونے لگا عورتوں پر تشدد پردہ کا بڑھتا گیا۔ چنانچہ اول تو یہ حکم تھا کہ استاذنت احد کم امرأته الى المسجد فلا يمنعها رواه البخاری و مسلم عن ابن عمر مرفوعاً ، یعنی بخاری اور مسلم میں ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی کی بیوی مسجد جانے کی اجازت طلب کرے تو اس کو مسجد سے منع نہ کرنا چاہیے۔ اور جب عورتیں نماز کو آتی تھیں تو یہ دستور تھا کہ عورتیں سلام پھیرتے ہی چل دیتی تھیں اور حضور تھوڑی دیر معہ نمازیوں کے ٹھہرے رہتے تا کہ

مردوں سے پہلے بغیر مردوں کے میل جول کے عورتیں اپنے گھروں میں پہنچ جائیں۔ چنانچہ بعینہ یہی مضمون اس روایت بخاری شریف سے ثابت ہے

عن ام سلمة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا سلم قام النساء حين يقضى تسليم و يمكث هو فى مقامه يسيرا قبل ان يقوم قال الذى والله اعلم ان ذالک كان لكى تنصرف النساء قبل ان يدركهن من الرجال ۔ اور اسی غرض سے کہ عورتوں کو کوئی نہ دیکھے صبح کی نماز تو ایسے وقت پڑھتے تھے کہ تاریکی[1] سے ایک عورت دوسری عورت کو لوٹتے وقت بھی نہ پہچانے كما فى البخارى عن عائشة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلى الصبح فينصر فن نساء المومنين لا يعرفن من الغلس ولا يعرف بعضهن بعضاً۔ پھر بعض عورتوں کی حالت کے اعتبار سے یہ

[1] حالانکہ اصل میں اگر عورتوں کے حجاب وغیرہ کی ضرورت نہ ہو روشنی میں صبح کی نماز پڑھنا مستحب ہے چنانچہ عقود الجواہر المنیفہ میں ہے اخرج اصحاب السنن الاربعة و ابن حبان من حديث رافع بن خديج من رواية محمود بن لبى رضى الله عنه. اسفر و ابا لفجر فانه اعظم للاجر. قول الترمذى حسن صحيح و عند النسائى بسند صحيح كا اسفر تم بالفجر فانه اعظم اللاجر. و فى الطحاوى باسناد متعدوة قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اسفرو ابالفجر فكاما اسفرتم بالفجر فهو اعظم للاجر ۔ یعنی ترمذی ابو داؤد۔ نسائی ابن ماجہ اور صحیح ابن حبان اور طحاوی شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز صبح کو روشنی میں پڑھا کرو۔ اس واسطے کہ جتنا روشنی میں پڑھو گے اتنا ہی ثواب زیادہ ہوگا۔ ۱۲ منہ غفر اللہ لہ ولوالدیہ وکاتبہ۔

حکم رات کی نماز ہی کے ساتھ مخصوص رہ گیا کما روی البخاری فی صحیحه عن عمر عن النبی صلی اللہ علیه وسلم اذ استاذنکم نساء کم باللیل الی المسجد فاذنوهن یعنی صحیح بخاری میں حضرت عمر سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رات کے وقت جب تمھاری بیویاں مسجد کا اذن طلب کریں تو ان کو اجازت دے دیا کرو۔ پھر تھوڑے دن بعد خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی ایسی طرز خاص کے ساتھ منع فرما دیا کہ جو بغرض ثواب مسجد میں آیا کرتی تھیں وہ خود نہ آئیں۔ چنانچہ شعب الایمان بیہقی۔ مسند امام احمد اور طبرانی و منتخب میں حضرت ابوحمید سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو اس طرح ارشاد فرمایا کہ

صلوتکن فی بیوتکن افضل من صلوتکن فی حجر کن وصلوتکن في حجر کن افضل من صلوتکن فی دور کن وصلوتکن فی دور کن افضل من صلوتکن فی مسجد الجماعة۔

یعنی نماز تمھاری کوٹھوں تمھاروں میں مکان میں ایک طرف پڑھنے سے افضل ہے۔ اور مکان میں ایک طرف پڑھنا انگنائی یعنی گھر کے احاطے میں پڑھنے سے افضل ہے اور انگنائی میں مسجد جماعت سے افضل ہے۔ تاکہ ہر عورت سمجھ لے کہ جب گھر میں مسجد سے زیادہ ثواب حاصل ہے تو اب جو کوئی بحیلہ ثواب مسجد میں جائے گی ہر شخص جان لے گا کہ یہ طالب ثواب نہیں بلکہ محض حیلہ جو ہے۔ اس پر بھی جب بعض عورتیں آتی رہیں تو غالباً وہ وہی تھیں جو زیب و زینت سے مسجد

میں آتی تھیں یا بغیر اختلاط مردوں کے آنا ممکن نہ تھا۔ اور پھر آتی رہیں۔ لہذا اول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایسی طرز سے منع فرمایا کہ گراں بھی نہ گزرے اور سمجھدار عورتیں آپ ہی نکلنا چھوڑ دیں چنانچہ فرما دیا۔

لو ادرک رسول اللّٰہ صلی الله علیه وسلم ما احدث النساء لمنعهن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل. رواه البخاری والمسلم والامام مالک فی موطاه۔

یعنی جو کیفیت عورتوں نے پیدا کی ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کیفیت کو ملاحظہ فرماتے تو جیسے بنی اسرائیل کی عورتوں کو مسجد کی آمد و رفت سے ممانعت کر دی گئی تھی ان کو بھی مسجد کے آنے سے ضرور منع فرما دیتے لہذا پھر عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں جوان عورتوں کو تو بالکل ہی منع فرما دیا۔ چنانچہ احیاء العلوم میں ہے۔

وقال عمر رضی الله عنه ۱؎ اعروا النساء یلز من الحجال یعنی عورتوں کو اچھے کپڑے نہ پہناؤ تاکہ وہ گھروں کو لازم پکڑیں۔ اور اسی احیاء میں ہے کہ کان اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم یسدون الکوی

۱؎ اس حدیث کو طبرانی نے جامع صغیر میں بھی نقل کیا ہے۔ اور اعروا اگر بروزن ادعوا پڑھا جائے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ قصد کرو عورتوں کی طرف کہ وہ اپنے گھروں کو لازم پکڑیں۔ اور اگر اعروا بروزن ارضوا پڑھا جائے تو یہ معنی ہوں گے ننگا رکھو عورتوں کو۔ کما فی المجمع. عراه یعروه اذا قصده و من عری یعری فلع توبه اور متن میں معنی بموجب کیمیاء سعادت کے لکھی گئی ہیں۔ ۱۲ منه غفر الله والوالدیه.

والثقب لئلا تطلع النسوان الى الرجال ۔یعنی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روشندان اور سوراخوں اور دیواروں کو بند کر دیا کرتے تھے کہ کبھی عورتیں مردوں کی طرف نہ جھانکیں ورأی معاذ امرأته تطلع الكوة فضربها ورأى امرأته قد دفعت الى غلامه تفاحة قد اكلت منها فضربها یعنی حضرت معاذ نے اپنی بیوی کو روشن دان سے جھانکتے دیکھ کر مارا اور ان کی بیوی نے سیب اپنا جھوٹا اپنے غلام کو دے دیا تھا جب بھی مارا۔ اور ہدایہ کی اس عبارت کی شرح میں ویکرہ لھن حضور الجماعات یعنی الشواب منھن لمافیه من خوف الفتنة ۔صاحب نہایہ تحریر فرماتے ہیں واحتج اصحابنا بنهی عمر عن الخروج لماراى من الفتنة یعنی یہ جو ہدایہ میں ہے کہ بخوف فتنہ جوان عورتوں کو نمازوں کی جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے دلیل اس کراہیت کی ہمارے اصحاب کے نزدیک منع کرنا حضرت عمر ۲؎ کا ہے عورتوں کو باہر نکلنے سے ۔ جب صورت فتنہ ملاحظہ فرمائی اور اس سے بھی تصریح کے ساتھ یہی مضمون امام نووی شافعی نے شرح ۲؎ مسلم شریف میں تحریر فرمایا ہے اور پھر متاخرین فقہا نے زیادہ صورت فساد اہل زمانہ دیکھ کر بموجب منشاء قرآن وحدیث جو منع کرنا مردوں عورتوں کا ہے باہم ایک دوسرے کے دیکھنے سے بغیر منع کرنے عورتوں کے باہر نکلنے سے دشوار دیکھ کر نکلنے سے بالکل ہی مطلقاً ممانعت فرمادی چنانچہ درمختار میں ہے۔

ويكره حضورهن الجماعة والجمعة والعيد والوعظ مطلقا ولو عجوزاً ولو ليلا على المذهب المفتى به لفساد الزمان ۔اھ۔

یعنی جمعہ۔ جماعت۔ عید۔ بقرعید وعظ وغیرہ کے مجمعوں میں اگرچہ بوڑھی

۲؎ احیاء العلوم میں ہے کہ وہ جو بعض احادیث میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ لاتمنعوا اماء الله مساجد الله۔

ہوں اور وقت بھی رات کا کیوں نہ ہو۔ عورتوں کو بموجب اس روایت کے جس پر فتویٰ ہے حاضر ہونا مکروہ ہے۔ علیٰ ہذا بخاری۔ مسلم۔ منتخب کنز العمال وغیرہا کی روایتوں سے ظاہر ہے کہ اگرچہ حافظ قرآن زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بہت تھے۔ مگر قرآن مجید اس ہیئت کذائی کے ساتھ ایک جگہ نہیں لکھا گیا تھا۔ یوں مختلف بکری کے شانوں کھجور کے پتوں وغیرہ پر لکھا ہوا بہتوں کے پاس تھا لہذا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس طور پر ایک جگہ جمع کر دینے کی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو رائے دی تو انھوں نے بھی اول اس رائے سے سخت انکار کیا۔ آخر جب اس امر کو سوچ سمجھ کر حضرت عمر کے ساتھ متفق الرائے ہو گئے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت زید سے جمع کرنے قرآن کی نسبت ارشاد فرمایا تو انھوں نے اتنا سخت انکار کیا کہ فرمانے لگے۔ قسم ہے اللہ کی اگر ادھر سے ادھر پہاڑ کو اٹھا کر رکھ دینے کا مجھ کو حکم فرماتے تو مجھ کو بھاری نہ معلوم ہوتا جتنا یہ حکم مجھ کو بھاری معلوم ہوا۔ اس واسطے کہ بظاہر یہ حکم زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف معلوم ہوتا تھا مگر اللہ نے مثل سینہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے جب میرے سینے کو بھی کھول دیا اور مصلحت اس کی سمجھ میں آگئی۔ اگرچہ بعض صحابہ کو ناسخ منسوخ آیتیں سب یاد تھیں مگر میں نے منسوخ آیتوں کو علیحدہ اور غیر منسوخ آیتوں کو معہ اختلاف ساتوں قرأت متواترہ ترتیب وار جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا ایک جگہ جمع کرنا شروع کر دیا۔ اور چونکہ حضرت زید حافظ قرآن بھی تھے اور کاتب وحی بھی۔ بخاری شریف کی روایت سے ثابت ہے کہ فرماتے ہیں کہ سورۂ توبہ کی اخیر آیت کو میں نے ہر چند اور لوگوں سے تلاش کیا مگر بجز حضرت ابوخزیمہ کے اور کسی کے یاد نہ نکلی۔ اور ایک روایت معتبر میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر آیت پر باوجود شاہد عدل ہونے فصاحت و بلاغت

قرآن کے بغرض مزید احتیاط دو دو صحابہ سے ہر آیت پر شہادت بھی لے لیتے تھے۔ چنانچہ آخر آیت سورۃ توبہ سے کی جب تک تنہا حضرت زید ہی شاہد رہے نہ لکھی گئی جب حضرت ابوخزیمہ بھی شاہد گزر گئے تب درج فرمادی گئی اور اللہ نے جو قرآن میں فرمایا ہے نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون اس کا پورا ظہور ہو گیا۔ پھر حضرت عثمان کے زمانے تک جس کو جس طرح مقدم موخر یاد تھا یا جس کے پاس جس طرح لکھا ہوا تھا ویسا ہی رہنے دیا اس مرتب قرآن کو بوجہ حصول مقصود شہرت نہ دی گئی مگر جب وہ زمانہ آیا کہ باعتبار اختلاف قرأت اور تقدم تاخر آیت لوگ جھگڑنے لگے بعض ناواقفی سے بعض دعاؤں کو بھی قرآن سمجھنے لگے بعض بعض سورتوں قرآن پر دعا ماثورہ ہونے کا دھوکا کھانے لگے۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمان بن حارث۔ زید بن ثابت۔ عبداللہ بن زبیر۔ سعید بن عاص رضی اللہ عنہم سے اس قرآن مرتب کی نقلیں کرا کے تمام اطراف میں بھیج دیں اور بموجب صلاح حضرت حذیفہ بن یمان جو شیعوں کے نزدیک بھی امین امت ہیں دوسری مختلف ترتیبوں کو جلوا دیا یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بعض شاذ روایتوں میں جو بعض سورتوں کو دعا اور بعض دعاؤں کو قرآن کہہ دیا ہے وہ ایسی ہی غیر معتبر روایتیں ہیں۔ چنانچہ مولوی انبار علی خاتم المجتہدین شیعہ بھی تفسیر عمدۃ البیان میں آخر کار یہی لکھ گئے کہ صحیح یہی ہے کہ یہ قرآن پورا قرآن ہے نہ کچھ کم ہوا نہ زیادہ ہوا اور نہ ہو سکے۔[1] اسی طرح ابتدائی زمانہ اسلام میں قرآن مجید کو بغیر زیر زبر علامت آیت۔ رکوع وغیرہ لکھنا امر ضروری سمجھا جاتا تھا۔ مگر جب اسلام نے عالم میں شہرت پائی برعایت اہل عجم

[1] اور تفصیل وار مع عبارات حدیث وغیرہ اس مضمون کو ہم نے اپنی کتاب مختصر المیزان میں لکھا ہے۔
۱۲ منہ غفر اللہ لہ ولکاتبہ ولوالدیہم

ان تمام امور کے ساتھ قرآن کا لکھا جانا ضروری ہو گیا۔ چنانچہ زیلعی. شامی. در مختار. متخلص وغیرہ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو مروی ہے کہ جردوا القرآن یعنی قرآن کو زیر و زبر۔ علامت رکوع وغیرہ سے خالی رکھو۔ یہ حکم ان کے زمانہ کے ساتھ مخصوص تھا۔ اب ان سب باتوں کا قرآن کے ساتھ ہونا ضروری ہے لہذا یہ سب پھر باتفاق یہ کلیہ لکھتے ہیں وکم من شئی تختلف باختلاف الزمان والمکان، یعنی بہت باتیں ہیں جو اختلاف زمان اور مکان سے بدل جاتی ہیں

اور مولانا شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ تفسیر آیہ کریمہ فویل لهم مما کتبت ایدیهم وویل لهم مما یکسبون میں تحریر فرماتے ہیں کہ بموجب اسی آیت کے ابتداء زمانہ صحابہ کرام میں قرآن کے فروخت کرنے کو اور اس کی لکھائی لینے کو بہت بڑا گناہ سمجھتے تھے۔ مگر زمانہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں پھر سب جواز کے قائل ہو گئے۔ چنانچہ حضرت محمد بن حنفیہ اور حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ فرماتے تھے۔

لاباس بشراء المصاحف و ان یعطی الاجر علی کتابتها ولا باس به انمایأخذون اجور ایدیهم و انما بیع الورق و عمل یدیه، یعنی قرآن کے خریدنے اور قرآن کی لکھائی دینے لینے میں کچھ ڈر نہیں اس واسطے کہ اصل میں وہ قیمت ورقوں کی اور ہاتھوں کی محنت کی ہے۔ بہرنہج جب یہ امر خوب ثابت ہو گیا کہ باعتبار اختلاف زمانے کے اختلاف حالات لوگوں کے حکموں کا بدلنا ائمہ اہلبیت اور صحابہ کرام سے ثابت ہے۔ تو اب ہم اصل مدعا کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ ان چاروں مجتہدوں کو اللہ نے وہ قوت جامع عطا فرمائی تھی کہ گنجینہ قرآن و

حدیث سے جس میں ہر ایک قسم کے مختلف حکم باعتبار مختلف زمانوں کے مختلف حالات لوگوں کے مختلف ولایتوں کے قیام قیامت تک کے لیے موجود تھے اور ہر ایک کی سمجھ ان کے موقع محل اور ان کی کنہ کے سمجھنے سے عاجز تھے باعتبار اپنے زمانے اور دوسرے زمانوں کے اور مختلف قسم کے لوگوں کے اور مختلف عرفوں کے اعتبار سے بھی مختلف حکم قرآن اور حدیث اور قول وفعل صحابہ کرام سے استنباط کر کے بیان فرما گئے اور جو حکم اپنے زمانے کے موافق پایا اس کو خود اختیار فرمایا اور دوسرے مختلف قولوں میں سے بحسب اختلاف زمانے اور اختلاف حالات اور عرف لوگوں کے اپنے شاگردوں کو اختیار کرنے کی اجازت دی گئی۔ بلکہ عالم مقلد مفتیوں کو بھی تا قیامت ان قولوں میں سے اختیار فرمانے کی اجازت آج تک درج کتب فقہ چلی آتی ہے جس کو ہم ابھی صفحات سابقہ میں بیان کر چکے ہیں لہذا دس پانچ نظریں بھی اس قسم کے مختلف حکموں کی باعتبار مختلف زمانوں مختلف حالات لوگوں کے بموجب مذہب حنفیہ ہم بیان کئے دیتے ہیں۔ ہدایہ میں ہے کہ تثویب یعنی فجر کی اذان کے تکبیر سے پہلے دو دو دفعہ حی علی الصلوۃ حی علی الفلاح پکار دینا اچھی بات ہے اس واسطے کہ یہ وقت نیند اور غفلت کا ہے۔ اور علاوہ فجر کے اور نمازوں کی اذان کے بعد یہ امر مکروہ ہے اور یہ صبح کی نماز کے بعد پکار دینے کا رواج بھی بعد زمانہ صحابہ کرام کے بسبب بدل جانے لوگوں کی حالتوں کے علماء کوفہ سے شروع ہوا ہے اور غالباً فجر میں مستحسن اور دوسرے وقتوں میں مکروہ

ہونے کی وجہ علماء کوفہ امام اعظم رحمہ اللہ وغیرہ کے نزدیک اس قسم کی حدیثیں صحیح ہوں گی جن سے ثابت ہے کہ بعد اذان فجر کے حضرت ایلال رضی اللہ عنہ دروازہ حجرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہو کر حضور کو تیاری جماعت کی خبر دے جایا کرتے تھے اور علاوہ فجر کے ظہر اور عشاء کے بعد تثویب پر یعنی اذان کے بعد پھر دوبارہ لوگوں کو حی علی الصلوۃ وغیرہ بعض الفاظ معینہ کے ساتھ اطلاع تیاری جماعت کی دینے پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے انکار سخت منقول ہے مگر جب امراء اور قاضی اور مفتیوں کو دیکھا گیا کہ بغیر اطلاع کے دوبارہ بعد اذان کے بوجہ زیادتی کاموں قضا اور فتویٰ نویسی کے جماعت سے رہ جاتے ہیں۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے اپنے زمانے میں سب

[1] کما روی النسائی فی باب ایذان الموذنین الائمة بالصلوة عن کریب قال سالت ابن عباس کیف کانت صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم بالليل فوصف انه صلی احدیٰ عشره رکعة بالوتر ثم نام حتی استثقل فرأیته ينفخ فجاء بلال فقال الصلوة يارسول الله صلى الله عليه وسلم فقام فصلى ركعتين و صلى بالناس ۔ یعنی نسائی باب ذکر میں نماز کی اطلاع کر دینے موذنوں کے اماموں کو۔ حضرت کریب سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کا حال جو حضرت عبداللہ بن عباس سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا گیارہ رکعت مع وتر کے آپ پڑھ کر سو گئے یہاں تک کہ آپ کے سانس مبارک کی آواز آنے لگی۔ اور بلال رضی اللہ عنہ نے آ کر آواز دی کہ نماز یارسول اللہ۔ پس آپ نے کھڑے ہو کر دو رکعت پڑھیں یعنی دو سنت پڑھیں اور پھر لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ اور یہی مضمون بخاری اور مسلم کی روایت میں آیا ہے۔ ۱۲ منہ غفر اللہ ولکاتبہ ولوالدیہم۔

نمازوں کے واسطے بعد اذان کے ان الفاظ کے ساتھ قاضی ۔ مفتی امرا کو بوجہ مشغول رہنے ان کے مسلمانوں کے کاموں میں اجازت دے دی کہ بعد اذان اس طرح پکار دیا کریں السلام علیک ایھا الامیر ورحمۃ اللہ وبرکاتہ حی علی الصلوۃ حی علی الفلاح الصلوۃ یرحمک اللہ اور وہ امر مکروہ اس صورت سے جائز ہوگیا۔ اور پھر متاخرین فقہا نے دین کے کاموں میں لوگوں کی سستی دیکھ کر عموماً سب مسلمانوں کے واسطے تیاری جماعت سے اطلاع دینے کے لیے حی ایھا المؤمنین وغیرہ الفاظ کے پکار دینے کا بعد اذان کے فتویٰ دے دیا اور اس اطلاع کے مستحسن ہونے کی ایسے ضعف کے زمانے میں سب قائل ہوگئے تا کہ کبھی بعد اذان جماعت دیر سے کھڑے ہونے کے خیال میں بوجہ اپنی سستی کے جماعت سے لوگ نہ رہ جائیں اور سنت موکدہ کے تارک نہ بن جائیں اور چونکہ یہ تینوں فتوے امام ہی کے اصول کے موافق تھے لہٰذا امام ہی کے قول سمجھے گئے اور تینوں فتووں کے عامل امام اعظم رحمہ اللہ کے مقلد رہے۔ اسی طرح ہدایہ میں ہے کہ امام اعظم اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک وضو کا گرا ہوا پانی نجس ہے مگر آپ کے شاگرد حسن فرماتے ہیں کہ مثل پیشاب کی نجاست غلیظ ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک نجاست خفیفہ ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اور ایک روایت میں امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک پاک ہے مگر دوسری ناپاک چیز اس سے پاک نہیں ہوسکتی۔ امام زفر رحمہ اللہ کا یہ قول ہے کہ اگر وہ پانی مستعمل ایسا ہے کہ باوجود وضو کے پھر

تازہ وضو کا گرا ہوا ہے جب تو پاک ہی ہے اور دوسری چیز کو بھی پاک کرسکتا ہے اور اگر بے وضو کے وضو کرنے سے گرا ہوا ہے تو پاک ہے مگر دوسری چیز کو پاک نہیں کرسکتا۔ اور بموجب روایت مذکورہ شامی یہ ہم کہہ چکے ہیں کہ کسی شاگرد کا قول مخالف رائے امامؒ کے نہیں تو اب صورت توافق یہاں یہ ہے کہ چونکہ امام اعظم رحمہ اللہ کا یہ مرتبہ تھا کہ بموجب صحیح حدیث کے جو ثابت ہے کہ ہر قطرہ وضو کے ساتھ تمام گناہ ہاتھ پاؤں منہ کے دھل جاتے ہیں۔ آپ وضو کے گرے پانی میں ہر قسم کے گناہ کی نجاست ا کو جدا جدا پہچانتے تھے۔ آپ نے اپنے واسطے اور اپنے ہم مرتبہ لوگوں کے واسطے بوجہ دیکھ لینے نجاست گناہوں کے اس پانی میں حکم نجاست کو اختیار فرمایا۔ اور بوجہ غایت احتیاط صغیرہ کبیرہ گناہوں کی نجاست کے

ا چنانچہ میزان شعرانی میں ہے۔ وکان الامام ابو حنیفۃ رحمہ اللہ اذا رای ماء المیضاۃ یعرف سائر الذنوب التی خرت فیہ من الکبائر والصغائر فلہذا جعل لماء الطہارۃ اذا تطہر بہ المکلف ثلثۃ احوال۔ یعنی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ چونکہ وضو کے پانی میں تمام گناہوں کو گرا ہوا دیکھتے تھے اور پہچانتے تھے کہ یہ صغیرہ گناہ ہے یہ کبیرہ ہے یہ مکروہ اور خلاف اولی ہے۔ آپ نے وضو کے پانی کی نسبت تین حکم فرمائے۔ اور یہ تو صحیح حدیثوں میں آیا ہی ہے کہ وضو کے آخر قطرے یا اول قطرے کے ساتھ سارے ہی گناہ جھڑ جاتے ہیں اس واسطے کہ وضو حکماً توبہ ہے۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب آپ وضو کرتے آپ کی حالت نہایت خوفناک ہو جاتی۔ جب وجہ پوچھی فرمایا کہ میاں وضو دربار خدا کا تہیہ ہے۔ مجھ کو خوف ہوتا ہے کہ کبھی ایسا نہ ہو کہ دربار میں جب حاضر ہوں کوئی امر ناپسندیدہ مجھ میں باقی رہ جائے۔ اور دربار سے نکال دیا جاؤں پھر مومن سے بہت بعید ہے کہ وضو کرے اور سب گناہوں سے تائب نہ ہو۔ ۱۲ منہ غفر اللہ لہ ولکاتبہ ولوالدیہما۔

اعتبار سے چونکہ اس کو اپنے حق میں نجاست غلیظہ سمجھا تھا۔ امام حسن شاگرد حضرت امام نے بھی بہ نیت احتیاط اسی کو اختیار کیا اور اسی قول کو امام سے روایت کرتے رہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے بوجہ مبتلا ہونے کے قضا میں اور قرب زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس امر پر نظر ڈال کر کہ غالب حال مسلمان سے یہ امر بہت بعید ہے کہ کبیرہ گناہ سے نہ بچے اور اگر مبتلا گناہ کبیرہ زنا شرابخواری وغیرہ ہو بھی جائے تو یہ امر بہت ہی نادر ہے کہ مسجد میں آئے اور توبہ کر کے اس گناہ سے پاک ہو کر نہ آئے۔ البتہ صغیرہ گناہوں سے بچنے والے بہت کم ہیں لہذا باعتبار گناہوں صغیر کے جن کی نجاست نجاست خفیفہ کے مشابہ ہے امام نے جو قول باعتبار صغیرہ گناہوں کے پانی مستعمل وضو کی نسبت حکم نجاست خفیفہ کا کیا تھا اسی قول کو امام سے روایت فرماتے رہے تا کہ محتاط لوگ اس سے بچتے رہیں اور عوام دقت میں نہ پڑیں اور چونکہ باعتبار مکروہ اور خلاف اولی امور کے پانی مستعمل وضو کا امام کے نزدیک پاک تھا اور دوسری چیز کے پاک کرنے کے قابل نہیں رہتا تھا اور باعتبار دلیل ظاہر کے عوام الناس ظاہر بینوں کے قابل یہی قول تھا۔ امام محمد رحمہ اللہ نے اپنے زمانے کے سب لوگوں کی حالت دیکھ کر اسی قول پر فتویٰ دینا مناسب سمجھا اور جب دیکھا کہ جن کو گناہوں کی نجاست حکمی نظر نہیں آتی اور بوجہ سستی کے امور دین میں ان کے غالب حال سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی تنگی سے نماز ہی چھوڑ بیٹھیں گے فرما دیا کہ جو لوگ فقط نجاست ظاہری کو دیکھتے ہیں اور اسی

سے بچ سکتے ہیں ان کے ظاہری پاک بدن پر استعمال کرنے سے ظاہر میں پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ مگر چونکہ اس کے ساتھ گناہوں سے پاک ہونے اور قابل دربار خداوندی بننے کا ارادہ کیا گیا ہے لہذا وہ اس قابل نہیں رہا کہ اس سے پھر دوبارہ حضوری دربار خدا کی قابلیت حاصل کی جائے اور کپڑے ناپاک وغیرہ کو اس سے پاک کر کے دربار خدا میں ساتھ لے جانے کے قابل بنا لیا جائے۔ اور یہ قول ظاہر احدیث[1] کے بھی موافق تھا لہذا یہی قول مفتی بہ رہا اور ان تینوں حکموں پر باعتبار اپنے اپنے مرتبے کے عمل کرنے والے امام ہی کے مقلد رہے اور وہ جو ہدایہ اور کبیری وغیرہ کتب فقہ میں ہے والمرفقان والکعبان یدخلان فی الغسل عندنا خلافاً الزفر یعنی کہنی اور ٹخنے ہمارے نزدیک مثل ہاتھ پاؤں کے حکم دھونے میں درمیان وضو کے برابر ہیں مگر امام زفر رحمتہ اللہ علیہ کہنی کے دھونے کو فرض نہیں جانتے اس اختلاف کی وجہ اختلاف عرف معلوم ہوتا ہے۔ غالباً امام زفر رحمہ اللہ کے اہل زمانہ یا اہل شہر کے نزدیک ہاتھ کہنی سے ورے تک پر بولا جاتا ہو گا چنانچہ ہمارے زمانے میں بھی بزاز ناپنے میں ہاتھ کہنی سے ورے تک کو کہتے ہیں اور امام کے اور دوسرے اماموں کے شاگردوں کے عرف میں مثل عرف زمانہ صحابہ کرام ہاتھ کا لفظ انگلیوں سے بغل تک پر مثل عرف عام ہمارے زمانہ کے

[1] انہایہ میں ہے۔ قولہ طاہر لما ر [illegible] سعد بن ابی وقاص از مرض فتوضا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصب الغسالۃ علیہ فاف[illegible] و کذا فی مظاہر حق جابر ولو کان نجسا لما صبہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ۱۲ منہ غفر اللہ لکاتبہ ولوالدیہما۔

بولتے تھے لہذا امام نے بموجب قاعدہ عربیت فرما دیا کہ کہنی چونکہ جنس ہاتھ سے ہے لہذا کہنیوں کا بھی ہاتھوں کے ساتھ دھونا فرض ہے۔

چنانچہ جب یوں کہتے ہیں کہ میں نے قرآن شریف کو اول سے آخر تک پڑھ لیا۔ تو چونکہ اول اور آخر قرآن ایک جنس ہیں لہذا سب یہی سمجھتے ہیں کہ سارا ہی قرآن مع اول اور آخر کے پڑھ لیا۔ البتہ جب یوں بولتے ہیں کہ میں صبح سے رات تک سویا۔ چونکہ رات جنس صبح سے نہیں ہے۔ سب یہی سمجھتے ہیں کہ دن بھر سویا اور رات آتے ہی جاگ اٹھا۔ لہذا بموجب اسی عرف کے ثم اتموا الصیام الی اللیل کے یہی معنی سمجھے گئے کہ دن بھر روزہ رکھو اور رات آتے ہی افطار کرلو اس واسطے اپنے زمانہ یا اپنے شہر کے عرف کے موافق چونکہ کہنی جنس ہاتھ سے نہ تھی۔ امام زفر رحمہ اللہ نے ایسا فرمایا ورنہ باعتبار قاعدہ پیروی عرف کے جس کے امام قائل ہیں اسی کے امام زفر مقلد ہیں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ عرف صحابہ کے مقابل میں چونکہ دوسرے عرف کا اعتبار کم ہے اور پھر عرف عام کے مقابلہ میں امام زفر کا قول سب کے نزدیک غیر مفتی بہ رہا۔ اسی طرح بعض موقع پر اختلاف باعتبار زمانہ اور مکان تجربہ کے ہے یا اختلاف لوگوں کی حالتوں کے چنانچہ یہ جو تنویر الابصار میں ہے۔

والحلال منها نبیذ التمر والزبیب ان طبخ ادنی طبخة و ان اشتد

چنانچہ اشباہ میں ہے قالوا فی الاصول فی باب ماترک به الحقیقة تترک الحقیقة بدلالة الاستعمال والعادة هکذا ذکر فخر الاسلام فاختلف فی عطف العادة علی الاستعمال فقیل هما مترادفان وقیل المراد من الاستعمال نقل اللفظ عن موضعه الاصلی الی معناه المجازی شرعاً و غلبة استعماله فیه و من العادة نقله الیٰ معناه المجازی عرفاً۔ ۱۲ منه غفر الله له و لکاتبه ولوالدیهما۔

اذا شرب بلا لهو و طرب والخلیطان ونبیذ العسل والتین والبر والشعیر والذرة طبخ اولا و المثلث وحرمها محمد مطلقا و به یفتی۔

یعنی چھواروں کا اسی طرح کشمشوں کا اور اسی طرح ملی ہوئی کشمش چھواروں کا پانی میں بھگو کر نکالا ہوا عرق اگر کچھ پکا لیا جائے تو پھر گو تیزی لے آئے اور علیٰ ہذا شہد انجیر گیہوں جو جوار کو اگر پانی میں ڈال کر چھوڑ دیا جائے اور پھر ان کا عرق لے لیا جائے پھر خواہ پکاؤ یا نہ پکاؤ۔ اسی طرح انگور کا عرق جب اتنا پکا لیا جائے کہ دو تہائی جل جائے گو پھر تیزی بھ لے آئے ان سب کا بغرض قوت اور دوا اور ہضم طعام بغیر ارادہ کھیل کود کے پینا امام ابو یوسف اور امام اعظم رحمہما اللہ کے نزدیک حلال ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک مطلقا ان سب کا پینا حرام ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے۔ وجہ اس کی یہی معلوم ہوتی ہے کہ امام اعظم اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ نے غالباً ان کو سردی کے زمانہ میں یا سرد ملک میں تجربہ کر کے دیکھا ہوگا کہ بوجہ سردی کے تیزی لانے کے بعد بھی یہ نشہ نہیں کرتی۔ یا ان کے زمانہ کے لوگ محتاط ہوں گے۔ لہذا فرما دیا کہ یہ حلال ہیں اور امام محمد رحمہ اللہ نے غالباً گرم ملک یا گرمی کے زمانہ مین تجربہ کیا ہوگا۔ یا پچھلے زمانے کے لوگوں کو بے احتیاط دیکھا۔ اور آپ کو یہ تو معلوم ہی تھا کہ ان میں کسی وقت نشہ ضرور پیدا ہو جاتا ہے اور اسی وجہ سے ان کو شراب کی قسموں میں شمار بھی کرتے ہیں۔ لہذا مطلقاً اپنی حرمت کا فتویٰ دے دیا۔ اور بموجب حالت پچھلے زمانہ کے لوگوں کے اور مختلف ملکوں کی گرمی سردی کے اعتبار سے اسی قول پر فتویٰ رہا۔ ورنہ وقت نشہ پیدا کرنے کے یہ سب چیزیں بلکہ بغرض لہو ولعب کے بھی باتفاق سب کے نزدیک حرام ہیں۔

چنانچہ صاحب درمختار اسی عبارت کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں

فلو شرب مایغلب علی ظنه انه مسکر فیحرم لان السکر حرام

في كل شراب

یعنی اگر گمان غالب اس امر کا ہو کہ نشہ آ گیا ہے تو شیخین کے نزدیک بھی ان کا پینا حرام ہے اس واسطے کہ تمام پینے کی چیزوں میں اگر نشہ ہے تو حرام ہے۔ اور بعض مقام پر مجرد اختلاف حالات شہر کے اعتبار سے بظاہر اختلاف معلوم ہوتا ہے چنانچہ ہدایہ میں اول یہ تحریر فرما کر کہ چھوٹا بڑا جانور اگر کنوئیں میں پھٹ جائے یا پھول جائے تو سارا پانی نکالا جائے گا۔ لیکن اگر کنواں چشمہ دار ہے تو جتنا اس میں پانی موجود ہے اس تمام پانی کے سما جانے کے لائق گڑھا کھود کر یا اندازے کی لکڑی ڈال کر اندازہ کرا کے سب پانی نکلوا ڈالیں۔ مگر امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دو سو سے تین سو ڈول تک نکلوا دینا ہی کافی ہے۔ اس کے بعد علامہ برہان الدین رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ امام محمد کا یہ قول بموجب مشاہدہ اپنے شہر کے کنوؤں کے ہے اور نہایہ میں ہے کہ صاحب مبسوط بھی ایسا ہی تحریر فرماتے ہیں۔ اور امام محمد اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ سے باعتبار کوفے کے کنوؤں کے سو ڈول کی روایت بھی منقول ہے۔ بہر نہج مقصود یہ ہے کہ کوفہ کے کنوئیں چشمہ دار تھے اور بوجہ ہونے پانی کے بہتا ہوا سو ہی ڈول پانی موجود رہتا تھا اور بغداد کے کنوؤں میں باوجود چشمہ دار ہونے کے دو سو تین سو ڈول ہے۔ چنانچہ ایسے کنوئیں علاقہ الور میں بھی ہیں۔ موضع جیانہ تحصیل الور میں ایک کنواں ہے جس میں بوجہ چشمہ دار ہونے کے بہاؤ کی وجہ سے دو تین ہاتھ ہی پانی رہتا ہے مگر اتنا کثرت سے پانی ہے کہ آٹھ لاووں سے بھی نہیں ٹوٹتا ایسا ہی دوسرا کنواں قصبہ اکبر پور میں متصل چاند پہاڑی کے ہے اسی واسطے صاحب کبیری ان روایتوں کے بعد فرماتے ہیں

فعلى هذا لاينبغي الفتوىٰ بمائتين و نحوها مطلقاً بل ينظر الى غالب آبار البلد وهو الايسر على الناس والاول وهو اعتبار مقدار

الماء في كل بيز علٰحدة احوط۔

یعنی جب پانی کم و بیش بھی چشمہ دار کنوؤں میں ہوتا ہے تو اس صورت میں دو سو ڈول وغیرہ کی روایت پر عموماً فتویٰ نہ دینا چاہیے بلکہ اکثر شہر کے کنوؤں کو دیکھ کر اگر وہاں کے کنوؤں میں دو سو ہی ڈول پانی ہو تو دو سو کا فتویٰ دے اور زیادہ ہو تو زیادہ کا کہ یہ امر آسانی کا ہے ورنہ احتیاط پہلے ہی قول میں ہے کہ ہر کنوئیں کا جدا جدا اندازہ کیا جائے اور بعض موقعوں پر اختلاف کی بنا محض رعایت تقویٰ اور احتیاط معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ جو ہدایہ میں ہے۔

وان اختلط اللبن بالطعام لم يتعلق به التحريم و ان كان غالبا عند ابیحنيفة رحمه الله وقالا اذا كان اللبن غالبا يتعلق به التحريم ،

یعنی کسی عورت کا دودھ اگر کھانے کی چیز میں مل گیا اور اس چیز کو کسی دو ڈھائی برس کی لڑکی یا لڑکے نے کھا لیا گو دودھ بہ نسبت کھانے کی چیز کے زیادہ مل گیا ہو مگر اس دودھ کی وجہ سے وہ لڑکی اس عورت کے بیٹے پر اور اس پر جس کا وہ دودھ تھا امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک بوجہ ثابت نہ ہونے حرمت رضاعت کے حرام نہ ہوگی اور صاحبین کے نزدیک بوجہ ثبوت حرمت رضاعت حرام ہو جائے گی۔ ہاں اگر کھانے کی چیز سے دودھ کم تھا تو آپ کے نزدیک بھی حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی۔ وجہ اس کی یہی معلوم ہوتی ہے کہ صاحبین نے باعتبار مقولہ مشہور للاکثر حکم الکل غلبہ کا لحاظ کر کے اس سب کو دودھ کا حکم دے دیا اور احتیاطاً حرمت رضاعت کا قول کیا ورنہ حق یہ ہے کہ عرف میں کھانے کی چیز کے اندر گو کتنا ہی دودھ مل جائے اس کو کوئی دودھ نہیں کہتا۔ اور رضاعت لغت میں دودھ پلانے کو کہتے ہیں نہ دودھ کا کھانا کھلانے کو لہذا بوجہ قوت دلیل قول امام ہی مفتی بہ رہا۔ اور بعض مسائل اس قسم کے بھی ہیں کہ فی الواقع امام اعظم رحمہ اللہ اور

ان کے شاگردوں کے درمیان بالکل اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ پچھلے بعض مشائخوں نے امام کے اور امام کے بعض شاگردوں میں باعتبار چند مسائل کے ظاہری اختلاف دیکھ کر اس اختلاف کی جو علت سمجھ میں آئی اس کو امام کی طرف نسبت کر دیا ہے۔ چنانچہ ہدایہ وغیرہ میں قیل کہہ کر یہ جو ضعیف طریق سے نقل کر دیا ہے کہ امام کے نزدیک نمازی کا بعد التحیات وغیرہ کے اپنے اختیار کے ساتھ نماز سے نکلنا فرض ہے اور صاحبین کے نزدیک فرض نہیں ہے۔ صاحب درمختار تحریر فرماتے ہیں

والصحیح انه لیس بفرض اتفاقاً قاله الزیلعی وغیره و اقره المصنف و فی المجتبی و علیها لمحققون۔

یعنی صحیح روایت یہی ہے کہ امام اور صاحبین وغیرہ کسی کے نزدیک بھی نمازی کا فعل منافی نماز کے ساتھ نماز سے نکلنا فرض نہیں ہے۔ یہ قول زیلعی کا ہے اور مصنف نے بھی اسی بات کو مقرر رکھا ہے۔ اور مجتبیٰ میں ہے کہ اکثر محققوں کا یہی قول ہے۔ اور شامی میں ہے۔

اعلم ان کون الخروج بصنعه فرضاً غیر منصوص عن الامام و انما استنبطه البرعی من المسائل الاثنی عشریة الآیة

یعنی خروج بصنعہ کے فرض ہونے پر امام سے کہیں تصریح نہیں پائی جاتی بلکہ وہ جو بارہ مسئلوں میں امام اور صاحبین کا اختلاف ہے ان سے بروعی یہ سمجھ گئے ہیں۔ اور یہی مضمون بعینہ کبیری میں ہے۔ اور ان بارہ مسئلوں کو معہ وجہ اختلاف اور صورت توفیق کے مفصلاً ہم نے جواہر السنیہ میں بیان کیا ہے اس واسطے کہ تمام اس قسم کے مسائل مختلف کی توجیہات بیان کرنے کا یہ موقع نہیں۔ اگر اس امر کی تحقیق مدنظر ہے تو ہماری کتاب جواہر السنیہ کو ملاحظہ کیجئے۔ اور اب یہ فرمایئے کہ اندریں صورت اگر کسی فقیہہ حنفی نے ایک شخص کو حلت کا فتویٰ دیا اور دوسرے فقیہہ

حنفی نے اسی کو یا دوسرے شخص کو بنظر احتیاط حرمت کا فتویٰ دے دیا۔ ایک شخص کی آج کی حالت کے اعتبار سے وضو کے گرے ہوئے پانی کو ظاہر بتا دیا اور چند روز کے بعد اس شخص کو اہل کشف سمجھ کر اور اس سے یہ سن کر کہ میں وضو کے گرے ہوئے پانی میں گناہوں کی نجاست کو دیکھتا ہوں نجس فرما دیا۔ اور اس نے دونوں قولوں پر بموجب اختلاف اوقات عمل کر لیا۔ کیا خرابی لازم آئی۔ اور یہ مفتی اور مستفتی تقلید اپنے امام سے نکل کر مخالف سواد اعظم مومنین کس طرح بنے۔ ہاں جو اختلافات اس قسم کے ہیں کہ وہ فی الواقع اختلافات ہیں۔ جیسے ان چاروں اماموں کے مسائل اجتہادی میں باہمی اختلافات۔ چونکہ یہ چاروں مجتہد مستقل ہیں۔ کوئی بھی ان میں سے کسی کا باعتبار اصول اور قواعد کے مقلد ہے نہ باعتبار فروع کے لہذا بلا ضرورت معتبرہ فقہا مخالف طریق مفتی بہ محققین کے بلا حصول کشف صحیح کے چشمہ شریعت پر مثل غوث الاعظم رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ وغیرہ اولیاء اللہ کی ان میں سے کسی ایک کے مقلد کو نہ دوسرے امام کے مقلد مفتی سے فتویٰ لینا جائز۔ نہ دوسرے امام کی تحقیق کے موافق عمل کرنا درست نہ ایک امام کی تقلید چھوڑ کر دوسرے امام کی تقلید اختیار کرنا۔ چنانچہ عارف باللہ حضرت عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ میزان مطبوعہ اکمل المطابع کے صفحہ ۲۵ میں تحریر فرماتے ہیں۔

فان قلت فاذا انفک قلب الولی عن التقلید و رای المذاهب کلها متساویة فی الصحة لاغترافها کلها من بحر الشریعة کشفاء یقینا فکیف یأمرا لمرید بالتزام مذهب معین ولایری خلافه، فالجواب انما یفعل ذالک مع الطالب رحمة به وتقریباً للطریق علیه لیجمع شتات قلبه ویدوم علیه السیر فی مذهب واحد فیصل الی عین الشریعة التی

وقف علیها امامه و اخذمنها مذهبه فی اقرب زمان لان من شان المجتهد ان لایبنی قوله علی قول مجتهد آخر ولو سلم له صحته مذهبه حفظ القلوب اتباعه عن التشتت وقد قالوا حکم من یتقید بمذهب مدة ثم بمذهب آخر مدة وهکذا حکم من سافر بقصد موضع معین بعید ثم کلما بلغ ثلث الطریق اراه اجتهاده انه لوسلک الی مقصده من طریق کذا لکان اقرب من هذا الطریق فیرجع عن سیره ویعود قاصدا ابتداء السیر من اول تلک الاخریٰ فاذا بلغ ثلثا مثلا اداه اجتهاده الی ان سلوک غیرها ایض اقرب بمقصده ففعل کما تقدم له وهکذا فمثل هذا ربما افنی عمرهٖ کله فی السیر ولم یصل الی مقصدهٖ الذی هو مثال عین الشریعة التی وصل الیها امامه او غیره من اصحاب تلک المذاهب علی ان انتقال الطالب من مذهب الی مذهب فیه قدح فی حق ذالک الامام الذی انتقل عن مذهبه علی تفصیل سیأتی انشاء الله ولو صدق هذا الطالب فی صحة هذه الاعتقاد فی ان سائر الائمة المسلمین علی هدی من ربهم لما طلب الانتقال من مذهب الی غیره بل کان یشهد ان کل مذهب عمل به وتقید علیه اوصله الی باب الجنة الخ۔

خلاصہ اس تمام عبارت کا یہ ہوا کہ جب ولی کامل چشمہ شریعت تک پہنچ کر ہر حکم کی اصل کو کشفی طور سے دیکھنے لگتا ہے وہ تقلید کی حاجت نہیں رکھتا خود مجتہد ہوتا ہے اور یقیناً جان لیتا ہے کہ سب مجتہد اسی چشمہ سے لینے والے ہیں اسی واسطے اپنے مریدوں کو جس مذہب کی پابندی سے وہ چشمہ شریعت یعنی اطاعت واقعی خدا اور رسول کی طرف جا رہے تھے اسی مذہب کی پابندی کا حکم کرتا ہے تاکہ وہ مصداق اس مثال کے نہ بن جائیں جو ایک مذہب چھوڑ کر دوسرے مجتہد کا مذہب اختیار کر

نے والوں کی شان میں فقہا اہل کشف بیان فرماتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جس طرح کسی مقام خاص کا ارادہ کرنے والا اس مقام کے ایک راستہ کو تہائی دو تہائی طے کر کے لوٹ آنے والا اور دوسرا راستہ اچھا سمجھ کر اس پر چلنے والا اور پھر اسی طرح اس دوسرے راستے کو کچھ طے کر کے پھر لوٹ کر تیسرے راستے سے چلنے والا اس مقام خاص تک کبھی نہیں پہنچ سکتا۔ اسی طرح ایک مجتہد کی پیروی چھوڑ کر بغیر حاصل ہونے مرتبہ کشف صحیح اور اجتہاد کے دوسرے مجتہد کی پیروی کرنے والا چشمہ شریعت تک نہیں پہنچ سکتا۔ علاوہ بریں ایک مجتہد کی پیروی چھوڑنا دلیل ہے اس مجتہد کے ناقص سمجھنے کی۔ کیونکہ اگر تمام مجتہدوں کے مذہبوں کو حق اور چشمہ شریعت تک پہنچانے والا جانتا تو پھر بلا سود اس مذہب سے کیوں لوٹتا۔

پھر اس کے بعد صفحہ ۲۶ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اب جو بعض اولیاء کامل باوصف حصول کمالؔ کے مقلد رہے ہیں جیسے حضرت عبد القادر گیلانی رحمہ اللہ حنبلی تھے اور حضرت محمد شاذلی رحمہ اللہ حنفی۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس مرتبہ کمال سے پہلے حنبلی یا شافعی تھے اور بعد حاصل ہونے اس مرتبہ کمال کے ان کا اجتہاد بھی بعینہ اپنے امام کے مطابق رہا۔ اور اگر کل امور میں یا بعض امور میں ایسے اولیاء اللہ کا اس امام کے جس کے پہلے مقلد تھے بعد حاصل ہونے مرتبہ کمال اور اجتہاد کے مخالف اجتہاد واقع بھی ہوا تو بوجہ ادب اس امام کے کسی پر اپنے اجتہاد کو ظاہر نہ فرمایا کہ کبھی لوگ خصوصاً مرید جس امام کی تقلید کر رہے تھے اس کو چھوڑ کر مصداق مثال مذکور کے نہ بن جائیں۔ لہذا یہ اولیاء اللہ اسی امام کے مقلد مشہور رہے ورنہ واقع میں اس مرتبہ کے لوگ خود مجتہد ہوتے ہیں۔ پھر اس فصل کے بعد دوسری فصل

ؔ اور ان چاروں اماموں سے پہلے کوئی ایسا مجتہد نہ تھا کہ جس نے تمام مسائل باب باب اور فصل فصل کر کے جمع کر دیئے ہوں اور تمام لوگ اس کے مقلد ہو گئے ہوں۔ لہذا یہ اپنے اجتہادات کو ظاہر فرماتے رہے۔ اور جن کا اعتقاد جس مجتہد کی قوت دلائل پر ہوا اسی کی وہ تقلید اختیار کرتے رہے۔ اور چونکہ وہ لوگ پہلے کسی کی تقلید معین نہیں کرتے تھے۔ لہذا اس مثال کے مصداق نہ ہوئے۔ ۱۲ منہ غفرلہ ولکاتبہ ولوالدیہم۔

میں تحریر فرماتے ہیں کہ جتنے مجتہد گزرے ہیں وہ سب ولی اللہ اور اصحاب کشف صحیح تھے۔ اس تقریر سے الصوفی لامذهب له جو بعض کتب میں لکھا ہے اس کی حقیقت بھی آپ پر کھل گئی ہوگی وہ ایسے ہی صوفیوں کی شان میں ہے جن کا ذکر آپ سن چکے۔ اور مثل ان کی ہندوستان میں خواجہ صاحب حضرت نظام الدین اولیا۔ حضرت مرزا مظہر جانجانان قدس سرہم گزرے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض ان میں بموجب اپنے اجتہاد کے فاتحہ خلف امام پڑھتے تھے۔ نہ کہ آج کل کی نری صوفیت کے مدعیوں کی شان میں اور وہ جو منار میں ہے کہ اختلافی مسائل میں حق تو ایک ہی امر ہوتا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ اللہ کے نزدیک تو فی الواقع حق ایک ہی امر ہوتا ہے مگر جب اللہ نے بمقتضائے فضل وکرم فرمادیا کہ لایکلف اللّٰه نفساً الا وسعها یعنی اللہ طاقت سے زیادہ کسی جان کو تکلیف نہیں دیتا۔ لہذا جب ولی کامل اور مجتہد نے بموجب اپنے کشف اور اجتہاد کے جس امر میں حکم صریح قرآن اور حدیث سے نہ پایا اس کے دریافت کرنے میں اپنی کوشش پوری کر لی اور بعد کوشش جو حکم اس پر ظاہر ہوا وہ بموجب آیہ کریمہ مذکورہ اسی پر عمل کرنے کا اور فتویٰ دینے کا مکلّف ہے اور اس کے اور اس کے مقلدوں کے حق میں وہی امر حق ہے جس طرح دوسرے مجتہد اور ولی کے حق میں بعد اجتہاد جو حکم اس حکم کے مخالف ظاہر ہوا ہے وہی حق ہے۔ اپنی دلیل اور اجتہاد اور کشف کے موافق جیسے اس امر کے اعتبار سے جس کی اس کو تکلیف دی گئی تھی یہ مصیب ہے وہ دوسرا مجتہد بھی مصیب ہے گو باعتبار اس حکم کے جو اللہ کے نزدیک ایک ہے ان دونوں کے حکم میں احتمال خطا رہے۔ چنانچہ توضیح میں ہے۔

قال ابو حنيفة رحمه اللّٰه كل مجتهد مصيب والحق عند اللّٰه تعالىٰ واحد لقوله تعالىٰ ففهمنا ها سليمان الآيه سمى عمل كليهما حكما وعلما لكن خص سليمان باصابة المطلوب و تضعيف الاجر يدل على هذا ايضا،

یعنی امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حق تو اللہ کے نزدیک ایک ہی حکم ہونا

ہے مگر مجتہد کو مصیب کہا جاتا ہے اس واسطے کہ آیہ کریمہ وداؤد وسلیمان اذ يحكمان فى الحرث اذ نفشت فيه غنم القوم و كنا لحكمهم شاهدين ففهمنا ها سليمان و كلا اتينا حكما و علماً، میں داؤد اور سلیمان دونوں کے عمل اور اجتہاد کا نام اللہ نے علم اور حکمت ہی رکھا۔ باآنکہ فرما دیا کہ حق وہی حکم تھا جو سلیمان علیہ السلام نے اپنے اجتہاد سے فرمایا تھا اور باوجود خطا جو احادیث سے ثابت ہے کہ مجتہد کو ایک حصہ ثواب تو ملتا ہی ہے اور اگر حق کو پہنچ گیا تو دو حصہ ثواب۔ اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اپنی کوشش اور دلیل اور اپنے کشف کے اعتبار سے تو ہر مجتہد مصیب ہی ہوتا ہے۔ بہر نہج اللہ رسول کا بعض احکامات کو محتاج اجتہاد رکھنا اور صراحۃً نہ بیان فرمانا یہ بھی اس امت کے واسطے موجب رحمت ہے اور یہی معنی ہیں حدیث اختلاف امتى رحمة کے جو مشہور چلی آتی ہے جس کو جامع صغیر میں سیوطی نے اور نصر مقدسی نے کتاب الحجہ میں اور بیہقی نے رسالہ اشعریہ میں اور حلیمی اور قاضی حسین اور امام الحرمین وغیرہم رحمہم اللہ نے بھی نقل کیا ہے جیسے اس امت مرحومہ پر یہ بھی مقتضائے رحمت ہی ہے کہ بہت سے حکموں کو بیان ہی نہ فرمایا۔ بلکہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہ زیادہ پوچھ گچھ کرنے لگے تو یہ ارشاد ہوا۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا لاتسالوا عن اشياء ان تبدلكم تسوكم و ان

[1] مختصر قصہ یہ ہے کہ ایک قوم کی بکریوں نے دوسری قوم کی کھیتی خراب کر دی تھی۔ داؤد علیہ السلام نے اپنے اجتہاد سے یہ فیصلہ کیا کہ کھیتی کی عوض میں وہ سب بکریاں مدعی کو دلوادی جائیں۔ اور جب سلیمان علیہما السلام سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ بکری والے اس کھیت کو جب تک پانی دے کر دیوار وغیرہ درست کر کے ویسا ہی نہ بنادیں تب تک کھیتی والے ان کی بکریوں کے دودھ اور پشم وغیرہ سے نفع اٹھائیں۔ اللہ فرماتا ہے جس وقت ان دونوں نے اپنے اپنے اجتہاد سے حکم دیا تو ہم حاضر تھے اور وہ دونوں صاحب علم وحکمت تھے مگر ہمارے نزدیک جو امر حق تھا سلیمان کو وہ ہم نے سمجھا دیا۔ یعنی داؤد علیہ السلام اس کو نہ پہنچے۔ ۱۲منہ غفر الله له و لكاتبه ولوالديهما۔

تسالوا عنها حين ينزل القرآن تبد لكم عفى الله عنها والله غفور
رحيم۔

یعنی اے لوگو ایمان والو بہت باتوں کی پوچھ گچھ نہ کرو اگر وہ ظاہر کر دیئے
جائیں گے تو تم کو برا معلوم ہوگا۔ اور قرآن کے زمانے میں اگر پوچھو گے تو ظاہر
ہی کر دیئے جائیں گے اللہ نے ان باتوں کو تم کو معاف کیا وہ بردبار بخشنے والا ہے۔

چنانچہ بموجب اسی آیت کے اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے کہ جن امور
میں شارع علیہ السلام سے امر و نہی کچھ بھی منقول نہیں وہ مباح اور جائز ہیں۔ اور
یہ امر تمام کتب اصول سے ظاہر ہے تاکہ بوجہ پوچھنے کے اگر وہ امر مباح نہ رکھا
جائے تو امت مرحومہ کے لوگ تنگی میں نہ پڑ جائیں۔ اور اگر تمام احکام صریح غیر
محتاج اجتہاد بیان کر دیئے جائیں تو کبھی بوجہ مخالفت بہت لوگ خرابی میں نہ گرفتار
ہو جائیں اور بوجہ انکار کفر تک نوبت نہ پہنچے۔ اور بصورت اجتہاد گو ہر مجتہد اور اس
کے مقلدین کے حق میں بموجب تقریر مذکور الصدر وہی ایک امر حق ہے جو اس کے
اجتہاد سے ثابت ہو۔ چونکہ احتمال اس امر کا باقی رہتا ہے کہ واقع میں بھی حق ہے یا
نہیں لہذا جس امر کا فرض یا حرام ہونا اجتہاد سے ثابت ہو اس کا منکر باتفاق کافر
نہیں ہوتا۔ چنانچہ تمام کتب اصول وفقہ توضیح تلویح۔ بحرالرائق شامی درمختار وغیرہ
کے سے ثابت ہے کہ حرام اور فرض قطعی تو وہ ہے جو نص صریح محکم مفسر قرآن یا
حدیث متواتر قطعی الثبوت سے ثابت ہو ایسے فرض اور حرام کا منکر باتفاق جمہور
کافر ہو جاتا ہے۔ اور حرام اور فرض عملی کا منکر کسی کے بھی نزدیک کافر نہیں ہوتا اس
واسطے کہ حرام اور فرض عملی ان کو کہتے ہیں کہ جن کا ثبوت دلیل قطعی الثبوت سے نہ
ہو بلکہ آیت یا حدیث قطعی الثبوت ظنی الدلالۃ یا ظنی الثبوت قطعی الدلالۃ سے ہو
جن سے واجب اور مکروہ تحریمہ ثابت ہوتا ہے۔ مگر فرض اور حرام ہونے ان امور
کی وجہ کسی مجتہد کے نزدیک یہ ہوتی ہے کہ اس مجتہد کے نزدیک یہ دلیل ظنی کسی وجہ
سے مرتبہ قطعیت کو پہنچ جاتی ہے۔ جیسے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک مسح سر میں

[1] یعنی میری امت کا اختلاف موجب رحمت ہے ۱۲ منہ غفر لہ ولکاتبہ ولوالدیہا۔

چوتھائی سر کی مقدار اگرچہ ثابت تو خبر احاد ظنی الثبوت سے ہے مگر یہ خبر امام
صاحب کو ایسے طریق سے پہنچی ہے کہ مرتبہ دلیل قطعی کو پہنچ گئی لہذا امام کے نزدیک
اگر چوتھائی سر سے کم مسح کیا جائے گا وضو صحیح نہ ہوگا بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے
کہ ان کے نزدیک بموجب آیہ کریمہ وامسحوا بروسکم مطلق سر کا مسح خواہ
ایک بال ہی کی مقدار کیوں نہ ہو فرض ہے نہ کہ چوتھائی سر کا یا کل سر کا۔ اور جس
عورت کا شوہر پردیس جا کر ایسا بے پتہ ہو جائے کہ اس کے مرنے جینے تک کی خبر
نہ ملے۔ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ایسی خبر احاد سے جو ان کے نزدیک دلیل
قطعی کے مرتبہ کو بذریعہ قیاس وغیرہ پہنچ گئی ہے ثابت ہے کہ جب تک اس کے
مرنے کا یقین کامل بسبب اس کے ہم عمروں کے مرجانے یا اس کی عمر نوے یا سو
سے زیادہ ہو جانے کی نہ ہو جائے اس عورت کو کسی سے نکاح جائز نہیں نہ قاضی کو
اگر وہ چاہے اجازت دینا درست مگر امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک بعد چار برس
کے قاضی کو شوہر مذکور کے نکاح سے جدائگی کا حکم دینا جائز ہے تاکہ وہ بعدہ بعد
گزرنے چار مہینے دس روز عدت موت شوہر کے کسی سے نکاح کر لے۔ علی ہذا
جس طرح بعض احکام کو محتاج اجتہاد باقی رکھنے میں مقصود خداوند کریم یہ ہے کہ حکم
صریح کی مخالفت سے امت مرحومہ کے لوگ کافر نہ ہو جائیں اور یہ بھی مقصود ہے
کہ امت مرحومہ تنگی میں نہ پڑ جائے اور وقت ضرورت معتبرہ دوسرے مذہب کے
قاضی سے فتویٰ لے کر خلاصی کے حاصل کر لینے کی گنجائش رہے۔ چنانچہ قرآن مجید
میں اللہ جلشانہ فرماتا ہے۔

يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر

یعنی اللہ تمھارے ساتھ آسانی کا ارادہ کرتا ہے نہ کہ سختی کا

اور دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

وما جعل عليكم في الدين من حرج

یعنی معاملہ دین میں اللہ نے تم پر کوئی تنگی اور حرج کی بات نہیں مقرر کی۔

اور جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

احب الدين الى الله الحنيفة السمحة

اور صاحب اشباہ والنظائر المشقۃ تجلب التیسیر یعنی جہاں مشقت واقع ہو
شریعت سے وہاں آسانی حاصل ہو جاتی ہے قاعدہ مسلمہ حنفیہ لکھ کر انہیں آیت
حدیثوں کو اس قاعدے کے اصل بیان فرما کر فرماتے ہیں کہ تمام تخفیف اور
رخصت کی باتیں شریعت کی اسی قاعدہ پر مبنی ہیں۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ جو حکم
نص صریح سے ثابت ہو اس کو اگر کوئی موجب مشقت اور جرح سمجھ لے۔ چونکہ
شریعت میں پہلے ہی شارع علیہ السلام کو آسانی مدنظر ہے اس کا اعتبار نہ ہوگا۔
چنانچہ اسی قاعدہ مذکورہ کی بحث میں صاحب اشباہ تحریر فرماتے ہیں المشقة
والحرج انما يعتبر فى موضع لانص فيه امامع النص بخلافه لا ۔یعنی
مشقت اور حرج کا وہاں اعتبار کیا جائے گا جہاں نص کی مخالفت لازم نہ آئے اور
نص کے مخالف مشقت اور حرج قابل اعتبار نہیں ہوتا۔ لہذا اسی قاعدے کے ذیل
میں علامہ زین العابدین رحمہ اللہ اول یہ تحریر فرما کر کہ علماء فرماتے ہیں کہ تمام
رخصت اور تخفیف اور آسانی کے حکم اسی قاعدے سے نکلتے ہیں بہت مسائل آسانی
کے جو کتب فقہ میں درج ہیں اور جن میں مخالفت نص نہیں لازم آتی تحریر فرماتے
ہیں اور درمختار کی اس عبارت کی شرح میں ولا یفرق بینہ وبینھا ولو بعد
مضی اربع سنین خلافا المالک شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

وقلت نظير هذه المسئلة عدة ممتدة الطهر التى بلغت برؤية
الدم ثلثة ايام ثم امتد ظهرها فانها تبقى فى العدة الى ان تحيض ثلث
حيض و عندمالک تنقضى عدتها تبسعة اشهر وقد قال فى البزازية
الفتوىٰ فى زماننا على قول مالک وقال الزاهدى كان بعض اصحابنا
يفتون به للضرورة و اعترضه فى النهر وغيره بانه لاداعى الى الافتاء
بمذهب الغير لامكان الترافع الى مالكى يحكم بمذهبه وعلى ذلک
مشى ابن وهبان فى منظومته هناک لكن قدمنا ان الكلام عند تحقق
الضرورة حيث لم يوجد مالكى يحكم به

یعنی یہ جو درمختار میں ہے کہ جس عورت کا شوہر مفقود الخبر ہو جائے بعد چار
برس کے بھی اس کے اور اس کے شوہر کے درمیان نکاح سے جدائی کا امام اعظم
کے نزدیک قاضی فتویٰ نہ دینا چاہیے بخلاف امام مالک رحمہ اللہ کے کہ ان کے
نزدیک قاضی کو یہ فتوی دینا جائز ہے (تاکہ بعد عدت وفات بعد حاصل کر لینے حکم
جدائگی نکاح کے شوہر مفقود سے وہ عورت کسی سے نکاح کر لے) میں کہتا ہوں مثل
اسی مسئلے کے مسئلہ عدت اس عورت کا ہے جس کو ابتداً تین دن خون حیض آ کر
برسوں بند رہا اور مدت طہر مدت دراز میں ختم ہو تو امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک
بعد طلاق کے جب تک تین حیض نہ آلیں اس کو کسی سے نکاح جائز نہیں۔ اور امام
مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایسی عورت کی عدت نو مہینے ہیں طلاق سے نو ماہ بعد
اس کو نکاح کر لینا جائز ہے۔ مگر صاحب فتاوی بزازیہ جو حنفی المذہب ہیں فرماتے
ہیں کہ ہمارے زمانے میں امام مالک رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ ہے۔ اور علامہ
زاہدی حنفی فرماتے ہیں کہ بوجہ ضرورت کے ہمارے بعض اصحاب بھی امام مالک
رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔ مگر صاحب نہر نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ
جب بوجہ ضرورت کے قاضی مالکی سے بموجب مذہب امام مالک رحمہ اللہ فیصلہ کرا
لینا ممکن ہے تو پھر قاضی حنفی کو اپنے مذہب کے مخالف فتویٰ دینے کی کیا حاجت ہے
مگر ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ جب جگہ قاضی مالکی نہ ہو وہاں تو قاضی حنفی کو بموجب
مذہب امام مالک رحمہ اللہ فتویٰ دینے کی عند الضرورت ضرورت ہوگی چنانچہ شامی
اس سے پہلے یہ لکھ چکے ہیں

قال القهستانى لوافتى فى موضع الضرورة (بمذہب مالک) لاباس
به على ما اظن

یعنی قہستانی فرماتے ہیں کہ ضرورت کی جگہ قاضی حنفی بموجب مذہب امام
مالک رحمہ اللہ اگر فتویٰ دے دے میرے گمان میں کچھ ڈر نہیں ہے۔

اور قول علامہ زاہدی سے معلوم ہوتا ہے کہ عند الضرورت امام اعظم امام ابو
یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ بھی امام مالک رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دے دیا کرتے

تھے۔ اس واسطے کہ اصطلاح فقہا میں جب یہ کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب ایسا فرماتے ہیں تو اس سے مراد یہی تینوں امام ہوتے ہیں۔ چنانچہ شامی میں ہے۔

المشهور اطلاق اصحابنا على ائمتنا الثلاثة ابى حنيفة وصاحبيه كما ذكره فى شرح الوهبانية۔

اور اس صورت میں تو فتویٰ دینا قاضی حنفی کا عند الضرورت بعینہ بتقلید امام ہی ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ ان دونوں مسئلوں مذکور میں مخالفت نص بھی نہیں ہے۔ اس واسطے کہ نص [1] اس لفظ کی قسموں سے ہے جس کی ایک معنی ہوں اور لفظ قروء آیہ کریمہ والمطلقات يتربصن بانفسهن ثلثة قروء اور لفظ والمحصنات آیہ کریمہ و المحصنات من النساء الا ما ملكت ايمانكم میں دونوں ماول ہیں جو اس لفظ کی قسم سے ہیں جس کے معنی متعدد ہوں اس واسطے کہ قروء کے معنی لغت میں حیض اور طہر دونوں کے ہیں۔ مگر امام کے نزدیک بتاویل حیض کے معنی لیے گئے ہیں۔ اور محصنات کا لفظ قرآن مجید میں چار معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ مگر اس جگہ بذریعہ تاویل وہ عورتیں مراد ہیں جن کے شوہر موجود ہوں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ضرورت سے مراد ان فقہاء کی اس موقعہ پر ضرورت معتبرہ ہی ہے نہ مطلقا محض حیلہ جوئی۔ چنانچہ قاعدہ مذکور المشقة تجلب التيسير کے تحت میں علامہ زین العابدین رحمہ اللہ نے منجملہ قسموں مشقت کے عسر اور مرض یعنی تنگی اور

[1] چنانچہ نور الانوار وغیرہ کتب اصول سے ثابت ہے کہ لفظ اگر ایک معنی پر دلالت کرے بغیر دلالت کرنے کے افراد پر تو خاص اس کو کہتے ہیں جیسے لفظ زید کا ہے اور اگر ایک معنی پر دلالت کرے معہ دلالت کے اوپر افراد کے تو اس کو عام کہتے ہیں جیسے لفظ انسان کا ہندی کا کہ معنی تو اس کے اتنے ہی ہیں کہ ہند کا رہنے والا مگر ساتھ ہی اس پر بھی دلالت کر رہا ہے کہ ہندی کے ہزاروں فرد ہیں پھر یہ لفظ جو ایک معنی بتلائے خواہ وہ معنی خاص ہوں یا عام اگر اس معنی کا ظہور متکلم کے انداز بیان سے نہ ہو بلکہ خود اس لفظ سے وہ معنی ظاہر ہوں اور احتمال تاویل باقی رہے تو اس کو ظاہر کہتے ہیں اور اگر متکلم کے انداز بیان سے بھی وہ معنی اور زیادہ ظاہر ہوں تو اس کو نص کہتے ہیں اور اگر لفظ کے کئی معنی ہوں۔ خواہ کئی معنی لغوی ہوں یا منقول شرعی یا عرفی تو اگر وہ سب معنی برابر مراد ہوں تو جب تو اس کو مشترک کہتے ہیں اور سب معنوں میں سے تاویل سے کسی ایک معنی کو ترجیح ہو تو اس کو ماول کہتے ہیں مثل لفظ قروء اور محصنات کے۔۱۲

بیماری کو لکھ کر اس کی مثالیں اس قسم کی بیان کی ہیں جن سے بضرورت حرام کا حلال اور ناپاک کا پاک ہو جانا شریعت سے ثابت ہے مثل جواز دیکھنے طبیب کے پیشاب پاخانہ کی جگہ تک کو عند الضرورت علاج کی غرض سے اور مثل معاف ہونے معذور کے ایسے کپڑوں کی نجاست کے کہ جو بوجہ بار بار بہنے نجاست کے جب دھو کر پہنے جائیں۔ پھر ناپاک ہو جائیں اور پاک نہ رہ سکیں۔ اور دوسرے قاعدے اذا ابتلى ببليتين فاختار اهونهما اور الضرورات تبيح المحذورات جو بموجب حدیث صحیح لاضرر ولاضرار مرویہ موطا امام مالک اور مستدرک حاکم اور بیہقی اور دار قطنی اور ابن ماجہ لکھی ہیں ان کے ذیل میں اسی قسم کی مثالیں لکھی ہیں مثل جواز کھا لینے مردار کے وقت خوف جان جانے کے اور جواز کہہ لینے کلمہ کفر کے وقت خوف جان کے۔ اور مثل جواز لے لینے کے قرضخواہ کو قرضدار کے مال سے بلا اجازت جب وہ قرض ادا کرنے سے انکاری ہو جائے اور مثل جواز بیٹھ کر نماز پڑھ لینے کے اشاروں سے ایسے زخمی کے لیے جس کا زخم سجدہ و رکوع کرنے سے بہ نکلے۔ لہذا امام مالک کے قول پر بعد چار سال مفقود الخبر کی بیوی کو بعد فتویٰ دینے کے عدت موت گزار کر جواز نکاح کا فتویٰ دینا ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے کہ بحالت اضطرار مر جانے سے بقدر جان بچانے کے سود کھانا بہتر ہے ایسا ہی کہا جائے گا کہ زنا سے مفقود الخبر کی بیوی کو امام مالک کے قول پر فتویٰ لے کر نکاح کر لینا بہتر ہے۔ نہ کہ بلا خوف زنا وغیرہ بھی اس واسطے کہ حق یہی ہے کہ بموجب ادلہ قویہ مذہب امام اعظم رحمہ اللہ ہی حق ہے کیونکہ امام مالک کا تمسک فیصلہ عمر رضی اللہ عنہ ہے اور ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رجوع نہ ثابت ہوا ہوگا مگر بحر الرائق شرح کنز الدقائق کتاب المفقود میں صاف لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے قول سے رجوع فرمالیا تھا۔

محمدی: مولانا۔ میری پوری تشفی ہوگئی تھی۔ مگر آپ کی اس تقریر نے مجھ کو اور خرابی میں ڈال دیا۔ کہیں گناہوں کی نجاست بھی جو ایک امر غیبی ہے کسی کو نظر آسکتی ہے۔ پھر وہ بھی اس تفصیل کے ساتھ کہ ایک وضو کا گرا پانی اور پھر اس میں کبیرہ

گناہوں کی نجاست الگ صغیرہ کی الگ خلاف اولی کی الگ اور بجز اس قرآن اور حدیث کے وہ اور چشمہ شریعت کا کیا چیز ہے جس پر ولی کامل پہنچ کر تقلید کا محتاج نہیں رہتا۔ کیا ولایت بجز اتباع قرآن اور حدیث کسی اور چیز کا نام ہے تفسیر مسمی بحدیث التفسیر مطبوع مطبع فاروقی کے صفحہ ۱۴۱ میں آیہ کریمہ ان اللہ عندہ علم الساعۃ کے تحت میں مولوی حمید اللہ صاحب تو جو بڑے محدث ہیں بہت حدیثیں لکھ کر ایسا تحریر فرماتے ہیں کہ ''بزرگوں کی تعریف میں ایسی باتیں ہرگز نہ کہنی چاہئیں'' کہ جو وہ کہتے ہیں وہ ہو جاتا ہے۔ اور جو کوئی ان کے پاس کسی مطلب کے واسطے جاتا ہے ان کو اس کے دل کا حال معلوم ہو جاتا ہے اور سینکڑوں ہزاروں کوس کا حال یا بارش کا حال معلوم کر لیتے ہیں۔ اپنے مریدوں کو توجہ پہنچا دیتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے فلاں بزرگ کی قبر پر جا کر فلاں بزرگ سبق پڑھ آیا کرتے تھے۔ کچھ دریافت کرنا ہوتو مراقبہ کر کے دریافت کر لیا کرتے تھے۔ فلاں بزرگ روز مرہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہو کر جو دریافت کرنا ہوتا دریافت کرآتے تھے۔ اس قسم کی سب باتیں قرآن و حدیث کے خلاف ہیں۔ مولانا خود آنحضرت ﷺ کی شان میں تو اللہ یہ فرماتا ہے قل ما کنت بدعاً من الرسل و ما ادری ما یفعل بی ولا بکم یعنی کہہ دواے ہمارے محبوب پیغمبروں میں سے میں ہی نیا پیغمبر نہیں ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ جب آنحضرت ﷺ کو ایسا ارشاد ہوتا ہے تو پھر اور کس گنتی و شمار میں ہیں۔

مقلد: مولوی صاحب۔ ان حضرات کی تصنیفات و تالیفات دیکھتے رہو گے تو یہ کیا ایسے سیکڑوں شبہوں میں جو مخالف جمہور محققین ہیں گرفتار ہو گے۔ کیا آپ کو نہیں معلوم مولوی حمید اللہ صاحب مولف اس تفسیر کے اول درجہ کے محمدی

ہیں اور یہ آیت پڑھ کر جو آپ نے اعتراض کیا ہے یہ بھی مخالف جمہور انہی لوگوں کی تحقیق کے موافق ہے کیوں حضرت! جس پیغمبر کو اپنے ہی مآل کار کی خبر نہیں پھر اس کی پیروی سے کیا فائدہ۔ آپ صاحبوں ہی کے اس قسم کی تحقیقات کی ہی بدولت تو مخالفین اسلام اسلام پر سیکڑوں اعتراضات ناشائستہ کر ہی رہے ہیں۔

محمدی: اے صاحب کچھ بھی سہی۔ مگر اس تفسیر میں انھوں نے فقط حدیثیں ہی حدیثیں لکھی ہیں۔ چنانچہ نام اس کا حدیث التفاسیر ہے کیا ان کے لکھے سے حدیثیں بھی قابل اعتبار نہیں رہیں۔ اور جو آیت میں نے پڑھی ہے اس میں تو ان کی تحقیقات کا بجز ترجمہ آیت کے ایک حرف بھی نہیں بیان کیا۔ پھر اگر نفس ترجمہ پر مخالفین اعتراض کریں تو کرو۔ قرآن تو نہیں بدلا جاتا۔

مقلد: مولوی صاحب۔ ماشاء اللہ آپ بڑے سیدھے آدمی ہیں۔ کیا حدیث التفاسیر نام رکھنے سے جو کچھ اپنی طرف سے انھوں نے لکھا ہے وہ بھی حدیث ہی ہو جائے گا۔ ذرا انصاف سے آپ یہ فرمادیں کہ یہ مضمون صفحہ ۱۴۱ کا جو آپ نے اس تفسیر سے کہوایا کونسی آیت وحدیث کا مضمون ہے۔ حضرت من! حافظ اسمٰعیل صاحب محمدی غیر مقلد بن مولوی عبد الغفار صاحب ولایتی نام نہاد کے یہاں سے جو ہمارے محلہ ہی میں رہتے ہیں اور باہر مولوی مشہور ہیں میں نے بھی اس تفسیر کو منگوا کر دیکھا تھا اس میں وہ آیت جس کی تفسیر میں مولوی حمید اللہ صاحب نے یہ مضمون لکھا ہے وہ تو یہ ہے ان اللہ عندہ علم الساعۃ و ینزل الغیث و یعلم ما فی الارحام وما تدری نفس ماذا تکسب غداً و ما تدری نفس بای ارض تموت۔ جس کا ترجمہ اسی قرآن میں جس کے حاشیہ پر یہ تفسیر ہے یہ لکھا ہے کہ اللہ جو ہے اس پاس ہے قیامت کی خبر اور اتارتا ہے مینہ اور جانتا ہے جو ہے ماں کے پیٹ میں اور کوئی جی نہیں جانتا کہ کیا کرے گا کل اور کوئی جی نہیں

جانتا کہ کس زمین میں مرے گا۔ اور فقط اس کی تفسیر میں یہ ایک حدیث مشکوۃ کا ترجمہ لکھا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ جو کوئی یہ دعویٰ کرے کہ محمد ﷺ ان پانچ چیزوں کی خبر رکھتے ہیں اس شخص نے بڑا افترا یعنی بہتان باندھا۔ اب آپ ہی غور فرمالیں کہ بموجب ظاہر معنی اس آیت اور حدیث کے جتنی غیب کی خبریں رسول اللہ ﷺ نے مثل نکلنے دجال اور دابۃ الارض اور آفتاب کی جانب مغرب سے اور علاوہ اس کے سینکڑوں خبریں بیان فرمائی ہیں سب ہی غلط ہوئی جاتی ہیں اور آپ کو یہ بھی کہنا درست نہیں کہ اس کام کو ہم کل کریں گے اور کل فلاں شخص دہلی یا قندہار سے آئیں گے ان کا خط آگیا ہے اور مجھ کو وہاں جا کر فلاں کام کرنا ہے لہذا تمام مفسروں محدثوں نے اس قسم کی آیت حدیثوں کے یہی معنی کئے ہیں[۱] کہ بغیر کسی سبب الہام اور وحی وغیرہ کے بغیر اللہ کے معلوم کرائے بذاتہ جو کوئی کہے کہ رسول مقبول ﷺ ان پانچ باتوں کی خبر رکھتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس نے بڑا بہتان باندھا ورنہ بہت آیت حدیثوں سے ثابت ہے کہ اللہ نے اپنے حبیب کو جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ ہوگا اور ہو چکا سبھی کا علم عطا فرما دیا تھا۔ چنانچہ اللہ جلشانہ اپنے حبیب کو ارشاد فرماتا ہے وانزل علیک الکتاب والحکمۃ وعلمک مالم تکن تعلم یعنی اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت کو نازل فرمایا اور جو کچھ آپ نہیں جانتے تھے وہ آپ کو سکھا دیا۔ اور ظاہر ہے کہ ازل سے ابد تک جو کچھ ہوا اور ہوگا بغیر اللہ کے

[۱] اور اس مضمون کو بہت تفصیل کے ساتھ معہ کیفیت اس قسم کی آیت حدیثوں کی اور بہت سی ان آیت حدیثوں کی جو آپ کے عالم ماکان و مایکون ہونے پر دال ہیں میں نے اپنے رسالہ علم الھدیٰ فی علم خاتم الانبیاء میں بیان کیا ہے۔

سکھائے آپ کچھ بھی نہیں جانتے تھے اور جب عموماً فرما دیا کہ جو کچھ تم نہیں جانتے تھے وہ سب ہم نے تم کو سکھا دیا۔ تو معلوم ہوا کہ سب ہی باتوں کا علم ازل سے ابد تک اللہ نے حضور ﷺ کو سکھا دیا۔ چنانچہ بوجہ عام ہونے لفظ ما کے صاحب تفسیر حر الحقائق وغیرہ معتبرین تحریر فرماتے ہیں وعلمک مالم تکن تعلم آن علم ماکان [۲] ومایکون است کہ حق سبحانہ در شب اسریٰ بداں حضرت ﷺ عطا فرمود چنانچہ در حدیث معراجیہ آمدہ است فعلمت ماکان وما سیکون۔ یعنی سکھایا گیا میں جو کچھ ہوا اور ہوگا۔ اور اس مضمون کی صحیح حدیثیں بہت مروی ہیں۔ بخاری شریف میں ہے۔

عن عمر رضی اللہ عنہ قال قام فینا رسول اللہ ﷺ مقاماً فاخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل اھل الجنۃ منازلھم واھل النار منازلھم حفظ ذالک من حفظہ و نسی من نسیہ۔

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ایک جگہ ہمارے درمیان رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر شروع پیدائش سے جنت اور دوزخ میں داخل ہونے تک کے تمام واقعات کی خبر بیان فرما دی وہ خبریں جس کے یاد رہ گئیں رہ گئیں جو بھول گیا بھول گیا۔

ملا علی قاری علیہ الرحمۃ مرقات میں اس حدیث کی شرح میں علامہ طیبی اور علامہ عسقلانی سے نقل فرماتے ہیں کہ

ماحصل اس حدیث کا یہ ہوا کہ شروع پیدائش سے آخرت تک کے واقعات تمام مخلوق کے حضور ﷺ نے بیان فرما دیئے اور سب باتوں کا ایک جگہ بیان کر دینا یہ بہت بڑا معجزہ ہے اور اسی مضمون کی حدیثیں مشکوۃ اور مسلم شریف میں بہت ہیں

[۲] یعنی جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہوگا۔ ۱۲ منہ

اور مسند امام احمد میں دوسندوں معتبر سے اور شفا قاضی عیاض میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

انه قال لقدترکنا محمد صلی اللہ علیه وسلم و ما یحرک طائر جنا حیه فی السماء الا اذکرنا منه علماء

یعنی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اس حالت میں ہم کو چھوڑ کر تشریف لے گئے کہ آپ کا یہ حال تھا کہ اگر آسمان میں کوئی پرندہ پر مارتا تو اس کا بھی علم ہم سے بیان فرمادیتے تھے۔

لہذا امام بغوی امام رازی صاحب تفسیر روح البیان وغیرہ محققین مفسرین رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنی تفسیروں میں تحریر فرماتے ہیں کہ آیہ کریمہ **ما ادری ما یفعل بی ولابکم** اور اس قسم کی تمام آیت حدیثیں اس زمانے کے ساتھ مخصوص ہیں کہ جب تک حضور کو علم تمام ماکان و مایکون کا عطا نہیں کیا گیا تھا۔ ورنہ پھر جب تمام ماکان ومایکون کا علم عطا فرمادیا آپ کا تو ذکر ہی کیا کرنا ہے آپ کے تمام غلاموں کے مآل کار کی نسبت بھی یہ ارشاد فرمادیا کہ

بشر المومنین بان لهم من اللہ فضلاً کبیراً ۔یعنی بشارت پہنچادو تم اے ہمارے حبیب اس بات کی کہ مومنوں کے واسطے اللہ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے **لیدخل المومنین والمومنات جنات تجری من تحتها الانهار خالدین فیها و یکفر عنهم سیاتهم و کان ذلک عند اللہ فوزاً عظیماً۔**

یعنی تو کہ داخل کرے اللہ مومن مرد اور عورتوں کو جنتوں میں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ہمیشہ رہیں گے وہ ان میں اور کفارہ کردے ان سے گناہوں ان

کے کا اور ہے یہ نزدیک اللہ کے بہت بڑی رسائی۔

چنانچہ حضرت انس اور قتادہ اور حسن اور عکرمہ رضی اللہ عنہم کا تو یہی قول ہے کہ آیہ کریمہ **ما ادری ما یفعل بی** اس آیت کے ساتھ منسوخ ہوگئی۔ اور یہاں سے اس قول کی گمراہی بھی معلوم ہوگئی جو بعض کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہمیں کیا معلوم کہ خواجہ صاحب بڑے پیر صاحب ایمان پر ہی مرے بلکہ ہم جوان کو بزرگ جانتے ہیں تو یہ ہمارا حسن ظن ہے اس واسطے کہ جن کا انتقال کلمہ پر ہوا ان کے ایمان پر مرنے میں کیا کلام ہے اور جب مرتے دم ادھر سے بے ہوشی ہو جائے اس وقت کے کفر اور ایمان کا اعتبار نہیں اس وقت تو کافر بھی ایمان لے آتا ہے۔

چنانچہ **لم یک ینفعهم ایمانهم** کی تفسیر میں علامہ رازی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں

انه الوقت الذی یعاین فیه نزول ملائکة الرحمة والعذاب لان فی ذالک الوقت یصیر المرء ملجاء الی الایمان فذالک الایمان لا ینفع انما ینفع مع القدرة علی خلافه حتی یکون المر مختارا اما اذان عاینوا علامات الاخرة فلاً۔

یعنی یہ جو آیت میں ہے کہ وقت دیکھنے ہمارے خوف کے ان کو ایمان کچھ نفع نہ دے گا۔ اس سے مراد وہ وقت ہے جب جان کنی کی حالت میں عذاب کے فرشتوں کو دیکھ کر ایمان لے آئے اس واسطے کہ اس وقت تو ایمان لانے پر آدمی مجبور ہوتا ہے۔ اعتبار اس وقت کا ہے جس وقت ایمان لانے اور کافر رہنے پر قدرت اور اختیار رکھتا ہو۔ چنانچہ کتب عقائد میں جو لکھا ہے کہ کافر بھی مومن اور مومن بھی کافر ہوتا۔ نعوذ باللہ منہا۔ اور اعتبار خاتمہ کا ہے۔ اس کے یہی معنی ہیں کہ اختیار اور قدرت کے وقت مرتے دم بھی مومن کفر کے کلمے کہنے لگتا ہے اور

کافر ایمان کی باتیں کرنے لگتا ہے نہ یہ کہ بے ہوشی کے بعد بھی مومن کافر اور کافر مومن ہو جاتا ہے اب رہا یہ امر کہ اولیاء اللہ کا قبر سے نکل کر سبق پڑھا دینا بعض اولیاء اللہ کا روزمرہ یا کبھی کبھی مجلس رسول اللہ ﷺ میں حاضر ہونا وغیرہ وغیرہ امور مذکورہ سوال شریعت سے ثابت ہیں یا نہیں۔ سو حضرت جب احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔

علمی بعد وفاتی کعلمی فی حیاتی رواہ الحافظ المنذری و ابن عدی فی الکامل۔

یعنی میرا علم جیسا زندگی میں تھا ویسا ہی بعد وفات کے رہے گا روایت کیا اس کو حافظ منذری اور ابن عدی نے کامل میں۔

اور ابو یعلی بذریعہ ثقہ راویوں کے حضرت انس سے نقل کرتے ہیں۔

انہ قال قال رسول اللہ ﷺ الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون۔

یعنی آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ سب نبی زندہ ہیں اپنی قبروں میں نماز پڑھتے رہتے ہیں۔

ذرا جذب القلوب اور مدارج وغیرہ معتبر کتابوں کو ملاحظہ کیجئے اور طبرانی اور سیرت محمدیہ میں ہے کہ طبرانی بروایت راویان ثقہ نقل فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

لیس من عبد یصلی علی الابلغنی صوتہ حیث کان

یعنی کوئی بندہ درود نہیں بھیجتا۔ مجھ پر مگر پہنچ جاتی ہے آواز اس کی مجھ کو جہاں کہیں بھی وہ ہو۔

اور اسی مضمون کے معاون یہ دوسری حدیث دلائل میں ہے۔

قیل لرسول اللہ ﷺ ارایت صلوۃ المصلین علیک ممن غاب

عنک و من یاتی بعدک ماحالھما عندک فقال اسمع صلوۃ اھل محبتی و اعرفھم و تعرض علی صلوۃ غیرھم عرضا۔

یعنی جب آپ سے عرض کیا گیا کہ جو آپ سے غائب ہیں اور آپ سے بعد پیدا ہوں گے ان کے درود کی کیا حالت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میری محبت والوں کے درود تو میں سنتا ہوں اور ان کو پہچانتا ہوں اور دوسروں کے درود میرے سامنے پیش کر دیئے جاتے ہیں۔

اور عام اولیاء اللہ کی شان میں یہ حدیث مشکوۃ شریف اور صحیح بخاری شریف میں موجود ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ مایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببتہ فاذا احببتہ فکنت سمعہ الذی یسمع بہ و بصرہ الذی یبصر بہ و یدہ التی یبطش بھاو رجلہ التی یمشی بھاو ان سالنی لاعطیتہ۔

یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ نے فرمایا کہ ہمیشہ نزدیکی حاصل کرتا رہتا ہے مجھ سے میرا بندہ ساتھ نوافل کے یعنی ان عبادتوں کے ساتھ جو فرض عبادت سے زائد ہیں یہاں تک کہ میں اس سے محبت رکھنے لگتا ہوں اور جب میں اس کو چاہنے لگتا ہوں تو میں اس کی وہ قوت سماعت ہو جاتا ہوں کہ جس کے ساتھ سنتا ہے اور وہ قوت بصارت ہو جاتا ہوں کہ جس کے ساتھ دیکھتا ہے اور اس کے وہ ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے پکڑتا ہے اور وہ پاؤں ہو جاتا ہوں جن سے چلتا ہے اور اگر مجھ سے مانگتا ہے بے شک اس کو دیتا ہوں۔

پھر تاویلی مطلب تو بہت کچھ شراح نے لکھے ہیں مگر واقعی مطلب اس حدیث

کا وہی ہے جو اس مرتبہ کے لوگوں نے لکھا ہے۔ مولانا روم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

اللہ اللہ گفتہ اللہ مے شود　　ایں سخن حق است باللہ مے شود

گفتہ او گفتہ اللہ بود　　گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

اور عام مومنوں کی شان میں زمین پر سیر کرنے کی نسبت بعد موت کے احیاء العلوم میں ہے۔

وقال مالک بن انس بلغنی ان ارواح المومنین مرسلة تذهب حیث شاء ت

یعنی مومنوں کی روحیں چھوٹی رہتی ہیں جہاں چاہیں وہاں جاسکتی ہیں اور معجم کبیر طبرانی اور جامع صغیر سیوطی میں ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے وہ فرماتے ہیں۔

ان للّٰہ تعالیٰ عبادا اختصهم بحوائج الناس یفزع الناس الیهم فی حوائجهم

یعنی اللہ کے بہت بندے ہیں جن کو اللہ نے لوگوں کی حاجتوں کے واسطے خاص کرلیا ہے۔ لہذا گھبرا کر لوگ ان کی طرف اپنی حاجتوں کے واسطے جاتے ہیں۔

اور حصن حصین میں مصنف ابن ابی شیبہ اور مسند بزار سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے

واذا انفلتت دابته فلینا دا عینونی عباد اللہ یعنی جب بھاگ جائے جانور کسی کا پس چاہیے کہ پکارے مدد کرو میری اے بندو خدا کے

اور اس حدیث کے اگرچہ بعض طریق ضعیف ہیں مگر کثرت طرق سے مرتبہ

حدیث حسن کو پہنچی ہوئی ہے۔ اور ترمذی شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے

کم من اشعث اغبر لو اقسم علی اللہ لابرہ

یعنی بہت لوگ ایسے ہیں کہ ظاہر میں بال بکھرے ہوئے غبار آلودہ رہتے ہیں اور مرتبہ یہ رکھتے ہیں کہ اگر اللہ کے بھروسہ پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ ان کی قسم پوری کر ہی دیتا ہے

اور منتخب کنز الاعمال میں ہے کہ حضرت عمر نے ایک شخص سے پوچھا تیرا نام کیا ہے۔ اس نے کہا جمرہ یعنی چنگاری۔ آپ نے پوچھا باپ کا کیا نام ہے۔ کہا شہاب یعنی شعلہ۔ پوچھا کس قبیلے سے کہا حرقہ سے جس کے معنی جلن کے ہیں۔ فرمایا مکان کہاں ہے۔ کہا حرۃ النار میں۔ جس کے معنی آگ کی گرمی کے ہیں۔ پوچھا وہ کہاں ہے کہا قریہ ذات لظی میں۔ یعنی اس گاؤں میں جس کا نام شعلہ والا ہے۔ آپ نے فرمایا اپنے گھر والوں کو جا کر سنبھال وہ سب جل گئے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اور اسی منتخب میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اہل کوفہ سے فرمایا تھا کہ اے اہل کوفہ تم سب میں جو بہتر ہیں وہ سات آدمی قتل کیے جائیں گے اور حجر بن الادوی معہ اپنے یاروں کے ان میں سے ہیں۔ چنانچہ آپ کی پیشین گوئی کے موافق ان کو معاویہ بن غدرا نے شہید کیا۔ خود مولوی حمید اللہ اس مضمون کے آگے جو آپ نے اپنے اعتراض میں حدیث التفاسیر سے لکھوایا ہے لکھتے ہیں کہ حضرت عمر کی آواز یا ساریۃ الجبل اثنا خطبہ میں مدینہ منورہ سے کوسوں پر آپ کے سپہ سالار کے کان میں پہنچ گئی تھی۔ پھر اس مضمون کے لکھنے کی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ کیوں لکھا ہے۔ مولوی صاحب جب بموجب قرآن مجید اور احادیث صحیحہ ثابت

ہے کہ مخالف عادت کے اولیاء اللہ سے بہت باتیں برخلاف عقل ناقص عوام کے
ہوسکتی ہیں اور اولیاء اللہ کی کرامت کا جمہور اہلسنت کے نزدیک حق ہونا ثابت ہے
پھر ایسے مضمونوں سے آپ جیسے منصفوں کا شبہ میں پڑ جانا بڑے تعجب کی بات ہے
کیا آپ نے قرآن مجید میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذکر میں نہیں پڑھا کہ
حضرت سلیمان علیہ السلام کے فرمانے سے حضرت آصف بن برخیا علیہ السلام نے
جن کا ولی ہونا متفق علیہ ہے پلک جھپکنے سے پہلے آپ کے فرماتے ہی سینکڑوں کوس
سے بطریق کرامت حضرت بلقیس کے تخت کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس
بیٹھے ہوئے لاکر حاضر کردیا۔ اور جذب القلوب میں مولانا عبدالحق محدث دہلوی
رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔ "وقصه سماع سعید بن المسیب در ایام واقعه
حره اذان از حجرئه شریفه تاسه روز که مردم مفارقت مسجد نبوی
کرده بودند مشهور است." یعنی یہ قصہ تو مشہور ہی ہے کہ ایام حرہ میں جب
بوجہ ظلم یزید لوگ مسجد نبوی کو چھوڑ کر چلے گئے تھے حضرت سعید بن المسیب جو مشہور
تابعی ہیں فرماتے ہیں کہ تین روز تک روضہ منورہ سے برابر پانچوں وقت کی اذان
کی آواز آتی تھی۔ اور مدارج النبوۃ میں بعد لکھنے بہت سی اس قسم کی روایات معتبرہ
کے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

وامام حجۃ الاسلام غزالی رحمہ اللہ در کتاب خود المنقذ من الضلال میگوید کہ
ارباب قلوب مشاہدہ میکنند در بیداری ملائک را و ارواح انبیاء او میشوند از یشاں
آواز ہا و اقتباس میکنند از یشاں انوار و استفادہ میکنند فوائد۔ و بدانکہ صاحب
مواہب بعد از نقل اقوال مشائخ در رویت شریف آنحضرت ﷺ در یقظہ بر قاعدہ
علم و اقوال علما رفتہ از شیخ بدرالدین حسن بن اہرل نقل کردہ کہ وقوع رویت شریف
در یقظہ مراو را صلی اللہ علیہ وسلم متواتر شدہ بداں اخبار و حاصل بآں علم قوی است و

منتفی است از آں شک وشبہ

یعنی اہل دل جاگنے کی حالت میں فرشتوں کو اور انبیاء کی روحوں کو دیکھتے ہیں
اور ان کی آوازیں سنتے ہیں اور ان سے بہت سے انوار اور فائدے حاصل کرتے
ہیں۔ اور صاحب مواہب لدنیہ نے بہت سے مشائخ کے قول آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی زیارت کی نسبت حالت بیداری میں نقل کر کے بہت سے عالموں کے
قولوں اور علمی قاعدہ کے موافق شیخ بدرالدین حسن ابن ارہرل سے نقل کیا ہے کہ
بیداری میں آنحضرت کی زیارت کرنے کی نسبت اس قدر خبریں منقول ہیں کہ
مرتبہ تواتر کو پہنچ گئیں اور علم یقینی حاصل ہوگیا اور کسی طرح کے شک وشبہہ کی گنجائش
نہیں رہی۔

اجی حضرت جن لوگوں نے ہمارے مولانا فضل الرحمٰن قدس سرہ اور ہمارے
حضرت سائیں توکل شاہ قدس سرہ کی کچھ بھی صحبت اٹھائی ہے ان کو یقینی طور سے
معلوم ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کی مجلس میں حاضر ہونے والے اب بھی موجود تھے
اور موجود ہیں۔ حق یہ ہے بیت۔

محرم دولت نبود ہر سرے بار مسیحا نکشد ہر خرے

لو حضرت۔ مولانا شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ جو مسلم فریقین ہیں در الثمین فی
مبشرات سید الامین میں تحریر فرماتے ہیں کہ میرے والد فرماتے تھے کہ میں نے
اپنے استاد عبداللہ قاری سے سنا کہ میں اور میرے استاد قاری زاہد ایک روز قرآن
کا دور کررہے تھے کہ آنحضرت ﷺ تشریف لے آئے اور ہمارے قرآن کو سن کر
دعا دی۔ پھر فرماتے تھے کہ میں نے اپنی ان دونوں آنکھوں سے حضور کو دیکھا اور
انوار العارفین میں تو شاہ صاحب ممدوح بعض اولیاء کے حالات میں بھی لکھتے ہیں
کہ وہ فرماتے تھے کہ تمام دنیا اس وقت ہمارے سامنے ایسی موجود ہے جیسی ہتھیلی

ہاتھ کی۔ اور دوسرے بہت سے اولیاء اللہ کے حال میں ایسے مضامین بہت سے علماء معتبر نے لکھے ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے علم کی نسبت یا امام اعظم رحمہ اللہ کے گناہوں کو تفصیل وار دیکھنے کی نسبت اور اولیاء اللہ کے چشمہ شریعت تک پہنچ جانے اور حقیقت شریعت دیکھنے کی نسبت اعتراض کرنا ایسے ہی لوگوں کا کام ہے جوان سب محدثوں بزرگواروں کو بدعتی اور مخالف قرآن وحدیث سمجھیں۔ نعوذ باللہ منہا۔ اور کیا حدیث جبرئیل میں مرتبہ احسان کا آپ نے نہیں پڑھا۔ اسی مرتبہ کو تو ولایت اور رسائی چشمہ شریعت کہتے ہیں۔ چنانچہ اسی حدیث سے ظاہر ہے کہ ظاہری نماز روزے کو اسلام کہتے ہیں اور دل سے تصدیق کرنے کو ایمان اور جب تمام اخبار اور احکام شریعت کو ایسا دیکھنے لگے جیتے آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ اس مرتبہ کا نام احسان اور متاخرین کی اصطلاح میں تصوف ہے۔ اب بھی اگر کوئی شک رہا ہو تو اور کہہ دو۔

محمدی: مولانا مجھ کو تو اب کوئی شبہ نہیں رہا اللہ آپ کو جزائے خیر دے مگر اپنے پرانے یاروں کا آدمی کو بہر نہج لحاظ ہوتا ہے۔ مصرعہ

جب آنکھیں چار ہوتی ہیں مروت آ ہی جاتی ہے۔

لہذا ایک دن کی اجازت اور طلب کرتا ہوں۔ اب تو دیکھوں ہمارے ہم مشرب مولوی کیا کہتے ہیں اور ذرا اپنے مولانا محمد فاضل کو بھی اب کی بار یہ مناظرہ سنا آؤں تاکہ پھر میری توبہ پر کسی کو دم مارنے کی گنجائش نہ رہے۔ لو جاتا ہوں۔ السلام علیکم۔

مقلد: وعلیکم السلام۔ بہتر ہے اللہ کہیں آپ کو توفیق توبہ دے اور ہم مشربوں کے لحاظ سے رہائی بخشے۔ دیکھو موت بہت قریب ہے۔ وہاں کوئی ہم مشرب کام نہیں آئے گا۔

محمدی: السلام علیکم۔ لو حضرت حاضر ہوں۔

مقلد: وعلیکم السلام۔ فرمائیے اب کیا ارادہ ہے۔ آپ کے مولوی محمد فاضل صاحب نے کیا فرمایا۔

محمدی: مولانا۔ فرمانا کیا تھا بہت خفا ہوئے بہت کچھ لن ترانیاں ہانکیں یہ بھی فرمایا کہ تو بھی بدعتی اور مشرکوں سے جاملا۔ مگر یہ سب باتیں ان کی بے سود تھیں البتہ ایک دو اعتراض آپ کی دلیل اتباع سواد اعظم پر سخت کئے ہیں۔ ان کا جواب اور دے دو۔ پھر میں تو غیر مقلدی اور طریق وہابیہ سے توبہ کئے لیتا ہوں ان کے معاملہ کو وہ جانیں۔

مقلد: فرمائیے۔ وہ کیا اعتراض ہیں۔ ہم کو آپ جیسے منصفوں کا جو سوچ سمجھ کر ان مضامین کو بنظر انصاف دیکھیں اطمینان مقصود ہے۔ معاند سے ہم کو بحث نہیں نہ اس کی ردوبدل سے غرض۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

محمدی۔ مولانا۔ اول اعتراض تو مولوی محمد فاضل صاحب کا یہ ہے کہ آپ نے تقلید اور اتباع سواد اعظم پر جو دلیل پیش کی اور پھر سواد اعظم کے متفق اور مجتمع ہونے کی وجہ سے تقلید شخصی ایک مجتہد کو ان چاروں مجتہدوں میں سے اس زمانہ والوں پر اور اپنے اوپر وجوب تقلید شخصی کو ثابت کیا۔ ان دلائل کے اور علاوہ اس کے اور جو دوسرے امور پر دلائل بیان کئے ہیں ان کے بیان کرنے میں آپ مجتہد ہیں یا مقلد۔ اگر دعویٰ اجتہاد کا ہے تو اور مسائل میں خود اجتہاد کر کے عمل کرنے سے انکار کی کیا وجہ۔ مجتہد پر تو آپ کے نزدیک بھی دوسرے مجتہد کی تقلید حرام ہے اور پھر وہ شرطیں اجتہاد کی کون کونسی ہیں جو آپ میں بہ نسبت ثبوت تقلید شخصی تو پائی جاتی ہیں اور باقی جمیع مسائل کے اعتبار سے نہیں پائی جاتیں۔ اور اگر بیان کرنے

دلائل مذکور میں آپ مقلد ہیں تو کس کے؟ اگر اسی سواد اعظم کے جس کی تقلید کے
دلائل آپ بیان کر رہے ہیں تو آپ پر دور لازم آتا ہے۔ یعنی جس سواد اعظم کی
تقلید کا ثبوت آپ نے بیان کیا وہ بیان اس بات کو چاہتا ہے کہ ثبوت سے پہلے تم
اس کے مقلد ہوتا کہ اس تقلید کے ذریعہ سے سواد اعظم کی تقلید کا ثبوت دو۔ اور یہ
امر ہر عاقل کے نزدیک باطل ہے۔ یا یوں کہو کہ اس زمانہ کے سواد اعظم کی دلیل
تقلید وہی دلیل ہے جو اس زمانہ سے پہلے زمانہ کے سواد اعظم کی دلیل تقلید تھی پھر
جب اس سے پہلی سواد اعظم کی تقلید کی دلیل پوچھی جائے گی تو کہو گے اس سے
پہلے سواد اعظم کی جو دلیل تقلید تھی تو یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا اور آپ مبتلائے بلائے
تسلسل ہو جائیں گے اور پھر یہ بھی آپ کو بتانا ضرور ہوگا کہ یہ دلیل اول سواد اعظم
کی آپ تک کس ذریعہ سے پہنچی اور کون کونسی کتابوں میں اب تک منقول ہوتی چلی
آئی۔

اور اعتراض دوم یہ ہے کہ وجوب تقلید شخصی جس سواد اعظم کے اجماع اور
اتفاق کی وجہ سے آپ نے ثابت کیا ہے اس سواد اعظم سے اگر انہیں آج کل کے
عوام اور خواص مسلمانوں کی جماعت مراد ہے تو امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ کے نزدیک
یہ اجماع قابل حجت نہیں اس واسطے کہ امام اعظم رحمتہ اللہ کے نزدیک اہل اجماع
مجتہد ہوتے ہیں اور آپ فرما ہی چکے کہ سنہ چار سو کے بعد مجتہد مستقل کا ہونا بالکل
موقوف ہو گیا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ کہ اکثر کتب فقہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ
اب وہ مقلد جو مجتہد فی المذہب یا مجتہد منتسب ہو وہ بھی نہیں ہوتے پھر آج کل
کے عوام وخواص کے اجماع سے حنفیوں کے نزدیک ثبوت وجوب تقلید کا کس طرح
ہو سکتا ہے۔ اور اگر سواد اعظم سے مجتہدین فی المذہب کے سواد اعظم مراد ہے تو
باعتبار لفظ سواد اعظم کے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بڑی جماعت مجتہدوں کی اس پر

متفق ہو جائے گو چھوٹی جماعت مجتہدوں کی اس کی مخالفت کرتی رہے۔ حالانکہ
امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک اجماع کے واسطے ایک زمانہ کے تمام مجتہدوں کا
اتفاق شرط ہے اور تقلید کے معاملہ میں تو اگر آپ کتابوں کو ملاحظہ فرمائیں گے تمام
مراتب کے مجتہدوں کی بڑی جماعت کے نہ چھوٹی کے مختلف اقوال پائیں گے۔
انتہی۔

مقلد: مولوی صاحب کیا آپ کے مولانا محمد فاضل صاحب معقولی بھی
ہیں؟ اکثر محمدیوں سے ہم تو یہی سنتے تھے کہ تمام علوم صرف۔ نحو۔ منطق۔ ہیئت۔
فلسفہ وغیرہ بجز علم قرآن وحدیث کے بدعت ہیں۔ مگر خیر الحمد للہ۔ آج معلوم ہو گیا
کہ آپ کے مولانا محمد فاضل استاد کل منطقیوں کے قواعد کے تو مقلد ہیں گو تقلید
مجتہدین دین سے انکار رکھتے ہیں۔ چونکہ یہ بات آپ کے سوچنے کے قابل تھی
اس واسطے منہ سے نکل گئی۔ اب اصل مدعا کی طرف متوجہ ہوں اور سنئے مولوی
صاحب کیا تمام قرآن وحدیث کی سمجھ آپ کے مولانا کے نزدیک اجتہاد اور تقلید
شخصی ہی میں منحصر ہے کیا آپ نہیں جانتے کہ بعض آیات کلام اللہ ایسی بھی ہیں جن
کے سمجھنے میں نہ کسی کی تقلید کی ضرورت ہے نہ اجتہاد کی حاجت کیا اقیموا الصلوۃ
واتوا الزکوۃ۔ کتب علیکم الصیام وغیرہ آیات سے جو نماز پڑھنے زکوۃ
دینے اور روزہ رکھنے کا حکم ثابت ہوتا ہے۔ ان حکموں کو قرآن سے ہر ترجمہ خوان
یا زباندان عربی نہیں سمجھ سکتا۔ علی ہذا لولا فضل اللہ علیکم و رحمتہ لا
تبعتم الشیطان الا قلیلاً کے نفس ترجمہ سے کیا یہ بات ہر اک سمجھدار آدمی نہیں
سمجھ لیتا کہ اللہ تعالیٰ یوں ارشاد فرماتا ہے کہ اے امت محمد رسول اللہ اگر اللہ کا فضل
اور رحمت تم پر نہ ہوتا تو تم سب شیطان کے پیرو ہو جاتے مگر تھوڑے سے کہ جو بغیر
اس فضل ورحمت کے بھی پہلے ہی سے شیطان کی پیروی سے بچے ہوئے تھے۔ مثل

ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہ کے قرآن کے نازل ہونے اور اسلام کے ظاہر ہونے
سے پہلے ہی رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے ہوئے اور شیطان کی پیروی سے بچے
ہوئے تھے۔ مگر جب یہ فضل اور رحمت یعنی نزول قرآن اور ظہور اسلام اور ہونا
علماء اور مجتہدین کا تم میں سے کہ جو فضل و رحمت سے بموجب سیاق آیت اس مقام
پر مراد ہے تمھارا شامل حال ہوگیا تم سب شیطان کی پیروی سے بچ گئے اور شیطان
کے پیرو تم میں تھوڑے رہ گئے۔ چنانچہ تمام مفسرین معتبرین نے بھی ایسا ہی لکھا ہے
اور انہیں معنوں کو بموجب قواعد عربیت مختار رکھا ہے۔ اور اکثر احادیث صحیحہ سے
بھی کہ جن کو باعتبار معنی کے مشہور یا متواتر کہہ سکتے ہیں۔ یہی مضمون ثابت ہوتا
ہے کہ اطاعت اللہ اور رسول اللہ کی اہل اسلام کی بڑی جماعت ہی کی پیروی میں
منحصر ہے اور تھوڑے سے گروہ کی پیروی میں بمقابلہ سواد اعظم استحقاق دوزخ
میں پھینکے جانے کا ہو جاتا ہے۔ اسی واسطے جب حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری
امت کے تہتر فرقوں میں سے بجز ایک فرقہ کے سب جہنمی ہوں گے۔ اور صحابہ نے
عرض کیا کہ وہ فرقہ کونسا ہوگا جیسے بعض روایات میں آیا ہے کہ بجواب اس کے آپ
نے فرمایا کہ وہ فرقہ میری اور میرے اصحاب کی پیروی کرنے والا ہوگا۔ اکثر
روایتوں میں کہ جن کو باعتبار کثرت طرق کے متواتر المعنی کہہ سکتے ہیں یہ بھی وارد
ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا وہ فرقہ بڑی جماعت اہل اسلام کا پیرو ہوگا چنانچہ تقریباً
چالیس طریقوں سے تو اس مضمون کی حدیثوں کو ہم نے اپنے رسالہ مختصر الممیز ان
ہی میں نقل کیا ہے۔ اب جب آپ پر یہ بات خوب ثابت ہوگئی کہ قرآن اور
حدیث کے تمام مضامین کی سمجھ اور پیروی اجتہاد یا تقلید شخصی ان دو ہی صورتوں میں
منحصر نہیں تو فرمائیے کہ آپ کے مولانا کا سوال لغو رہا یا نہیں اور جب ہم نے یہ
بات نفس ترجمہ اور محاورہ سے ظاہر دکھادی کہ جو دلیل اتباع سواد اعظم کی ہم نے

بیان کی ہے وہ بھی ایسی ہی ہے۔ پھر انصاف سے کہئے کہ آپ کے مولانا کا
اعتراض بیخ و بن سے کٹ گیا یا نہیں۔ اور جب آپ بلکہ ہر کس و ناکس اس بات کو
جانتے ہیں کہ یہ آیت قرآن مجید میں موجود ہے اور اس مضمون کی حدیثیں تمام
حدیث کی کتابوں میں موجود پھر مولانا محمد فاضل کا پوچھنا کہ یہ دلیل آپ تک کن
کن کتابوں کے ذریعہ سے پہنچی۔ تمھیں خدا کی قسم ذرا سچ تو کہو کہ مولانا پر یہی مثل
صادق کرنا ہے یا نہیں کہ "پڑھے نہ لکھے نام محمد فاضل"۔ اور جب اتنے بڑے
مولانا کا یہ حال ہے تو اور نائی۔ دھوبی۔ انگریز۔ کمنگر۔ دھنئے۔ جولاہے۔ جو
دوکانوں پر غیر مقلدوں کے مولوی بنے بیٹھے ہیں ان کا کیا حال ہوگا۔ علیٰ ہذا
القیاس مولوی صاحب آپ کے مولانا کا اعتراض دوئم بھی ایسا ہی ہے کیوں
حضرت! جب آپ اور ہم بقول مولانا شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ وغیرہ علماء معتبر کے
یہ مان چکے کہ ۲۰۰ھ کے بعد تمام امت تقلید شخصی پر مجتمع ہوگئی اور اجماع کے اہل بھی
اسی وقت کے مجتہدین فی المذہب تھے اور یہ بھی مان چکے کہ ان چاروں اماموں
ہی کے چار مذہب اور انہیں میں سے کسی ایک کی تقلید پر مجتمع ہونے کی خبریں
بطریق شہرت یا متواتر ہم تک پہنچتی چلی آتی ہیں۔ اور جو مختلف روایتیں حرمت اور
علت اور وجوب اور استحباب تقلید کے ائمہ مجتہدین سے منقول ہیں وہ باعتبار مختلف
قسم کے لوگوں کے ہیں۔ مثلاً باعتبار مجتہدین مطلق کے حرمت کی روایتیں ہیں۔
اور بہ نسبت مجتہدین فی المذہب کے استحباب کی روایتیں ہیں اور غیر مجتہدوں کی
نسبت بوجہ اجماع سواد اعظم وجوب کی روایتیں تو اب آپ ہی فرما دیں کہ ان
سارے مضامین کو سن کر تسلیم کرنے کے بعد مولانا محمد فاضل کا یہ اعتراض کہ سواد
اعظم سے آپ کی کیا مراد ہے محض سمع خراشی اور مغالطہ دہی ہے یا کچھ اور۔ ہاں یہ
بات ان کی قابل سماعت ہے کہ امام کے نزدیک ایک زمانہ کے تمام مجتہدوں کا

اجماع قابل حجت ہے اور تمھاری دلیل سے ایک زمانہ کے مجتہدوں کی بڑی جماعت کے اجماع کا حجت ہونا مفہوم ہوتا ہے سو اگر کتب اصول کو آپ ملاحظہ فرما لیتے تو ان کے اس اعتراض کی طرف آپ ہی توجہ نہ فرماتے ۔ کیوں حضرت جب سواد اعظم کی مخالفت موجب دخول دوزخ ہے تو کیا وہ مجتہد جو مجتہدوں کی بڑی جماعت کی مخالفت کریں قابل اعتبار ہو سکتے ہیں؟ اسی واسطے کتب اصول میں لکھا ہے کہ مراد تمام مجتہدوں سے مجتہدین صالح ہیں ۔ دیکھو منار میں ہے ۔

و اهل الاجماع من كان مجتهدا صالحا

اور دائر الوصول میں ہے

واهل الاجماع من كان مجتهد اليس فيه هواً اى بدعة و لا فسق ظاهر ۔ انتہی ۔ اور یہی مضمون دوسری تمام کتب اصول کا ہے ۔ علاوہ بریں اگر ہم مان بھی لیں کہ کل قرآن مجید اور تمام احادیث کی سمجھ فقط انہی دو طریق اجتہاد اور تقلید ہی میں منحصر ہے جب بھی ان خرابیوں کی لوث سے جو آپ کے مولانا نے اپنے زعم میں ہم پر وارد کی ہیں ہمارا دامن تقریر بالکل پاک ہے ۔ کیا آپ کے مولانا کے نزدیک یہ بات محال ہے کہ ایک شخص کل مسائل کے اعتبار سے نہیں تو بعض مسائل کے اعتبار سے بھی ان اجتہاد کی شرطوں کو جو اس زمانہ کے لائق صاحب تلویح تحریر فرماتے ہیں ۔ حاصل نہ کر سکے اور اس زمانہ کے عام عالموں کے اعتبار سے مجتہد کہلایا جائے اور بوجہ پابندی کسی مجتہد کے مجتہدین سلف سے تمام اصول اور فروع میں مقلد بھی رہے ۔ حضرت من اس زمانہ میں سب سے زیادہ منزل دشوار گزار معاملہ اجتہاد میں حدیث کے راویوں کے حالات کی تحقیقات ہے کہ جو بوجہ دور دراز گزر جانے زمانہ کے بغیر تقلید کرنے ان کتابوں کے جن میں راویوں کے حالات درج ہیں غیر ممکن ہے ۔ سو اس کی نسبت باب الاجتہاد تلویح

میں علامہ تفتازانی رحمہ اللہ اس طرح تحریر فرماتے ہیں ۔

الثانى السنة قدر ما يتعلق بالاحكام بان يعرفها بمتنها و هو نفس الحديث و سندها و هو طريق وصولها الينا من تواتر او شهرة او احاد و من ذالك معرفة حال الرواة والجرح والتعديل الا ان البحث عن حال الرواة فى زماننا هذا كا المتعذر لطول المدة و كثرة الوسائط فالاولى الاكتفاء بتعديل الائمة الموثوق بهم فى علم الحديث كا لبخارى و السلم و البغوى و اصنعانى و غيرهم من ائمة الحديث الخ ۔

یعنی دوسری شرط اجتہاد کی یہ ہے کہ مجتہد اس قدر حدیثوں کو ضرور حاصل کر لے جو حکموں کے متعلق ہیں مع ان کے متن اور سند کے اس طرح پر کہ یہ متواتر ہے یہ مشہور ہے یہ احاد ہے ۔ اور سند کے جاننے میں سند کے سب راویوں کے حالات کا پہچاننا بھی ضروری ہے تا کہ جس کو معتبر سمجھے اس کی حدیث پر اعتماد کرے ۔ جس میں کلام ہو اس کو غیر معتبر سمجھے مگر ہمارے اس زمانہ میں راویوں کے حالات سے بحث کرنا تو مثل امر متعذر اور غیر ممکن کے ہو گیا ۔ سبب درازی زمانہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کثرت سے ہو جانے ان واسطوں کے جن کے واسطے سے حدیثیں ہم تک پہنچ سکتی ہیں اس واسطے اولیٰ یہ ہے کہ اس زمانہ کے اعتبار سے اجتہاد کی شرطوں میں جو حدیث دانی کی شرط ہے اس میں اتنی ہی بات پر کفایت کی جائے کہ جس قدر حدیثیں احکام کے متعلق ہیں ان کو ان اماموں کی تقلید سے جانتا ہو جو کہ علم حدیث میں معتبر سمجھے گئے ہیں جیسے امام بخاری امام مسلم امام صنعانی امام بغوی وغیرہم رحمہ اللہ جس کو یہ صحیح اور معتبر کہیں ان کو صحیح سمجھ لے اور جن میں وہ کلام کر گئے ہیں ان کو اسی مقدار پر ضعیف مان لے ۔ جن راویوں کو وہ جیسا کچھ لکھ گئے ہیں ان کو ان کی تقلید سے ویسا ہی سمجھ لے ۔ چنانچہ اس مرتبہ کے مجتہد عالم اب بھی

بہت نہیں تو کچھ نہ کچھ تو موجود ہیں۔ گو تمام احکام کے اعتبار سے یہ قوت بھی پوری
نہ رکھیں مگر بعض احکام کے اعتبار سے اس قدر قوت والوں کا اب تک موجود ہونا
ظاہر ہے۔ اور کیا عجب ہے کہ ایسے لوگ قرب قیامت تک باقی رہیں۔ مگر یہ لوگ
چونکہ اصول اور فروع میں اپنے مذہب کے مجتہد مستقل اور مجتہدین منتسب کی
مخالفت نہیں کر سکتے بسبب جاننے اس امر کے یقینی طور سے کہ جو مرتبہ تحقیق حدیث
کا ان مجتہدوں کو حاصل تھا یہ ائمہ حدیث اس مرتبہ کو نہیں پہنچے علاوہ بریں وہ مجتہد
اور فقیہ بھی تھے اور یہ فقط محدث ہیں بلکہ حدیث میں بھی انہیں اماموں میں سے کسی
کے شاگرد یا ان کے شاگردوں کے شاگرد اور انہیں چاروں اماموں میں سے کسی
ایک امام کے مقلد۔ چنانچہ یہ امر جواب نمبر۶ سے ظاہر ہے۔ اور شجرہ امام کے
استاد اور شاگردوں کا جو اس رسالہ میں آگے آئے گا۔ دیکھو۔ اس سے خوب ظاہر
ہو جائے گا۔ غالباً اسی وجہ سے مولانا شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ نے ان کو بھی مجتہدین
منتسبین میں شمار کر لیا ہے۔ اور رسالہ انصاف میں تحریر فرماتے ہیں

الاجتهاد نوعان مستقل و قد فقد من راس اربع مائة فلم يكن
وجوده و منتسب و هو باق الى ان تاتى اشراط الساعة الكبرى و لا
يجوز انقطاعه لانه فرض كفاية و متى قصر اهل عصر حتى تركوه
اثمو كلهم كما صرح به الاصحاب منهم الماوردى فى الحاوى
والرويانى فى البحر والبغوى فى التهذيب۔

یعنی امام ماوردی حاوی میں اور امام رویانی بحر میں اور امام بغوی تہذیب
میں تصریح فرماتے ہیں کہ اجتہاد کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اجتہاد مستقل جو شروع
صدی چہارم سے بالکل نیست و نابود ہو گیا۔ اور دوسرا اجتہاد منتسب جو قیامت کی
بڑی نشانیاں ظاہر ہونے تک باقی رہے گا۔ اور چونکہ وہ فرض کفایہ ہے اس کا نابود

ہونا ناجائز ہے۔ اور اگر کسی زمانہ والے اس کو بالکل چھوڑ دیں تو سب گنہگار رہیں
گے۔ ورنہ جمہور محققین متقدمین کی تحقیق سے ظاہر ہے کہ اب وہ مجتہد منتسب تو
نہیں رہے جو خود راویوں کے حالات سے بحث کرتے تھے اور جس کسی واقعہ میں
اپنے مجتہد مستقل یا مجتہد فی المذہب سے تصریح نہیں پاتے اس کو قرآن اور حدیث
سے تحقیق کر کے بلا تقلید خود بھی استنباط کر لیتے تھے۔ چنانچہ یہ امر بوجہ متعذر ہو
جانے تحقیق اسماء رجال اور جرح اور قدح رجال میں بلا تقلید کتب اسماء رجال
وغیرہ خود ہر سمجھدار پر ظاہر ہے اسی واسطے محقق ابن کمال باشا کی تحقیق کے حوالہ سے
صاحب شامی درمختار کی اس عبارت کی شرح میں وذكروا ان المجتهد
المطلق قد فقدو اما المقيد فعلى سبع مراتب۔ یعنی فقہا نے لکھا ہے کہ مجتہد
مطلق تو اس زمانے میں مفقود ہو گئے اور مجتہد مقید جو پائے جاتے ہیں وہ مختلف
سات مرتبوں مشہور میں سے ہوتے ہیں'' تو صاف صاف بیان فرماتے ہیں کہ
سات مرتبے جب پورے ہوتے ہیں تب مجتہد مستقل اور جو مقلد محض ہیں ان کو بھی
مجتہد مقید یعنی منتسب مان لیا جائے چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔

قولہ۔ ''واما المقيد فيه امران الاول ان المجتهد المطلق احد
السبعة والثانى ان بعض السبعة ليسوا مجتهدين. '' یعنی یہ جو درمختار میں
ہے کہ مقید سات مرتبوں پر منقسم ہیں۔ اس میں دو باتیں ہیں۔ اول یہ کہ مجتہد مطلق
کو بھی سات قسموں میں گن لیا جائے۔ دوم یہ کہ بعض مرتبوں کے مجتہد ان میں سے
واقع میں مجتہد نہ مانے جائیں۔

اور اگر فرض کیا جائے کہ اب زمانہ محض مقلدوں کا ہے اور صاحب تلویح کی
تحریر کے موافق بھی اب کوئی صاحب اجتہاد باقی نہیں رہا تو کیا ہم نہیں کہہ سکتے کہ
جیسے اور احکام کے ماننے میں بموجب تحقیق کسی ایک امام کے ان چاروں اماموں

میں سے ہم اپنے زمانے کے سواد اعظم کے مقلد ہیں۔ اسی طرح دلیل اتباع سواد اعظم کے بیان کرنے میں بھی اسی سواد اعظم کے مقلد ہیں۔ اور یہ سواد اعظم اپنے سے پہلی سواد اعظم کی مقلد ہے۔ علی ہذا۔ یہاں تک کہ یہ تسلسل ان ۲۰۰ھ کے بعد والے مجتہدین فی المذہب پر جا کر ختم ہو جائے جنھوں نے تقلید شخصی پر اتفاق کیا تھا۔ اور پھر اتباع سواد اعظم کی دلیل سے ہر غیر مجتہد پر حکم وجوب تقلید ثابت کیا تھا۔ جب یہ تسلسل منقطع ہو گیا فرمایئے کونسی خرابی باقی رہی۔ محال تو وہ تسلسل ہے جو امور واقعیہ میں کسی درجہ تک کبھی ختم ہی نہ ہو۔ علیٰ ہذا کیا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ جس سواد اعظم کی تقلید سے ہم یہ دلائل بیان کر رہے ہیں وہ سواد اعظم اور ہے اور جس سواد اعظم کی تقلید کا ثبوت بیان کیا گیا ہے وہ سواد اعظم اور ہے۔ اب فرمایئے دور کہاں لازم آیا۔ دور تو جب لازم آتا کہ دونوں سواد اعظم ایک ہی مان لی جاتیں۔ حضرت وہ سواد اعظم جس کی تقلید سے اس آیت مذکورہ کو فرمان خدا اور احادیث مذکورہ احادیث رسول اللہ ﷺ ہم نے مانا ہے وہ عام مسلمانوں کی سواد اعظم ہے یا تمام محدثوں کی سواد اعظم۔ اور جس سواد اعظم کی تقلید کا ثبوت دیا گیا ہے وہ سواد اعظم مقلدین کی ہے یا ان منتسب مجتہدوں کی اور ان کے زمانہ والے مسلمانوں کی جنھوں نے بعد ۲۰۰ھ کے تقلید شخصی پر اجماع کیا تھا۔

محمدی: مولانا اب مجھ کو تو خوب معلوم ہو گیا کہ جیسے ان کے سب معاملات ظاہر میں اچھے معلوم ہوتے ہیں اور باطن میں دیکھو تو اللہ ہی اللہ یاد آتا ہے۔ علی ہذا ان کی دلیلوں اور اعتراضوں کی بھی یہی کیفیت ہے کہ ظاہر میں ہر دلیل بہت مضبوط اور گہری معلوم ہوتی ہے اور جب تحقیق کیا جاتا ہے تو محض ملمع ہی ہوتا ہے اور بجز زبانی قال اللہ قال الرسول ان کے باطن میں قال اللہ کا کچھ بھی پتہ نہیں لگتا۔

مقلد: بے شک اس میں ذرا شک نہیں۔ کیا آپ نے بخاری کی اس حدیث صحیح کو نہیں دیکھا۔

عن ابی سلمة و عطاء بن یسار انهما اتیا ابا سعید الخدری فسالاه عن الحروریة اسمعت النبی ﷺ قال مامادری مالحروریة سمعت النبی ﷺ یقول یخرج فی هذه الامة ولم یقل منها قوم تحقرون صلوتکم مع صلوتهم یقرون القرآن لا یجاوز حلوقهم و حناجرهم یمرقون من الدین کمر والیهم من الرمیة فینظر الرائی الی نصله الی رصافهٖ فیتماری فی الفوقة هل علق بها من الدشی۔

یعنی حضرت ابوسلمہ اور عطا رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان دونوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آ کر پوچھا کہ آپ نے حروریہ یعنی خارجیوں کے معاملہ میں بھی کچھ آنحضرت ﷺ سے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ حروریہ کون ہیں میں نے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا سنا ہے کہ فرماتے تھے۔ کہ اس امت میں ایک قوم ایسی ظاہر ہو گی۔ یوں نہیں فرمایا اس امت سے ایک قوم نکل جائے گی کہ ان کی نمازوں کے سامنے تم اپنی نمازوں کو حقیر سمجھو گے۔ قرآن بہت پڑھیں گے مگر ان کے گلوں سے نیچے نہیں اترے گا دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے پار نکل جاتا ہے پھر دیکھنے والا کبھی اس کی بہال کو کبھی بندش کو دیکھتا ہے پھر سوفا پر آ کر شبہہ کرتا ہے کہ شاید یہاں کچھ خون لگا ہے

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کچھ خارجیوں پر موقوف نہیں۔ حضور ﷺ نے تو مطلقاً فرمایا ہے جس میں یہ نشانی پائی جائے وہی بے دین ہے۔

محمدی:۔ مولانا خیر میری تو توبہ ہے۔ انشاء اللہ اب کبھی ان کے دم میں نہیں آنے کا۔ میں آج سے ہی حنفی ہوں۔ اور اللہ سے دعا ہے کہ مرتے دم تک حنفی ہی رکھے۔ مگر یہ لوگ اکثر ہماری مسجد میں آ جاتے ہیں۔ اور آنے سے یکدم منع کرنا بھی خلاف مروت ہے اگر وہ ہماری برابر ہماری جماعت میں شریک ہو جائیں تو کچھ ہماری نماز میں تو ان کی شرکت سے نقصان پیدا نہ ہوگا۔ بہر نہج آمین بالجہر اور فاتحہ خلف الامام میں وہ ہم سے مخالف ہیں۔ مگر یہ امور شافعی بھی کرتے ہیں اور آپ فرما ہی چکے کہ ہم چاروں مذہب کے مقلد باہم شیر وشکر ہیں۔ اور اگر وہ کبھی پہلے سے آ کر جماعت شروع کر دیں تو ان کے پیچھے نماز پڑھ لوں یا نہیں شافعی۔ مالکی امام کے پیچھے تو حنفی کو نماز پڑھنا کتب فقہ میں جائز لکھا ہے۔

مقلد: مولوی صاحب باوجود اتنی مفصل بحث کے اب بھی آپ یہی پوچھتے رہے کیا سوال و جواب نمبر دس سے آپ پر یہ ظاہر نہیں ہوا کہ بعض غیر مقلد ایسے بھی ہیں جن کی نماز چاروں اماموں کے نزدیک نہیں ہوتی بوجہ نہ باقی رہنے ان کے وضو کے کسی امام کے نزدیک اور پھر یہ نظیر خاص بعض غیر مقلدین کے اعتبار سے آپ کے فرمانے کے موافق بیان کی گئی تھی ورنہ آپ ہی انصاف سے فرمائیں کہ جب تمام غیر مقلدوں کا ہر بات میں الدین یسر یعنی دین اختیار کرنا آسانی کا ہے۔ پر عمل ہو۔ تقلید ائمہ کو حرام سمجھیں اور وہ سب وضو میں ان تمام حرکات مذکورہ کے مرتکب ہوں۔ علاوہ بریں ان کے محققوں کے نزدیک بالاتفاق بموجب نئے معنوں حدیث الماء طھور لا ینجسہ شی (پانی پاک ہے اس کو کوئی شی ناپاک نہیں کرتی) کے جب تک رنگ و بو و مزہ نہ بدلے کوئی بھی نجاست پانی میں گر جائے اور پانی کتنا بھی کم ہو ناپاک نہیں ہوتا۔[1] خواہ چلو بھر ہو یا کچھ کم

[1] حالانکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں اذا استیقظ احد کم من منامہ فلا یغمس یدہ فی الاناء حتی یغسلہ ثلثاً فانہ لایدری این باتت یدہ۔ یعنی جب کوئی تم میں سے سوتا اٹھے تو جب تک ہاتھوں کو تین بار نہیں دھولے برتن میں ہی ہاتھ نہ ڈبوئے۔ اس لیے کہ اسے کیا خبر ہے کہ رات کو وہ ہاتھ کہاں رہا ہو۔ اور دوسری حدیث میں ہے لایبولن احد کم فی الماء الدائم ثم یغسل فیہ ۔ یعنی ٹھہرے ہوئے پانی میں ہرگز کوئی پیشاب نہ کرے۔ ایسا نہ ہو کہ پھر اسی میں غسل کرے۔ ۱۲۔ منہ غفرلہ و لکاتبہ ولوالدیھما۔

زیادہ جو باتفاق چاروں مذہبوں میں ناپاک ہے پھر فرمایئے وہ اس قسم کے پانی سے وضو کر کے یا کپڑا دھو کے گیلے کپڑوں سے یا خشک سے تمھارے برابر آ کھڑے ہوئے یا نماز پڑھانے لگے تو اب تمھاری نماز ان کے پیچھے کیونکر ہوگی اور ان کے برابر کھڑے ہونے سے تمھاری نماز میں کس طرح نقصان نہ واقع ہوگا۔ دیکھو در ربہیہ کا ترجمہ طریقہ محمدیہ جو نواب صدیق حسن خان صاحب نے لکھا ہے اور مولوی نذیر حسین صاحب اور مولوی حفیظ اللہ خان صاحب اور مولوی اسمعیل صاحب کی تقریظ اور اصلی مہروں سے مزین ہے اور جس کی تعریف میں ان لوگوں نے حد سے زیادہ مبالغہ کیا ہے اس کے اول باب کی بجنسہٖ یہ عبارت ہے۔

"پانی پاک ہے اور پاک کرنے والا نہیں نکالتی اس کو ان دونوں وصف سے مگر نجاست کہ بدل دے اس کی بو اور رنگ اور مزے کو اور دوسری وصف سے جو نکال دے اس کو نام آب مطلق سے کوئی پاک چیز بدل دینے والی اور نہیں فرق درمیان تھوڑے اور بہت اور زیادہ دو قلی اور کم دو قلی اور بہتے اور ٹھیرے اور مستعمل اور غیر مستعمل کے۔"

اور پھر اس کے بعد کے فصل کی یہ عبارت ہے۔"

نجاست گو اور موت ہے بڑے آدمی کا مطلق مگر لڑکے شیر خوار کا اور لعاب ہے کتے کا اور لینڈ ہے اور خون ہے حیض و نفاس کا اور گوشت ہے سور کا اور جو اس کے سوا ہے اس میں اختلاف ہے اور اصل پاکی ہے اور نہیں جاتی پاکی مگر نقل صحیح سے جس کی معارض نہ ہو کوئی نقل دوسری برابر اس کے یا مقدم اس پر۔"

اب فرمایئے بموجب اس کتاب کے اگر شیر خوار لڑکا گھڑے بھر پانی میں پیشاب کر دے۔ یا سور پانی پی لے یا چلو بھر پانی میں قطرے دو قطرے حیض کا خون یا بڑے آدمی کا پیشاب یا سور کا گوشت یا خون اتنا جس سے رنگ بو مزہ کچھ نہ بدلے گر جائے تو کسی غیر مقلد کے نزدیک وہ گھڑا بھر پانی یا وہ چلو بھر پانی ناپاک ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ پھر کہیے ان کو اپنی مسجد میں گنجائش دینا۔ یا ان کے کھانے پانی پر

اعتبار پاکی اور طہارت کا رکھنا ان کے کپڑوں کو پاک سمجھنا پکے محمدی حنفی سے کیونکر
ممکن سمجھا جائے۔ پھر جواز نماز کا فتویٰ تو ان کے پیچھے مقلدین مذہب اربعہ کے
علماء تو درکنار کسی ادنیٰ سمجھدار سے بھی محال معلوم ہوتا ہے۔ قطع نظر ان ساری
باتوں کے جو لوگ مصداق ومن یتول غیر سبیل المومنین یعنی ''مومنوں کی
راہ کے سوا کسی دوسری راہ کے دوستدار ہیں'' اور بوجہ مخالفت سواد اعظم مستحق جہنم
کے کیا آپ ان کو اب تک فاسق بھی نہیں جانتے۔ اجی حضرت وہ تو تمام مقلدوں کو
خواہ حنفی ہوں یا شافعی و مالکی ہوں یا حنبلی۔ اور تمام درویشوں کو خواہ نقشبندی ہوں یا
قادری سہروردی ہوں یا چشتی مشرک اور بدعتی عموماً کہہ رہے ہیں اور اپنی کتابوں
میں لکھ رہے ہیں۔ پھر کیا وہ بموجب حدیث بخاری شریف کے

من قال لاخیہ المسلم یا کافر فقد بابھا احد ھما ان کان کما
قال والا رجعت علیہ۔

یعنی جس کسی نے اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہا تو اگر دونوں میں سے کوئی اس
کے کہنے کے موافق ہے تب تو وہ کافر ہوگا ورنہ کہنے والے پر ہی کفر لوٹے گا۔ نعوذ
باللہ۔

آپ کے نزدیک خود مشرک بدعتی نہیں ہوں گے گو حنفی ان کے کفر میں احتیاطاً
تامل کریں۔ پھر فرمائیے کیا آپ کے نزدیک کافر کی اقتداء درست ہے اور کیا
فاسق کے پیچھے نماز مکروہ تحریمہ نہیں ہوتی؟

محمدی تائب:۔ مولانا یہ آپ کا فرمانا بجا و درست ہے اور بلاشبہ یہ کتاب
طریقہ محمدیہ اور قاتل الفجار وغیرہ جن میں ان چاروں مذہبوں کے مقلدین کو
مصداق الذین فرقوا دینھم (وہ لوگ جنھوں نے دین کو متفرق کیا) قرار دے کر
یہود و نصاریٰ میں داخل کر دیا ہے ان کے نزدیک بڑے معتبر ہیں اور مولوی عبد

اللہ جہاؤ وغیرہ بھی کو اپنا پیشوا سمجھتے ہیں مگر وقت پر سب کی تصنیفات کے منکر ہو
جاتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہم کسی کے مقلد نہیں۔ نہ ہم مولوی اسمٰعیل صاحب
کے مقلد ہیں نہ مولوی عبد اللہ جہاؤ کے نہ مولوی نذیر حسین کے ہم تو فقط قرآن
وحدیث کے پیرو ہیں۔ ہم کسی مقلد کو مشرک یا بدعتی نہیں کہتے اور زیادہ دباؤ
آپڑے تو یہ بھی کہنے لگتے ہیں کہ جب چاروں امام برحق ہیں تو پھر ان میں سے
ایک کی تقلید کیوں کریں بلکہ چاروں ہی کی تقلید لازم ہے اور ہم چاروں ہی کے
مقلد ہیں پھر اس کا جواب ان کو کیا دیا جائے اور کس دلیل سے ان کو اگر امام بن
جائیں تو ہٹایا جائے اور لوگوں کو ان کی اقتداء سے منع کیا جائے۔

مقلد: بھائی جو شخص کسی کا مقلد نہ ہو اس سے پوچھنا چاہیے کہ تم نے قرآن کو
کلام خدا اور حدیثوں کو جو کتب حدیث میں ہیں حدیث رسول اللہ کس ذریعہ سے
جانا۔ آیا خود جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تم سے فرما گئے کہ یہ کلام خدا ہے اور
یہ حدیثیں جو فلاں کتاب میں ہیں میری ہی ہیں یا عام خاص تمام مسلمانوں کی تقلید
سے یا باعتبار تمام دنیا کے مسلمانوں کے بڑی بڑی جماعت کی تقلید سے کہ جس
جماعت والوں کا نام بلا احتیاج دلیل بالبداہۃ حنفی۔ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی ہے۔ یا
مسلمانوں کی چھوٹی جماعت والے فرقوں کی تقلید سے۔ پھر مطلب اور معانی
قرآن وحدیث کو کس ذریعہ سے جانا۔ آیا ان مترجموں اور مفسروں اور شارحوں
کے ذریعہ سے جو سواد اعظم مسلمانوں کے عالم ہیں یا ان علماء کی شرح اور ترجموں
اور کتابوں کے ذریعے انہی سے پڑھ پڑھا کر جو چھوٹی جماعت والے فرقوں نام
نہاد اہل اسلام کے جیسے رافضی۔ خارجی۔ وہابی۔ غیر مقلد وغیرہ بدعتی فرقوں کے
عالم ہیں۔ صورت اول کا تو بجز معاند کے کوئی مدعی ہو ہی نہیں سکتا۔ اور اگر بالفرض

کوئی مدعی بن بھی جائے تو اس کا قول کس سمجھدار کے نزدیک قابل سماعت ہوسکتا ہے۔ باقی سب صورتوں میں اس شخص پر جو کہتا ہے کہ میں کسی کا مقلد نہیں تمام مسلمانوں کا یا بڑی جماعت یا چھوٹی جماعت مسلمانوں کا مقلد ہونا لازم آتا ہے۔ علاوہ بریں اگر وہ کہے کہ تمام مسلمانوں کی تقلید سے تو بہ نسبت قرآن تو یہ قول کچھ بن بھی جائے گا۔ مگر حدیث کی کوئی بھی ایسی کتاب نہیں جو تمام نام نہاد مسلمانوں کے مسلم الثبوت ہو۔ لہذا اگر وہ کہے کہ بڑی جماعت کی تقلید سے تو بہ نسبت معانی اور مطلب کے پوچھو کہ وہ بھی بڑی ہی جماعت کے علماء کی شروح اور تفاسیر وغیرہ کے ذریعے سے انہی علماء سے پڑھ پڑھا کر...... تو اس سے پوچھو کہ پھر ان کی مخالفت کی کیا وجہ؟ ان کے نزدیک قرآن اور حدیث پر عمل بلا تقلید کسی ایک مجتہد کے ان چاروں مجتہدوں میں سے ہو ہی نہیں سکتا اور اگر وہ کہے کہ اس چھوٹی جماعت مسلمانوں کی تقلید سے جو غیر مقلد یا محمدی کہلائے جاتے ہیں اور اسی جماعت کے علماء کی تقلید سے۔ تو اسی سے پوچھو کہ پھر جو کچھ قرآن اور حدیث سے انھوں نے مقلدین حنفی۔ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی۔ قادری۔ نقشبندی۔ چشتی۔ سہروردیوں کی نسبت مشرک بدعتی۔ کافر مصداق الذین فرقوا دینھم وغیرہ ہونے کے جو مضامین لکھے ہیں ان سے تمھارا انکار سراسر دروغ بے فروغ اور دعوئ پیروی قرآن وحدیث باطل ہے یا نہیں۔ پھر بھی اگر گڑ بڑ کرے اور اس مضمون کو نہ سمجھے تو اس سے پوچھو کہ تم نے جو تقلید کو چھوڑا یہ تو بتادو کہ برا سمجھ کر یا اچھا سمجھ کر یا ترک تقلید کو بہ نسبت تقلید اولی سمجھ کر۔ بہر نہج یہی کہنا پڑے گا کہ برا سمجھ کر یا ترک تقلید کو بہ نسبت تقلید اولی سمجھ کر۔ تو اب اس سے پوچھو کہ جو شخص غیر

اولی کو واجب سمجھے کیا تمھارے نزدیک بدعتی اور فاسق بھی نہ ہوگا۔ اور جو اس بری بات کو جس کی برائی دلیل قطعی سے ثابت ہو واجب سمجھے بالاتفاق وہ تو کافر ہوتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ تمام مقلد ملتزم تقلید پر اور غیر ملتزم پر باتباع سواد اعظم بلا ضرورت شاقہ تمام اجتہادی مسائل میں کہ جو قریب تین چار سو مسئلوں کے ہیں تقلید امام معین واجب ہی سمجھتے ہیں۔ اب اس سے پوچھو کہ تم میں اور تمھارے علماء میں کیا فرق رہا۔ وہ کھلم کھلا ہم کو کافر۔ مشرک۔ بدعتی کہتے ہیں۔ تم درپردہ کہتے ہو۔ پھر ہم تم کو بموجب حدیث صحیح من قال لاخیہ المسلم مذکورہ جواب شانزدہم بدعتی اور فاسق بھی نہ سمجھیں، اور فاسق کے پیچھے نماز پڑھنے اور امام بنانے کی نسبت صاحب کبیری اور نیز تمام فقہاء ایسا تحریر فرماتے ہیں

انھم لوقدموا فاسقا یاثمون بناء علی ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریم لعدم اعتنائہ بامر دینہ و تساھلہ فی الاتیان بلوازمہ فلا یبعد منہ الاخلال ببعض شروط الصلوۃ و فعل ما ینافیھا بل ھو الغالب بالنظر الی فسقہ ولذالم تجز الصلوۃ خلفہ اصلاً عند مالک رحمہ اللہ و فی روایۃ عند احمد۔

یعنی اگر مسلمانوں نے کسی فاسق کو امام بنادیا تو وہ سب گنہگار ہوں گے اس واسطے کہ فاسق کا امام بنانا مکروہ تحریمہ ہے بوجہ اس کی بے پرواہی کے امور دین میں اور سستی کے لوازمات نماز میں بلکہ اس کے فسق کے اعتبار سے غالب یہ ہے کہ ایسا کام بھی نماز میں کر بیٹھے جس سے نماز باطل ہوجائے اس واسطے امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اور ایک روایت میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک تو فاسق کے پیچھے بالکل ہی نماز نہیں ہوتی۔ جب فاسق کے پیچھے مجرد احتمال غالب

سے باتفاق نماز مکروہ ہوتی ہے اور بعض اماموں کے نزدیک ہوتی ہی نہیں تو فرمائیے ان لوگوں کے پیچھے باتفاق جمہور اہلسنت والجماعۃ نماز کیونکر جائز ہوسکتی ہے جن کے نزدیک باتفاق ان کے علماء معتبر کے ان کی سمجھ کے موافق بموجب حدیث کے وہ پانی بھی پاک ہے جو باتفاق ائمہ اربعہ ناپاک ہو جاتا ہے۔ اور یہ تو میں نے ایک مثال بیان کی ہے اگر ان کے تمام عقائد اور مسائل کو دیکھنا ہے تو جامع الشواہد اور فتح المبین اور کشف الحجاب وغیرہ معتبر کتابوں کو دیکھو۔

محمدی: مولانا فتح المبین کو جب آپ معتبر فرماتے ہیں۔ صاحب فتح المبین تو جواب کید یکصد و چہارم میں تحریر فرماتے ہیں۔ "بعض صاحب اس میں یہ احتیاط کرتے ہیں کہ اگر امام مالکی یا شافعی نے نجس پانی سے جو مقدار قلتین ہو یا قلتین سے کم ہو وضو کیا ہو تو حنفیہ کے نزدیک ایسی صورتوں میں نماز فاسد ہو جاتی ہے مگر یہ محض وہم اور تعصب ہے۔

مقلد: یہ کسی دیوبندی نے تو جن کی عادت اکثر جھوٹے حوالے دینے کی ہوتی ہے یہ سبق نہیں پڑھایا ہے۔ لو دیکھ لو شکف کید یکصد و چہارم میں تو اس عبارت کا کہیں بھی پتہ نہیں چلتا۔ اور اگر بالفرض کسی دوسری جگہ ایسا صاحب فتح المبین نے لکھ بھی دیا ہو تو کیا کسی کتاب کو باعتبار اکثر مضامین صحیحہ کے اگر معتبر کہہ دیا جائے تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ اس میں مصنف کا اگر کوئی قول شاذ و نادر بلا دلیل مخالف محققین سلف ہو وہ بھی معتبر مان لیا جائے گا سلف کے مخالف اگر انھوں نے ایسا بفرض محال لکھ بھی دیا ہو تو ان کو اور ان کے مویدوں کو مخطی سمجھا جائے گا۔ دیکھو حضرت مخدوم علی مہائمی رحمۃ اللہ علیہ شافعیوں کے پیچھے حنفیوں کی نماز جائز ہونے کی یہ سات شرطیں اور حنفیوں کے پیچھے شافعیوں کی نماز جائز ہونے کی یہ دس شرطیں تحریر فرماتے ہیں جن سے ظاہر ہے کہ بلالحاظ ان شرطوں کے حنفیوں کی شافعیوں کے پیچھے نماز صحیح نہیں۔ علی ہذا شافعیوں کی حنفیوں کے پیچھے۔ پھر ان غیر مقلدوں کے پیچھے کب جائز ہوسکتی ہے جو مقلدوں کو عموماً کافر اور مشرک لکھتے ہیں اور قصداً اس پانی سے وضو کرتے ہیں جو صراحۃ حنفیوں کے نزدیک ناپاک ہو۔ ہمارے شہر الور میں غیر مقلدوں کی مسجد کے کنوئیں میں بلی گل سڑ گئی محلہ حنفیوں کا تھا حنفیوں نے چاہا کہ اپنے خرچ سے کنواں پاک کر لیں اور اس کا کل پانی نکلوا دیں۔ مگر غیر مقلد پانی نکلوانے سے مانع ہوئے اور اسی ناپاک پانی

سے باوجود متعفن ہو جانے کے وضو و غسل کرتے اور کھاتے پیتے رہے۔ علاوہ بریں اور اس قسم کے بہت واقعات ہیں۔ پھر ان کو شافعیوں اور مالکیوں پر قیاس کر کے ان کے پیچھے نماز کا حکم دینا دیو بندیہ کا ہی کام ہے جو توہین انبیاء میں اور تحریری توہین کرنے اور بوقت گفتگو کے صاف انکار کرنے اور تاویل نامرضی کرنے میں ان کے ہم عقائد ہیں۔ گو بظاہر مقلد ہیں مگر حقیقۃً انہی کے بھائی ہیں۔ حضرت مخدوم علی مہائمی رحمۃ اللہ علیہ تو جو فقیہ شافعی شہرۂ آفاق اور ولی مادرزاد ہیں باوجود شافعی ہونے کے تحریر فرماتے ہیں کہ شافعی امام کے پیچھے نماز احناف کی تب جائز ہوگی جب شافعی اپنے ایمان میں (بوجہ جہالت) شک نہ رکھتا ہو۔ اور یہ نہ کہتا ہو کہ میں مومن ہوں انشاء اللہ کہ جس کو امام اعظم رحمہ اللہ مطلقاً منع فرماتے ہیں۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ تبرکاً جائز رکھتے ہیں نہ کہ بطریق شک کرنے کے ایمان میں۔ دیکھو فقہ مخدومی کے صفحہ ۱۶ میں حضرت مخدوم علی فقیہ مہائمی شافعی تحریر فرماتے ہیں۔

فصل فی رعایة القوم اذا کان الامام شافعیاً والقوم حنفیا فلا بدان یراعی سبعة اشیاء الاول لا یتوضا بقلتین والثانی لا نیحرف عن القبلة والثالث اذا فصد یتوضا والزابع لا یرفع الیدین فی الصلوة والخامس لا ینجس ثوبه بالمنی ولا یصلی معه حتی یغسله او یفرکه والسادس یمسح ربع رأسه والسابع ان لا یشک فی ایمانه یعنی لا یقول انا مومن انشاء الله تعالیٰ فصل و اما اذان کان الامام حنفیاً والقوم شافعیاً. فلا بدان یراعی عشرة اشیاء. الاول اذا کان الماء الجاری قلیلا لا یتوضاء منها والثانی نیة الوضو والثالث الترتیب والرابع عدم الانحراف عن القبلة والخامس یقراء الفاتحة مع التسمیة والسادس

تعدیل الارکان والسابع لا یصلی مع ثوب نجس مقدار درهم والثامن الخروج بلفظ السلام، والتاسع لا یمس ذکره والعاشر لا یمس امرأة محرمة کانت او غیر محرمة۔

یعنی شافعی امام کے مقتدی حنفی ہوں تو ان سات امور کا لحاظ رکھے۔ پانی قلتین والے سے وضو نہ کرے۔ قبلہ سے پھرا ہوا نہ ہو۔ خون نکلے تو وضو کرے۔ نماز میں رفع یدین نہ کرے۔ منی سے ناپاک شدہ کپڑے میں نماز نہ پڑھے جب تک اس کو دھو نہ لے یا منی کو کھرچ کر دور نہ کر لے۔ مسح ربع سر کا کرے اپنے ایمان میں شک نہ کرے یعنی یہ نہ کہے کہ میں انشاء اللہ مومن ہوں۔ اور جب امام حنفی ہو اور مقتدی شافعی تو ان دس امور کو ملحوظ رکھے۔ پانی کم جاری ہو تو اس سے وضو نہ کرے۔ وضو کی نیت کرلے۔ ترتیب ملحوظ رکھے۔ قبلہ سے منحرف نہ ہو۔ فاتحہ بمعہ بسم اللہ کے پڑھے۔ تعدیل ارکان کو ملحوظ رکھے۔ بقدر درہم نجاست لگی ہو تو نماز نہ پڑھے۔ السلام علیکم کہہ کر نماز سے فارغ ہو۔ اپنے ذکر کو نہ چھوئے۔ عورت کو نہ چھوئے وہ محرمہ ہو یا غیر محرمہ۔

محمدی تائب: مولانا تقلید شخصی کی نسبت تو مجھ کو اب کوئی شبہ نہیں رہا۔ بلکہ اس ضمن میں اور بہت شے شبہات حل ہو گئے۔ مگر مولوی محمد حسن صاحب ساکن فیروز پور جہرکہ سے جو قصبہ میوات میں ہے میں نے سنا تھا کہ آپ مولود شریف میں قیام بھی کرتے ہیں حالانکہ بڑی جماعت حنفیوں کی اس قیام کو بدعت کہتی ہے اور آپ اور آپ کے دوستوں میں سے کوئی مولوی صاحب عرس بھی کرتے ہیں جس میں لوگ تیجہ کی طرح اکٹھے ہو کر چھوارے وغیرہ کی گٹھلیوں پر کلمہ شریف پڑھتے ہیں اور اب تو سنا جاتا ہے کہ روزمرہ چند احباب کے ساتھ اسی طرح پڑھتے ہیں اور عرس میں بعض لوگ قرآن مجید کے سیپارے پڑھتے ہیں۔ کیوں حضرت

جب ایک شخص قرآن پڑھے بموجب آیہ کریمہ۔ اذا قری القرآن فاستمعوا له وانصتوا حنفیہ کے نزدیک سننا اور چپ رہنا فرض ہو جاتا ہے۔ پھر ایک جگہ اکٹھے ہو کر بیسیوں آدمیوں کا ایک جگہ قرآن پڑھنا کس دلیل سے جائز ہو سکتا ہے۔

مقلد: مولوی صاحب آپ کی اس تحقیق کرنے سے میں بہت خوش ہوا۔ مصنف اسی کو کہتے ہیں جو سامنے سب شکوک طے کرلے مگر مولوی حسن صاحب پر مجھ کو افسوس اس بات کا ہے کہ میرے سامنے جب میں نے سیپارہ خوانی اور گٹھلیوں پر پڑھنے کی احادیث اور روایتیں بعد نماز عشاء موضع بحالہ میں ان کے سامنے وعظ میں بیان کی اور صبح کو مولوی رکن الدین صاحب نے کتاب میں بھی ان کو دکھا دیا کچھ دم نہ مارا اور غائبانہ ایسا فرمایا۔ خیر مجھ کو تو اصل مطلب سے بحث ہے وہ یا اور کوئی غائبانہ کچھ بھی کہو۔ مہربان من! قیام مولود شریف کی نسبت آپ کا یہ فرمانا کہ سواد اعظم کے نزدیک بدعت ہے یہ آپ کی ناواقفی کی دلیل ہے ورنہ! اب تو دیو بندیوں کو بھی اس کے استحسان میں کلام نہیں رہا۔ چنانچہ مولوی خلیل احمد صاحب نے براہین قاطعہ میں جو رسالہ متفق علیہ دیو بند ہے بجواب انوار ساطعہ اتنا زور مارا کہ مولوی عبد السمیع صاحب مغفور مرحوم کو بے علم بھی کہا۔ نادان بھی بنایا امکان کذب خدا کے بھی قائل ہو گئے۔ مگر مجبور پھر آخر کار قیام مجلس میلاد کو تو مستحسن ہی کہنا پڑا دیکھو براہین قاطعہ صفحہ ۲۷۶ سطر ۱۵ کی یہ عبارت ہے۔ ''ہاں اگر نفس قیام کا استحسان ہو بلا تقید اور بلا فساد عقیدہ عوام تو خود مانعین بھی نفس قیام کو منع نہیں کرتے۔'' اور یہ جو بلا تقید اور بلا فساد عقیدہ عوام کی اس عبارت میں قید لگائی ہے یہ ان کا خیال ہے ورنہ حق یہ ہے کہ مثل خدا کی حاضر و ناظر موصوف بصفات قدیمہ کوئی نبی رسول اللہ ﷺ کو نہیں جانتا اور نہ عقیدہ میں کوئی قیام کے فرض اور واجب ہونے کی قید لگاتا ہے منع کرنے کی غرض سے یہ حضرات خود اپنی طرف سے

اہلسنت کی طرف ایسے معاملات منسوب کر دیتے ہیں۔ اور چلو بعض دیو بندی نہ سہی مگر تمام ملک عرب مکہ مدینہ روم شام اکثر ہندوستان بمبئی مدراس رام پور حیدر آباد وغیرہ کے ساتھ اہل دہلی نصف ہی سہی۔ علیٰ ہذا پنجاب وغیرہ میں آدھوں سے زیادہ لوگ تو اس قیام کو مستحسن ہی سمجھنے والے ہیں بلکہ فیصلہ ہفت مسئلہ کو دیکھو خود مولوی رشید احمد صاحب اور تمام اہل دیو بند کے پیر جناب عمدۃ الاصفیاء آیہ من آیات اللہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ اور ان کے اکثر خلیفہ اس قیام کے قائل ہیں۔ پھر فرمایئے قیام کرنے والے سواد اعظم کے مخالف کس طرح ہوئے اور جب اس کثرت سے مولانا ارشاد حسین صاحب قدس سرہ مولوی رحمۃ اللہ صاحب مغفور مرحوم۔ حاجی صاحب ممدوح قدس سرہ۔ مولوی حمزہ صاحب۔ مولوی کرامت اللہ خان صاحب مد اللہ ظلہما جیسے حنفی پرہیزگار عالم۔ اور تمام عالم مشائخ عرب اور غرب کے اس کے قائل ہیں تو مولوی اسمٰعیل صاحب کے معتقدین کا تو اس قیام سے انکار کرنا مولوی اسمٰعیل صاحب جیسے اپنے پیشواؤں کا بھی در پردہ انکار کرنا ہے۔ دیکھو مولوی اسمٰعیل صاحب تو تذکیر الاخوان بقیہ تقویۃ الایمان کے صفحہ ۱۴۱ سطر ۱۰ میں ایسا لکھتے ہیں'' (پھر اور کوئی مولوی مشائخ جو اپنی عقل کو دخل دے کر کوئی بات نکالے تو اس کا کیا ٹھکانا۔ مگر ہاں اکثر عالم دیندار متقی پرہیزگار اس مسئلے کو قبول کر لیں تو البتہ وہ بھی معتبر ہے)''۔ پھر کیا حضرت تاج الدین سبکی رحمہ اللہ کے زمانے سے ابتک لاکھوں عالم صوفی کامل جو قیام کے قائل چلے آتے ہیں اور اب تو ہزاروں ہی موجود ہیں ان لوگوں کے نزدیک متقی پرہیزگار نہیں ہیں اور زیادہ تحقیق اس مسئلہ کی مدنظر ہے تو ہمارے رسالہ رسول الکلام فی بیان المولد والقیام۔ اور رسالہ تحقیق المسائل کو دیکھو اور اکٹھے ہو کر گٹھلیوں پر درود یا استغفار یا کلمہ طیبہ وغیرہ پڑھنا تو عین سنت ہے دیکھو مشکوٰۃ شریف میں

ہے۔

عن انس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا مررتم بریاض الجنة فارتعوا قالوا وما ریاض الجنة قال حلق الذکر رواه الترمذی.

یعنی صاحب مشکوٰۃ ترمذی سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت انس نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم جنت کے باغوں پر گزرو تو ان میں خوب چرو یعنی ان میں خوب سیر ہو کر پھل کھایا کرو۔ صحابہ نے عرض کیا کہ جنت کے باغ کیا ہیں آپ نے فرمایا حلقے ذکر کے یعنی جہاں لوگ اکٹھے ہو کر ذکر خدا کرتے ہوں۔

اور مسلم شریف میں ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے

ان رسول الله صلی الله علیه وسلم خرج علی حلقة من اصحابه فقال ما اجلسکم ههنا قالوا جلسنا نذکر الله و نحمده علی ماهدانا للاسلام و من به علینا قال الله ما اجلسکم الا ذالک قالوا الله ما اجلسنا الا ذالک قال اما انی لم استحلفکم تهمة لکم و لکنه اتانی جبرئیل فاخبرنیٔ ان الله عزوجل یباهی بکم الملائکة

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ایک حلقہ پر جہاں وہ حلقہ باندھ کر بیٹھے تھے تشریف لے آئے اور فرمایا کہ یہاں کس غرض سے اکٹھے بیٹھے ہو۔ انھوں نے عرض کیا ذکر خدا اور اس کا شکر کرنے کے لیے نعمت اسلام پر۔ فرمایا آپ نے کہ خدا کی قسم کیا اسی واسطے؟ صحابہ نے عرض کیا خدا کی قسم اسی واسطے۔ آپ نے فرمایا میں نے تم کو قسم جھوٹا سمجھ کر بطریق تہمت نہیں دلائی بلکہ مجھ کو جبرئیل نے آ کر خبر دی کہ اللہ تمہارے ساتھ فرشتوں پر فخر کر رہا ہے یعنی یہ قسم

بمقتضائے خوش ہونے کے تھی تمہارے اس نیک عمل پر

اور شامی میں بیان جائز ہونے تسبیح میں لکھا ہے۔

و دلیل الجواز ما رواه ابو داؤد دو الترمذی و النسائی و ابن حبان وقال صحیح الانساد عن سعد بن وقاص رضی الله عنه انه دخل مع رسول الله صلی الله علیه وسلم علی امرأة و بین یدیها نوی او حصا تسبح به فقال الاخبرک بما هو ایسر علیک من هذا او افضل فقال سبحان الله عدد ما خلق فی السماء و سبحان الله عدد ما خلق فی الارض و سبحان الله عدد مابین ذالک و سبحان الله عدد ما هو خالق والحمد لله مثل ذالک والله اکبر مثل ذالک ولا اله الا الله مثل ذالک ولا حول ولا قوة الا الله مثلذالک اینهها عن ذالک وانما ارشدها الی ماهو ایسر و افضل ولو کان مکروها لبین ذالک ولا تزید السبحة علی مضمون هذا الحدیث الا بضم النوی فی خیط ومثل ذالک لا یظهر تاثیره فی المنع۔

یعنی تسبیح رکھنے کے جواز کی دلیل یہ حدیث ہے جس کو ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی اور ابن حبان رضی اللہ عنہم نے نقل کیا اور اس کی سند کو صحیح بتایا ہے۔ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ میں ایک عورت کے یہاں گیا وہ گٹھلیں یا کنکریں آگے رکھ کر ان پر سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھ رہی تھی آپ نے اس کو فرمایا کہ اس سے آسان یا افضل بات میں تجھ کو بتا دوں پھر آپ نے سا کو سبحان اللہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ مثل ذالک تک جو کلمات ہیں فرما دیئے۔ شامی علیہ الرحمۃ اس حدیث کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ اگر کنکریوں یا گٹھلیوں پر پڑھنا مکروہ ہوتا تو ضرور آپ منع فرما دیتے۔ مگر آپ نے

منع نہیں فرمایا بلکہ اس طریق سے آسان بلکہ افضل طریقہ بتا دیا (اس واسطے کہ اس طرح پڑھنے میں ایک بار پڑھنے سے جس قدر مخلوق اللہ نے زمین آسمان میں اور ان دونوں کے درمیان میں پیدا کی ہے اور پیدا کرے گا سب کی گنتی کی مقدار ثواب مل جاتا ہے اور ویسے سبحان اللہ سبحان اللہ عمر بھر اگر کوئی پڑھے اس قدر گنتی پوری نہیں ہوسکتی اب فرمایئے کہ اگر کوئی انہی کلمات کو ہزار پانچ سو بار گٹھلیوں پر یا کنکریوں یا چنوں یا تسبیح کے دانوں پر پڑھے تو کس قدر ثواب ہوگا) پھر تحریر فرماتے ہیں کہ تسبیح میں تاگہ فقط بغرض جمع رہنے گٹھلیوں وغیرہ کے زائد ہوتا ہے ورنہ وہی گٹھلیاں ہیں جن پر پڑھنے سے حضور نے منع نہیں فرمایا اور ایسی زیادتی سے ممانعت نہیں ثابت ہوسکتی۔ لو حضرت تسبیح کے جواز پر تو شامی علیہ الرحمۃ کو اتنی تقریر مزید بیان کرنی پڑی۔ تیجہ اور عرس اور ختم میں تو فقط گٹھلیوں یا چنوں یا کنکریوں پر جو خاص وہی طریق ہے جس کو حضور نے دیکھا اور جائز رکھا بموجب دونوں حدیث اول مشکوٰۃ شریف کی کہ جمع ہو کر کلمہ طیبہ یا درود شریف وغیرہ پڑھتے ہیں چنانچہ اسی بنا پر فتاویٰ عالمگیریہ میں لکھا ہے

ولو اجتمعوا فی ذکر اللہ تعالیٰ والتسبیح والتہلیل یخفون والاخفاء افضل

یعنی لوگ ذکر اللہ اور سبحان اللہ اور لا الہ الا اللہ پڑھنے کو اکٹھے ہوں تو آہستہ پڑھنا افضل ہے

اور ہم اور ہمارے بعض احباب بے شک بعد نماز صبح یا عشا اکٹھے ہو کر جیسے الور میں طاعون آیا تھا برس روز سے اسی طریق پر نہایت التزام کے ساتھ استغفار اور درود شریف دو دو ہزار مرتبہ یا جس قدر ہوسکا پڑھتے رہے اور پڑھتے ہیں۔ چنانچہ جن محلوں میں اس کا التزام رہا اور ہے بفضلہ تعالیٰ اب تک وہاں طاعون کا

دخل نہیں ہوا۔ کیا آپ نے قرآن میں نہیں پڑھا کہ استغفار پڑھنے سے اللہ وعدہ کرتا ہے کہ ہم مینہ بھی برسا دیں گے۔ بے اولادوں کو اولاد مفلسوں کو مال اور باغ نہریں بھی دیں گے اور منتخب میں مسند امام احمد اور مستدرک حاکم سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس فرماتے تھے کہ استغفار کو ہر رنج وغم کے واسطے موجب کشائش اور ہر تنگی سے رہائی کا سبب بتایا ہے اور استغفار کی برکت سے جہاں گمان بھی نہ ہو وہاں سے اللہ رزق دیتا ہے اور ترمذی میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ آنحضرت سے راوی ہیں کہ آپ فرماتے تھے میری امت کے واسطے اللہ نے دو امن کی آیت نازل فرمائی ہیں۔

ماکان اللہ لیعذبھم و انت فیھم و ماکان اللہ معذبھم وھم یستغفرون۔

یعنی اللہ فرماتا ہے کہ اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ تمہاری موجودگی میں انہیں عذاب دیوے اور نہ اللہ کی یہ شان ہے کہ استغفار پڑھتے ہوؤں کو عذاب دیوے۔ اور درود کی ادنیٰ فضیلت یہ ہے کہ درود پڑھتے ہی فرشتے حضور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درود پہنچا دیتے ہیں اور دلائل الخیرات اور طبرانی کی حدیث مذکورہ سے آپ کو معلوم ہو ہی چکا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درودخوان کی آواز سنتے ہیں۔ اب فرمایئے جو شخص ایسی سنت سے منع کرے وہ آپ کے نزدیک کون ہے۔ اور تیجے میں اکثر چنے جو منگوا لیتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں گننے کی دقت نہیں پڑتی۔ اس واسطے کہ بعض روایات میں وارد ہوا ہے جو کوئی اپنے مردہ کو ساڑھے بارہ ہزار یا سوا لاکھ یا چار لاکھ کلموں کا ثواب بخش دے تو اس مردے سے عذاب اٹھا لیا جاتا ہے۔ اور ساڑھے بارہ سیر چنے ساڑھے بارہ ہزار ہو جاتے ہیں ورنہ چنے پر پڑھنے کو علیٰ ہذا تیسرے ہی دن کو نہ کوئی فرض جانتا ہے نہ

واجب بلکہ بہت جگہ دوسرے ہیدن پڑھ لیتے ہیں اور کہیں گٹھلیوں پر ہی قناعت کر لیتے ہیں۔ رہا اکٹھے ہو کر بہت آدمیوں کا ایک جگہ تلاوت قرآن کرنا اور اس کا ثواب کسی میت کو خواہ وہ عام مومنوں میں سے ہو یا بزرگوں میں سے یہ تمام فقہاء کے نزدیک جائز ہے اور مقلد کو فقہ کی روایت کافی ہے بلکہ کتب فقہ میں تو قبر کے پاس ہی اکٹھے ہو کر قرآن مجید پڑھنے کو جائز ہی نہیں بلکہ مستحب لکھا ہے فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

ویستحب اذا دفن المیت ان یجلسوا ساعة عند القبر بعدا لفراغ بقد رما یخر جزورو یقسم لحمها یتلون القرآن و یدعون للمیت کذافی الجوهرة النیرة و قراة القرآن عند القبور عند محمد لا تکره و مشائخنا رحمهم الله اخذ وابقوله وهل ینتفع والمختار انه ینتفع هکذا فی المضمرات۔

یعنی جوہرہ نیرہ میں ہے کہ جب میت کو دفن کر چکیں جتنی دیر میں اونٹ کو ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کر دیا جائے مستحب ہے کہ لوگ قبر کے پاس بیٹھے قرآن پڑھا کریں اور میت کے واسطے دعا مانگتے رہیں۔ اور مضمرات میں ہے کہ قبر کے پاس قرآن پڑھنا امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے اور اسی روایت کو مشائخ نے معمول بہ رکھا ہے اور مختار روایت یہی ہے کہ قبر کے پاس پڑھنے سے میت کو نفع پہنچتا ہے۔ اور فصل الجنائز کبیری میں ہے۔

واختلف فی اجلاس القاریین لیقروا عند القبر والمختار عدم الکراهة

یعنی قبر کے پاس قرآن پڑھنے کے واسطے قرآن خوانوں کے بٹھانے میں فقہا کا اختلاف ہے مگر مختار روایت یہی ہے کہ مکروہ نہیں اور یہ اختلاف بھی پڑھنے

والے کی نیت کے اعتبار سے معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے

وان قرء القرآن عند القبور ان نوی بذالک ان یونسهم صوت القرآن فانه یقرء فان لم یقصد ذالک فالله تعالیٰ یسمع القرآن حیث کانت۔

یعنی قرآن قبر کے پاس اگر اس نیت سے پڑھے کہ آواز قرآن سے میت کو آرام پہنچے تو پڑھے ورنہ پھر خدا تو ہر جگہ سنتا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ جہاں پڑھو گے وہاں سے میت کو ثواب پہنچ جائے گا۔ ار اگر اکٹھے ہو کر قرآن پڑھنے کی کسی روایت میں ممانعت بھی معلوم ہوتی ہے تو فقہا نے اس کی دو علتیں لکھی ہیں۔ ایک یہ کہ سب آواز سے پڑھیں۔ چنانچہ بحوالہ قنیہ فتاویٰ عالمگیریہ میں لکھا ہے۔

یکره للقوم ان یقروا القرآن جملة لتضمنها ترک الاستماع والانصات المامور بها

یعنی اکٹھے ہو کر قوم کا قرآن پڑھنا اس وجہ سے مکروہ ہے کہ وقت قرآن پڑھنے کے کان لگانے اور چپ رہنے کا جو حکم ہے وہ فوت ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ کھانے کے عوض قرآن پڑھنے کو اکٹھے ہو کر قرآن پڑھیں اس طریق پر اس دعوت کو بھی مکروہ لکھا ہے اور قرآن پڑھنے کو بھی۔ چنانچہ کبیری میں ہے۔

وفی فتاوی البزازی یکره اتخاذ الطعام فی الیوم والثالث وبعد الاسبوع و نقل الطعام الی القبر فی للمواسم و اتخاذ الدعوة لقراءة القرآن و جمع الصلحا والقراء لکختم او قراءة سورة الانعام اوا لاخلاص والحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لاجل الکل یکره۔

یعنی موت کے دن اور تیسرے دن اور بعد ہفتہ کے موت کے دن دعوت لینا

اہل میت سے مکروہ ہے اور عرس وغیرہ میں قبر کی طرف کھانا لے جانا اور نیکوں اور
قاریوں کا جمع ہونا ختم قرآن کے واسطے یا سورۂ انعام یا اخلاص پڑھنے کے لیے
اور قرآن پڑھنے کے عوض دعوت لینا مکروہ ہے۔ یہاں سے ظاہر ہے کہ اگر کوئی
اللہ کے واسطے بغرض ثواب پہنچانے کھانے کے کھانا کھلائے اور پھر اللہ واسطے
بعض کھانے والے اور بعض نہ کھانے والے اکٹھے ہو کر قرآن پڑھ کر ثواب بخش
دیں اور اگر کھانے والے نہ آئیں تو ان سے کچھ حاضر و غائب مزاحمت بھی نہ ہو تو
کھانا کھانا اہل میت کا مکروہ ہے۔ نہ لوگوں کا اکٹھے ہو کر قرآن پڑھنا۔

چنانچہ کبیری ہی میں عبارت مذکورہ کے آگے علامہ حلبی تحریر فرماتے ہیں۔

ولا يخلو عن نظر لانه لا دليل على الكراهة الا حديث جرير بن
عبد الله المتقدمُ وانما يدل على كراهة ذالک عند الموت فقط على
انقد عارضه مارواه الامام احمد بسند صحيح وابو دائود عن عاصم
بن كليب عن ابيه عن رجل من الانصار قال خرجنا مع رسول الله
صلى الله عليه وسلم فى جنازة فرأيت رسول الله صلى الله عليه
وسلم وهو على القبر يوصى للحافر يقول اوسع من قبل رجليه
واوسع من قبل رأسه فلما رجع استقبله داعى امراته فجا وجئ
بالطعام فوضع يده ووضع القوم فاكلوا ورسول الله صلى الله عليه
وسلم يلوک لقمة فى فيه ثم قال انى اجد لحم شاة اخذت بغير اذن
اهلها فسئلت المرأة فقالت يارسول الله انى ارسلت الى البقيع
اشترى شاة فلم اجد فارسلت الى جارى قد اشترى شاة ان يرسل
بثمنها فلم يجد فارسلت الى امرأته فارسلت بها الى فقال صلى الله
عليه وسلم اطعميه الا سارى فهذا يدل على اباحة صنع اهل الميت

الطعام والدعوة اليه۔

یعنی یہ جو عبارت مذکورہ سے پہلے ابن ہمام کا قول نقل کیا گیا ہے کہ یکرہ
اتخاذ الضيافة من اهل الميت لانه شرع فى السرور لا فى الخزن
قالوا وهى بدعة مستقبحة لماروى عن جرير [1] بن عبد الله۔

یہ قول نظر سے خالی نہیں ہے۔ اس واسطے کہ بجز حدیث جریر بن عبد اللہ کے
اور کوئی دلیل کراہت کی نہیں اور وہ حدیث فقط موت کے دن کی دعوت کی کراہت
پر دلالت کرتی ہے مگر اس کی بھی مخالف دوسری حدیث صحیح مسند امام احمد اور ابوداؤد
میں مروی ہے۔ ایک انصاری فرماتے ہیں کہ ہم ایک جنازے میں رسول اللہ ﷺ
کے ساتھ گئے تھے۔ میں نے آپ کو دیکھا کہ قبر کھودنے والے کو فرماتے تھے کہ
پاؤں کی طرف سے فراخ کرو۔ سر کی طرف سے فراخ کرو۔ جب آپ لوٹے تو
اس میت کی بیوی کی طرف سے ایک بلانے والا آگیا۔ آپ معہ قوم کے تشریف
لے گئے تو کھانا سامنے رکھ دیا گیا۔ حضور نے جب کھانا شروع کیا تو آپ کے منہ
میں لقمہ پھرنے لگا اور آپ کے ساتھی کھانے لگے پھر آپ نے فرمایا یہ بغیر اجازت
مالک کے لی ہوئی بکری کا گوشت معلوم ہوتا ہے جب اس سے پوچھا گیا۔ اس نے
عرض کیا کہ میں نے بقیع سے منگوائی وہاں نہ ملی۔ پھر میرے پڑوسی نے ایک بکری
خریدی تھی اسے خریدنا چاہا تو وہ نہ ملا۔ پھر اس کی بیوی سے میں نے اس بکری کو

[1] روى الامام احمد وابن ماجة باسناد صحيح عن جرير بن عبد الله۔ قال كنا نعد الاجتماع الى اهل
الميت و صنعتهم الطعام من النياحة ۔یعنی سند صحیح سے امام احمد رحمہ اللہ اور ابن ماجہ رحمہ اللہ
حضرت جریر بن عبد اللہ رحمہما اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ اہل میت کے یہاں جمع رہنے کو اور ان کے
جمع ہونے والوں کے لیے کھانا تیار کرنے کو ہم قسم نوحہ سے سمجھتے تھے۔ ۱۲ منہ غفر اللہ لہ ولکاتبہ۔
ولوالدیہما

طلب کیا۔ اس نے بھیج دی۔ آپ نے فرمایا کہ اب اس کھانے کو قیدیوں کو کھلا دو۔ یہ حدیث کھلی دلالت کرتی ہے اہل میت کی دعوت قبول کرنے اور کھانے تیار کرنے کے جواز پر۔

اور قبر پر اکٹھے ہو کر قرآن پڑھنے کی روایتیں تو ہم نقل کر ہی چکے ہیں کہ جن سے قبر سے دور لوگوں کا اکٹھا ہو کر قرآن کا پڑھنا بلا اختلاف صراحۃً جائز معلوم ہوتا ہے۔ اور علاوہ ان کے اور بہت روایتیں ہیں۔ چنانچہ فتاوی عالمگیریہ ہی میں ہے۔ وفی الخجندی امام یعتاد کل غداۃ معہ جماعۃ قراءۃ آیۃ الکرسی و آخر البقرۃ و نحوھا جھر الابأس بہ والافضل الاخفاء کذافی القنیۃ یعنی خجندی اور قنیہ میں ہے کہ بعد نماز صبح جماعت کے ساتھ آیۃ الکرسی اور آخر سورہ بقر وغیرہ آواز سے پڑھنے کی اگر امام کو عادت ہو تو کچھ ڈر نہیں۔ مگر افضل یہ ہے کہ امام وغیرہ سب لوگ پوشیدہ پڑھیں۔ اور آیہ کریمہ اذا قری القرآن فاستمعوا لہ کی نسبت جمہور صحابہ فرماتے ہیں کہ نماز کی قرأت کے ساتھ مخصوص ہے۔ چنانچہ مفسرین ایسا ہی تحریر فرماتے ہیں۔ اور بعض روایت سے جو ثابت ہے کہ خطبہ کے بارہ میں نازل ہوئی تھی اس میں مفسرین معتبر کلام کرتے ہیں۔ فقط۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم و احکم۔

تمام شد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ العلی الاعلی والصلوۃ والسلام علی حبیبہ جامع فضائل الاسنی و علی آلہ وصحبہ البررۃ الاتقیاء امابعد آثم وعاصی ابو محمد۔ محمد دیدار علی الرضوی الحنفی المجددی۔

تمام مسلمانوں کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ خاکسار تالیف رسالہ ہدایۃ الطریق سے فارغ ہوا ہی تھا کہ ادھر ایک رسالہ بظاہر مسلمانوں کو باہم اتفاق پیدا کرنے کا نشان اور حقیقت میں اختلاف تازہ پیدا کرنے کا سامان مسمی بہ ''سماکم المسلمین'' نظر سے گزرا۔ خلاصہ سارے رسالہ کا یہ تھا کہ احمدی۔ اہل قرآن۔ حنفی۔ شافعی وغیرہ وغیرہ امتیازی نام رکھنے والے سراسر مخالف قرآن ہیں اس واسطے کہ قرآن میں تو اللہ تعالیٰ نے ہم مسلمانوں کا نام مسلمان ہی رکھا ہے۔ آیہ کریم ھو سمکم المسلمین اس امر کی ظاہر دلیل ہے کہ اور اس صورت میں غیر مذہب بلا دقت مسلمان بھی ہو سکتے ہیں ورنہ بیچارے اسی فکر میں رہتے ہیں کہ محمدی مسلمانوں میں داخل ہوں یا حنفیوں میں شافعیوں یا مالکیوں میں۔ ادھر یہ آواز حیرت افزا کان میں پہنچی کہ محمدی یہی کہتے ہیں کہ امام اعظم رحمہ اللہ کو کل سترہ حدیثیں پہنچی تھیں۔ چنانچہ ابن خلدون جیسا مورخ اس امر کو لکھ رہا ہے۔ لہذا مناسب معلوم ہوا کہ اگرچہ ان سب امور کے مفصل جواب رسالہ ہدایۃ الطریق

اور غضب یہ ہے کہ خود مصنف رسالہ مذکور کے طرز بیان سے ظاہر ہے کہ فی الواقع وہ بھی نئے امتیازی نام رکھنے والوں میں سے محمدی فرقہ سے ہے اس واسطے وقت بیان کرنے جدید فرقوں کے ساتھ جماعت مقلدین کی کہ جو سب حقیقت میں ایک ہیں اور بظاہر بموجب پیروی تحقیق ہر ایک امام مجتہد کے حنفی۔ شافعی مالکی حنبلی کہے جاتے ہیں۔ محمدی فرقہ کا نام نہ لیا اس کا نام احمدی کر کے ذکر کر لیا۔ منہ غفرلہ ولوالدیہ۔

میں گزر چکے ہیں اور معیار قرآن کے سچے پیروؤں کی بھی قرآن سے ہی بلا تاویل وتقلید کسی خاص مفسر کے خالص ترجمہ قرآن سے ہی بتا دی گئی ہے مگر ایسے مفصل نقشے بھی بطور ضمیمہ رسالہ ہذا کے ساتھ اضافہ کرنے مناسب سمجھے گئے جن سے ہر خاص و عام کو معلوم ہو جائے کہ یہ چاروں امام خصوصاً امام اعظم رحمہ اللہ اتنے بڑے محدث تھے کہ جملہ محدثین انہی میں سے کسی ایک کے مقلد ہیں اور علم حدیث میں تو یہ سارے محدث انہیں کے شاگرد اور ان کے شاگردوں کے شاگرد ہیں اور یہ چاروں امام وہ ہیں کہ علم دین کے جامع ہونے کی نسبت جو جو پیشین گوئیاں رسول اللہ ﷺ نے فرمائی تھیں ان کے مصداق باتفاق علماء و دین حق آئین یہی بن سکتے ہیں اور ان سب میں سے امام اعظم رحمہ اللہ تو تابعی ہونے کی بزرگی کے ساتھ بھی ممتاز ہیں اور حدیث صحیح میں آیا ہے۔

عن عمران بن حصین قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول خیر الناس قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم ثلثاثم یجی قوم بعد هم یستمنون یحبون السمن یعطون الشهادة قبل ان یسئلوها رواه الترمذی۔

یعنی ترمذی شریف میں ہے کہ حضرت عمران نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ زیادہ بہتر آدمی میرے زمانے کے ہیں پھر جو ان سے نزدیک ہوں گے پھر جو ان کے زمانہ سے نزدیک ہوں گے۔ پھر جو ان سے نزدیک ہوں گے تین بار۔ پھر موٹا ہونے کو دوست رکھنے لگیں گے یعنی دین سے بے فکر ہو جائیں گے۔ گواہی طلب کیے جانے سے پہلے گواہی کو موجود ہوں گے۔ اور صاحب رسالہ سام المسلمین کی خدمت میں فقط اتنا عرض کر دیا جائے کہ جمہور مسلمانوں کے جن کا نام حنفی۔ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی بموجب وجوہ مذکورہ رسالہ ہدایۃ الطریق

ہے پیروی چھوڑنا ہی مسلمانوں میں سے اتفاق کھونے اور اختلاف ڈالنے کا پورا ذریعہ ہے چنانچہ جمہور مسلمانوں کی مخالفت ہی نے آپ کو یہ دن دکھایا کہ بے سوچے سمجھے مضمون کلام اللہ اور منشاء احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ کہہ بیٹھے کہ سب مسلمانوں کو لازم ہے کہ اپنا نام فقط مسلمان رکھیں اور یہ نہ سمجھا کہ اپنا نام فقط مسلمان رکھنے کا ارشاد ان کو ہوتا ہے جن کو ایمان کی ہوا بھی نہ لگی تھی۔ چنانچہ آخر سورہ حجرات میں ہے۔ "**قالت الاعراب امنا قل لم تو منوا ولکن قولوا اسلمنا ولمایدخل الایمان فی قلوبکم**" یعنی اعراب کہتے ہیں کہ ہم ایماندار بن گئے۔ اے ہمارے حبیب کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے۔ ہاں یوں کہو کہ ہم مسلمان ہو گئے ورنہ تمہارے دل میں ہرگز ایمان داخل نہیں ہوا۔ فقط یہ ارشاد اس واسطے ہوا ہے کہ مسلمان شریعت کی ظاہر طور سے پیروی کرنے والے کو کہتے ہیں۔ اب اگر وہ دل سے پیرو شریعت کا ہے اور تمام شریعت کو یقیناً حق بھی جانتا ہے مومن مسلمان ہے۔ اور اگر نرا ظاہرداری سے پیروی کرتا ہے اور دل میں یقین نہیں رکھتا وہ فقط مسلمان ہے۔ اور اب ان آئندہ نقشوں سے آپ کو خوب معلوم ہو جائے گا کہ مومن مسلمان جتنے گزرے اور ہیں وہ ہمیشہ سے بڑی جماعت

اچنانچہ دیکھ لو کہ اہل ندوہ نے بھی بغرض ایک کر دکھانے ان ستر اور چند فرقوں کے کہ جن کا ایک ہونا بموجب پیشین گوئی رسول اللہ ﷺ محال تھا۔ اس قسم کا خیال محال کیا تھا آخر کار اس کا یہی نتیجہ ہوا کہ ایک گروہ مشترک اور بن گیا۔ اور سمجھدار عالم مثل مولانا احمد حسن صاحب کانپوری مرحوم وغیرہ اس کے نتیجے پر نظر ڈال کر اس سے جدا ہو گئے وجہ یہ ہے کہ بموجب احادیث صحیحہ تشریف لانے حضرت امام مہدی علیہ السلام کے جن بہتر فرقوں کا ہونا اور جن واقعات کا وقوع ضروری ہے ان کے ایک ہو جانے کا خیال رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئیوں کا مٹانا ہے۔ **منه غفرله و لکاتبه ولوالدیهما۔**

اہل اسلام ے پیرو رہے ہیں۔اور غیر مجتہد کے واسطے خواہ مفسر ہو یا محدث انہی چار اماموں سے کسی ایک امام کی پیروی کو ذریعہ خدا اور سول کی پیروی کا سمجھتے چلے آئے ہیں۔چنانچہ بڑے بڑے اولیا کبار اور محدثوں کا مقلد ہونا وغیرہ سب امور ان نقشوں سے ظاہر ہیں۔نمونہ نام ان اولیاء اللہ کا جو مقلد حضرت امام اعظم رحمہ اللہ گزرے ہیں۔(ملاحظہ ہوں نقشہ جات صفحہ ۱۵۱،۱۵۲،۱۵۳ پر)

نسب نامہ امام اعظم حضرت امام ہمام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ
(منقول از جواہر مضیہ فی طبقات الحنفیہ)

امام اعظم ابوحنیفہ نعمان رحمہ اللہ۔بن ثابت بن کاوس بن ہرمز بن مرزبان، بن بہرام بن مہرکز، بن ماجشر بن حسیسک بن آوربود بن ہرواس، بن بہرام بن ہیرکز بن اردریار بن آرزخور بن فیروز بن سیندوش بن رقبان بن لمتیسکر بن کروبو بن سیردار بن دادین بن سیدوش بن یزو بن بخت فور بن شادان بن ہرمزدیار بن خانستان بن دینار بن کمیار بن ووین بن سیدوش بن کردو بن ملک ساسان بن ملک تابک بن ملک مہرس بن ملک ساسان بن تہمتن بن ملک اسفندیار بن ملک گستاشب بن ملک لہراسب بن ملک کتمش بن ملک کی یاستین بن ملک کیابو بن ملک کیقباد بن ملک دادا بن ملک برہما بن ملک مربان سوہ بن ملک منوچہر (جن کا لقب فارس تھا) بن یہودا بن یعقوب علیہ السلام بن اسحاق علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام بن آرز بن یاحور بن سروع بن راغو بن فالخ بن عابر یعنی ھود بن شالخ بن از فخشد بن سام بن نوح علیہ السلام بن لامک بن متوشلخ بن اخنوخ بن برد بن مہلائیل بن فیسنان بن شیث علیہ السلام بن آدم علیہ السلام۔(حضرت امام کی ولادت ۸۰ھ وفات ۱۵۰ھ)

تاریخ ابن خلکان میں ہے کہ آپ کے پوتے اسماعیل فرماتے تھے کہ میں بیٹا حماد کا ہوں جو امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے اور ۸۰ء میں میرے دادا ابوحنیفہ پیدا ہوئے۔ان کے والد ماجد ثابت ان کو حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے گئے حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے ان کو اور ان کی اولاد کو برکت کی دعا دی۔ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارے حق میں اللہ نے حضرت کی دعا قبول کر لی۔اور ہم اولاد فارس سے ہیں یعنی ملک منوچہر کی نسل سے

اس واسطے کہ منوچہر کی نسل کے لوگ اولاد فارس کہلائے جاتے ہیں اس واسطے
حافظ حدیث مفتی حجاز علامہ ابن حجر مکی شافعی خیرات الحسان اور علامہ شامی ردالمختار
میں تحریر فرماتے ہیں کہ مسلم اور بخاری میں ابوہریرہ سے مروی ہے۔ قال قال
رسول اللہ ﷺ لوکان الدین عند الثریا لذھب بہ رجل من فارس
وقال من ابناء فارس حتی یتناولہ اور طبرانی اور شیرازی میں قیس بن ساعدہ
اور عبداللہ بن مسعود اس طرح نقل فرماتے ہیں۔ لوکان العلم عند الثریا
لتناولہ رجال من ابناء فارس یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر
دین اور علم ثریا کے ستارے کے بھی پاس ہوگا تو عرب حاصل نہ کرسکیں گے مگر ایک
آدمی فارس یا اولاد فارس سے وہاں سے بھی حاصل کرلے گا۔ اس کے مصداق
امام ابوحنیفہ ہیں اس واسطے کہ ایسا عالم دین اولاد فارس میں اور کوئی نہیں گزرا۔
اس پر علماء متفق ہیں اور اس پر بھی علماء کا اتفاق ہے کہ حدیث لاتسبوا قریشا فان
علامھا یملأ الارض علماء کے مصداق امام شافعیؒ ہیں اور حدیث یوشک
ان یضرب الناس اکباد الابل فلا یجدون اعلم من عالم المدینۃ کے
مصداق امام مالک رحمہ اللہ ہیں۔ درمختار میں ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ نے اپنے
زمانے میں بیس صحابہ کو پایا اور سات یا آٹھ صحابہ سے حدیثیں بھی روایت کرتے
ہیں۔ یہی مضمون جواہر العقائد اور ضیاء اور منیۃ المفتی میں ہے۔ اور حضرت انس
رضی اللہ عنہ سے بلکہ چار صحابہ سے امام کا حدیثیں روایت کرنا ابن خلکان بھی لکھتے
ہیں اور حافظ عراقی فرماتے ہیں کہ ابن صلاح اور امام نووی فرماتے ہیں کہ ظاہر
اور قریب قبول یہ بات ہے کہ تابعی وہی ہے جس نے صحابی سے ملاقات کی خواہ
صحبت میں رہے یا نہ رہے اور حدیث سنی یا نہ سنی۔

اسماء اساتذہ امام اعظمؒ جو صحابہ میں سے ہیں: حضرت انس بن

مالک رضی اللہ عنہ۔ عبداللہ بن ابی اوفی کوفی۔ سہل بن سعد مدنی۔ ابوالطفیل۔
عامر مکی۔ عبداللہ انیس۔ عبداللہ بن حارث زبیدی۔ جابر بن عبداللہ۔ عائشہ بنت
عجرہ۔ اور جلیل القدر تابعی چار چار ہزار آپ کے استاد ہیں۔ سب سے بڑے عطاء
بن ابی رباح ہیں۔

اسماء گرامی بعض مفسرین حنفیہ:

صاحب تفسیر مدارک۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی صاحب تفسیر مظہری جو ۷ جلد
میں ہے۔ مولانا شاہ عبدالعزیزؒ۔ حضرت یعقوب چرخی، علامہ ابوسعود جنگی
تفسیر حاشیہ تفسیر کبیر پر آٹھ جلد میں ہے۔ ملاحسین کاشفی صاحب تفسیر حسینی وتفسیر
جواہر۔ (رضوان اللہ علیہم اجمعین)

اسماء گرامی ان اولیاء اللہ کے جو حنفی گزرے ہیں: ابراہیم بن
ادہمؒ۔ شفیق بلخی۔ معروف کرخیؒ۔ ابویزید بسطامیؒ۔ ابوالحسن خرقانی۔ خواجہ معین
الدین چشتیؒ۔ داؤد طائی۔ فضیل بن عیاضؒ۔ ابوبکر وراقؒ۔ بہاؤالدین نقشبند،
مجدد الف ثانی، خواجہ محمد معصومؒ۔ مرزا مظہر جانجاںؒ۔ خواجہ نظام الدین، خواجہ قطب
الدینؒ۔ خواجہ جمال الدین ہانسویؒ، خواجہ فرید شکر گنج، خواجہ عبیداللہ احرار۔ خواجہ علی
رامیتنیؒ، حضرت یعقوب چرخی وغیرہم رضوان اللہ علیہم۔

اسماء گرامی بعض مفسرین شافعیہ:

امام فخرالدین رازیؒ صاحب تفسیر کبیر جو ۷ جلد میں ہے۔ مخدوم علی مہائمیؒ
صاحب تفسیر رحمانی ۲ جلد میں۔ علامہ بغوی صاحب تفسیر معالم۔ علامہ قاضی بیضاء
صاحب تفسیر بیضاوی۔ علامہ جلال الدین سیوطی صاحب تفسیر جلالین ۲ جلد۔ امام
غزالی صاحب تفسیر یاقوت التاویل۔

اسماء گرامی اولیاء جو شافعی گزرے ہیں:

امام محمد غزالیؒ۔ امام احمد غزالیؒ۔ مصلح الدین سعدی شیرازیؒ۔ حضرت شیخ عبد القادر محی الدین گیلانیؒ۔ حضرت سید احمد رفاعیؒ۔ ابوالحسن شاذلیؒ۔ محی الدین ابن عربیؒ۔ ابراہیم خواصؒ۔ حاجی علیؒ وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

اشعۃ اللمعات میں مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ قرن اول یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا زمانہ ۱۱۰ ہجری تک گنا جاتا ہے۔ اور دوسرا قرن یعنی تابعیں کا زمانہ ۱۷۰ھ تک اور تیسرا قرن یعنی تبع تابعین کا زمانہ ۲۶۰ ہجری تک اب نقشہ مندرجہ ذیل کے سنوں سے ہر ایک محدث اور امام کا تابعی یا تبع تابعی ہونا معلوم ہوسکتا ہے۔

نہایہ ابن اثیر اور طیبی میں ہے کہ حدیث خیر القرون قرن میں قرن زمانے کو کہتے ہیں جس کی مدت باعتبار عمر متوسط کے چالیس برس ہیں یا اسی برس یا سو برس۔ اور خیر بمعنی افعل التفضیل ہے۔ اب رہا یہ امر کہ امام اعظم رحمہ اللہ جب اتنے بڑے محدث تھے کہ یہ تمام محدث اور امام علاوہ فقاہت کے عالم حدیث میں بھی انہیں کے شاگردوں کے شاگرد ہیں تو اس کی کیا وجہ ہے کہ ان سے مثل بخاری اور مسلم کوئی بھی کتاب حدیث کی منقول نہیں پائی جاتی اور یہ محدث اپنی کسی کتاب میں ایک دو حدیث بھی امام سے روایت نہیں کرتے۔ اور ابن خلدون نے امام کی نسبت ایسا کیوں لکھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ ابن حجر عسقلانی ہدی الساری مقدمہ صحیح بخاری میں تحریر کرتے ہیں کہ منجملہ وجوہات مذکورہ کتب معتبرہ ایک وجہ یہ ہے کہ قرن اول اور شروع قرن تابعیوں میں اکثر اہل اسلام لکھنا کم جانتے تھے اور حافظے قوی رکھتے تھے۔ اور وہ جو مسلم شریف میں ہے کہ بخوف مخلط ہو جانے

قرآن[۱] کے ساتھ احادیث کے رسول اللہ ﷺ نے حدیثوں کے لکھنے سے منع فرما دیا تھا اس[۲] نہیں کا کسی قدر لوگوں کے دلوں میں اثر باقی تھا۔ لہذا نہ کسی صحابی نے کوئی کتاب حدیث پورے طور سے مرتب کی نہ کسی امام نے ان چاروں اماموں میں سے۔ اور یہ جو مسندیں مشہور ہیں جیسے مسند امام ابو حنیفہ مسند امام شافعی۔ بستان المحدثین میں ہے کہ یہ بعینہ ویسی ہی مسندیں ہیں جیسے مسندیں صحابہ کرام کی۔ مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ ہیں پچھلے لوگوں کو جس قدر حدیثیں حضرت ابو بکر سے پہنچیں ان کو ایک جگہ جمع کر کے جس طرح انھوں نے ان کا مسند ابو بکر رضی اللہ عنہ مسند عمر رضی اللہ عنہ نام رکھ دیا اسی طرح ان اماموں کے شاگردان شاگرد اور شاگردوں نے ان کی حدیثوں کو جس قدر ان کو ملیں ایک جگہ جمع کر کے مسند امام ابو حنیفہ مسند امام شافعی نام رکھ دیا چنانچہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی حدیثوں کو جنھوں نے مرتب کیا ہے وہ پندرہ امام معترب ہیں لہذا ان کی مسندیں بھی پندرہ ہی مشہور یں اور آج تک منقول چلی آتی ہیں۔ اور مسند امام شافعی رحمہ اللہ آپ کے شاگرد رفیع ابن سلمان کی مرتب کی ہوئی ہے اور امام مالک رحمہ اللہ نے بغرض منتخب کرنے اور ترتیب دینے کے اول دس ہزار حدیثوں کو جمع کیا تھا پھر ان سے منتخب کرتے رہے اور شاگرد سن سن کر علیحدہ جمع کرتے رہے لہذا موطا کے مختلف نسخے

[۱] واضح ہو کہ جو لوگ فن فصاحت و بلاغت سے پوری واقفیت رکھتے تھے ان سے تو یہ خوف قطعاً محال تھا مگر چونکہ اطراف سے عجمی بدوی آتے جاتے رہتے تھے غالباً ان کے واسطے یہ انتظام کیا گیا تھا کہ کبھی وہ حدیث اور قرآن دونوں کو لکھ لے جائیں اور سب کو قرآن سمجھ لیں۔ اور یہ امر موجب اختلاف ہو جائے۔ منہ غفر اللہ لہ و لکاتبہ ولو الدیھما۔

پھیل گئے اور آپ سب کو ایک جا جمع نہ کر سکے اور وہ موطا اسی شاگرد کے نام سے نامزد ہوگئی چنانچہ سولہ نسخے موطا کے مشہور ہیں اور ہر موطا میں حدیثیں باہم کم اور زیادہ بھی پائی جاتی ہیں۔ گو زیادہ اختلاف نہیں ہے منجملہ ان کے ایک موطا امام محمد رحمہ اللہ بھی ہے کہ جس میں بعض بعض حدیثیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہیں البتہ نسخہ یحیی بن یحیی اندلسی امام مالک رحمہ اللہ کے نام سے مشہور ہے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند کو اگرچہ خود جمع کیا تھا مگر بعد آپ کے آپ کے صاحبزادے اور ابوبکر قطیعی آپ کے شاگرد نے جس قدر حدیثیں آپ سے علاوہ مسند مذکور کے سنی تھیں ان کو بھی اس میں داخل کر دیا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ صحیح حدیثوں سے چونکہ ثابت ہے کہ فقیہ[۱] کا مرتبہ فقط زیادہ حدیثوں کی روایت کرنے والوں سے

[۱] چنانچہ مسند امام شافعی مدخل بیہقی مسند امام احمد سنن ترمذی اور ابوداؤد ابن ماجہ اور دارمی میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔ نضر اللہ عبدا سمع مقالتی فحفظہ ووعاھا واداھا فرب حامل فقہ غیر فقیہ ورب حامل فقہ الی من ہو افقہ منہ یعنی تر و تازہ رکھے اللہ اس بندہ کو جس نے میری بات کو سن کر یاد رکھا اور دوسروں کو پہنچا دیا اس واسطے کہ فقہ کے اٹھانے والے بہت سے ایسے ہیں کہ خود فقیہ یعنی سمجھدار اور مجتہد نہیں ہوتے۔ اور بہت سے ایسے ہیں کہ وہ فقہ کی بات یعنی سمجھ کی بات اس شخص تک پہنچا دیتے ہیں جو اس سے زیادہ سمجھدار ہو۔ بہرنہج رسول اللہ ﷺ کے نزدیک فضیلت فقیہ کو ہے چنانچہ دوسری حدیث مرویہ مشکوٰۃ میں ہے کہ جو امام زمانہ جہالت میں بہتر سمجھے جاتے تھے بعد اسلام لانے کے بھی بہتر ہی سمجھے جائیں گے جس وقت کہ وہ فقیہ ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ فقاہت سے کم قوم شریفوں پر فضیلت حاصل کر لیتا ہے۔ اسی واسطے جمہور متقدمین فرماتے ہیں کہ زیادہ حدیث روایت کرنے سے فقاہت حاصل کرنا بہتر ہے۔ خیرات الحسان میں ہے۔ الذی علیہ فقہاء جماعۃ المسلمین و علمائھم

زیادہ ہے امام اعظم رحمہ اللہ فقہ کی طرف یعنی قرآن سے حدیثوں سے ان مسئلوں کے نکالنے کی طرف جن تک ہر ایک فقیہ بھی نہ پہنچ سکے زیادہ مشغول رہے ورنہ آپ کے چار ہزار تو فقط تابعی علم حدیث کے استاد ہیں چنانچہ خیرات الحسان میں ہے۔[۲] انہ اخذ عن اربعۃ آلاف شیخ من الائمۃ التابعین وغیرھم و من

بقیہ۔ ذم الاکثار من الحدیث بدون تفقہ و تدبیر وقال ابن شبرمتہ اقل الروایۃ تفقہ یعنی زیادہ حدیثیں نہ بیان کرتا کہ تو فقیہ بن جائے۔ یعنی فقیہ کا کام زیادہ حدیثیں روایت کرنا نہیں ہے لہذا جماعت مسلمانوں کے عالم اور فقیہ بغیر فقاہت کے زیادہ حدیث روایت کرنے کو اچھا نہیں جانتے۔ فقیہ تو بہت ڈر کر حدیث بیان کرتا ہے جیسا کہ منہیہ آئندہ سے ظاہر ہے۔ اور امام ترمذی رحمہ اللہ سنن ترمذی کے صفحہ ۱۲۶ میں حدیث ام عطیہ کے متعلق مختلف قول امام شافعی امام مالک رحمہما اللہ کے نقل کر کے فرماتے ہیں۔ کذالک قال الفقھاء وھم اعلم بمعانی الحدیث۔ یعنی فقہاء اس حدیث کے متعلق ایسا ہی فرماتے ہیں اور حدیث کے معنوں کو وہی خوب جانتے ہیں۔ اور حضرت اعمش کا قصہ جو آپ کی کمال فقاہت اور حدیث دانی پر دال ہے۔ رسالہ ہدایۃ الطریق میں گزر چکا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ فقیہ تو آپ اتنے بڑے تھے کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں۔ الناس عیال علی فقہ ابی حنیفۃ۔ یعنی باعتبار فقاہت امام اعظم رحمہ اللہ کے سب بال بچے ہیں۔ ۱۲ منہ غفرلہ۔

[۲] یعنی تابعیوں میں سے جو امام گنے جاتے تھے ایسے چار ہزار تابعیوں سے امام اعظم رحمہ اللہ نے علم حدیث حاصل کیا تھا اسی واسطے امام ذہبی نے آپ کو حفاظ حدیث کے طبقہ میں گنا ہے اور جس کسی نے لکھا ہے کہ آپ کو فن حدیث میں کم دخل تھا اس کا باعث حسد ہے یا اس کی تحقیقات کی سستی ہے ورنہ اتنے بے شمار مسئلوں کا ایسے طریق پر قرآن حدیث سے نکالنا کیونکر ہو سکتا ہے اور پھر سب سے پہلے اس خوبی کے ساتھ مگر چونکہ آپ اس طرف مشغول رہے ظاہر میں آپ سے حدیث مشہور نہ ہوئی۔ جس طرح بوجہ مشغولی کے مصلحت مسلمانوں میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے زیادہ حدیث مشہور نہ ہوئی بخلاف ادنی مرتبہ کے صحابہ کے ان سے بہتر حدیثیں منقول ہیں ایسے ہی جس قدر حدیثیں پچھلوں سے منقول ہیں امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ سے منقول نہیں۔ ۱۲ منہ

ثم ذكره الذهبى وغيره فى طبقات الحفاظ من المحدثين و من زعم
قلته اعتنائه بالحديث فهو امالتسا هله اوحده اذليف بتاتى لمن هو
كذالک استنبط مثل ما استنبطه من المسائل التى لا تحصى كثرة مع
انه اول من استنبط من الادلة على الوجه المخصوص المعروف فى
كتب اصحابه رحمهم الله و لاجل اشتغاله بهذا لا هم لم يظهر حديثه
فى الخارج كما ان ابو بكر و عمر رضى الله عنها لما اشتغلا بمصالح
المسلمين العامة لم يظهر عنهما من رواية الاحاديث مثل ماظهر عمن
دونهما حتى صغار الصحابة و كذالک مالک و الشافعى لم يظهر
عنهما مثل ماظهر عن تفرغ للرواية كابى زرعة و ابن معين رحمهما
الله لا شتغالهما بذالک الاستنباط۔ اور تیسری وجہ یہ ہے کہ احادیث صحیحہ
سے چونکہ ثابت ہے کہ آدمی اگر جھوٹا بننا چاہے جو کچھ سنے اس کو روایت کرنا شروع
کر دے اسی واسطے فقہاء صحابہ زیادہ حدیث بیان کرنے سے ڈرتے تھے۔ اور
دوسری صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ میں کلمات جامع عطا کیا گیا ہوں یعنی اللہ نے
مجھ کو اس بزرگی کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ کہ میرا کلام مختصر ہوتا ہے اور بہت سے
معانی اور مطالب اس میں جمع ہوتے ہیں۔ بسبب حاصل ہونے قوت کاملہ حفظ کے
امام اعظم رحمہ اللہ جب تک یقینی طور سے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثابت
نہ ہو جائے اور یہ بات پایہ ثبوت کو نہ پہنچ جائے کہ یہ وہی الفاظ ہیں جو زبان معجز
بیان سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکلے تھے کسی حدیث کو فقط معانی حدیث کے یاد
رہنے کے بھروسہ پر نہ خود روایت کرنا جائز سمجھتے تھے نہ جب تک اس طریق پر یاد نہ

ہو دوسرے کو اجازت اپنی سے روایت کرنے کی دیتے تھے بخلاف دوسرے
مجتہدوں اور محدثوں کے کہ وہ بالمعنی روایت جائز رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ
باوجود امام کے شاگردوں کے شاگرد ہونے کے جو محدث اپنے میں امام کی شرط
کے موافق قوت حافظہ نہیں پاتے امام سے روایت نہیں کرتے ورنہ امام محمد اور امام
ابی یوسف رحمہما اللہ جس قدر حدیثوں کو بموجب شرط امام پاتے ہیں موطا اور آثار
وغیرہ میں روایت کرتے ہی ہیں۔ پھر اتنے معتبر لوگوں کے مقابلے میں ابن
خلدون کا قول سوائے دشمن امام دین کے کس عاقل کے نزدیک معتبر ہوسکتا ہے۔
علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ''الضوء اللامع فی اعیان القرن التاسع''
میں ابن خلدون کے حال میں تحریر فرماتے ہیں ولم یکن ماھرا بالعلوم
الشرعية یعنی ابن خلدون شریعت کے علموں میں مہارت نہیں رکھتا تھا۔
اندریں صورت قرآن اور حدیث کی پیروی کے مدعیوں سے اس باب میں
ابن خلدون جیسے کی پیروی کرنا اور امام جیسے مجتہد محدث کی تقلید کو بدعت کہنا بجز
نقصان ایمان اور کیا کہا جائے۔ حالانکہ تاریخ ابن خلدون کو جو فقط مصر میں چھپی
ہے میں نے جس زمانہ میں اس کا فارسی ترجمہ کیا تھا دیکھا ہے ایسی غلط چھپی ہے کہ
سیکڑوں جگہ ایک ایک سطر رہ گئی ہے اور اس کی سفیدی چھوڑ دی گئی ہے اور عبارت
اس کی بہت مختصر ہے اکثر جگہ مصنف نے ضمیروں ہی سے کام لیا ہے لہذا ترجمہ
بہت جگہ اگلے پچھلے مضمون کو ملا کر انکل ہی سے کیا جاتا تھا۔ اندریں صورت کیا
عجب ہے کہ مقصود ابن خلدون یہ ہو کہ صحابہ کرام سے امام فقط سترہ حدیثیں روایت
کرتے ہیں اور غلطی مطبع سے لفظ صحابہ رہ گیا ہو۔ چنانچہ یہ مضمون اور بھی بہت سے
علماء معتبر سے منقول ہے۔ درمختار میں ہے کہ علامہ شمس الدین محمد ابونصر بن عرب

شاہ اپنی کتاب جواہر العقائد میں تحریر فرماتے ہیں۔ ثمانية من الصحابة ممن روی عنهم الامام اعظم رحمه الله یعنی جن سے امام اعظم رحمہ اللہ نے حدیثیں روایت کی ہیں وہ آٹھ صحابہ ہیں۔ حضرت انس بن مالک، حضرت جابر بن عبد اللہ۔ حضرت عبد اللہ ابن ابی اوفی۔ حضرت ابو الطفیل عامر۔ حضرت ابن انیس۔ حضرت واثلۃ ابن اسقع۔ حضرت عبد اللہ بن حارث بن جزر۔ حضرت عائشہ بنت عجرو۔ اور شامی میں ہے کہ بہت طریقوں سے ثابت ہے کہ حضرت انس سے آپ تین حدیثیں روایت فرماتے تھے۔ اور اس میں بعض محدثوں کا کلام نقل فرماتے ہیں کہ علامہ تاش کبری نے آپ کی حدیثیں سننے کی نسبت صحابہ کرام سے بہت سی روایتیں نقل کی ہیں اور محدثوں کا قاعدہ مسلم ہے کہ ثبوت کی روایت نفی کی روایت پر مقدم رکھتے ہیں اور دو حدیثیں حضرت واثلہ ابن اسقع سے پھر بعد شرح اور بسط حالات آٹھوں صحابہ کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں کہ چار صحابہ کرام اور ہیں کہ ان سے بھی آپ کا حدیث روایت کرنا منقول ہے سہل بن سعد۔ سائب بن یزید۔ عبد اللہ بن بسر۔ محمود بن الربیع۔ اور چار صحابہ سے آپ کی ملاقات کرنی اور ان سے حدیثیں روایت کرنے کو تو اپنی تاریخ میں علامہ ابن خلکان رحمہ اللہ بھی نقل کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

وادرک ابو حنیفة اربعة من الصحابة واخذ عنهم و اصحابه یقولون انه بقی جماعة من الصحابة ولم یثبت ذالک عند اهل النقل و ذکر الخطیب فی تاریخ انه رای انس بن مالک و اخذ الفقه عن حماد بن سلیمان وسمع عطا بن ابی رباح

یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے چار صحابہ کو پایا اور ان سے حدیثیں بھی حاصل کیں اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ صحابہ کی ایک جماعت سے انھوں نے

ملاقات کی ہے۔ مگر یہ بات اہل نقل کے نزدیک ثبوت کو نہیں پہنچی۔ اور خطیب اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں کہ امام نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا اور فقہ حضرت حماد سے حاصل کی۔ اور عطاء بن ابی رباح سے حدیثیں سنیں۔ اس کے بعد علم حدیث میں آپ کے استادوں اور شاگردوں کے بہت نام لکھے ہیں۔ بہر نہج صحابہ کرام کو دیکھنے میں آپ کی نسبت کسی کو کلام نہیں۔ لہذا باتفاق جمہور آپ کا تابعی خیر القرون سے ہونا ثابت چنانچہ مولوی نذیر حسین صاحب نے معیار الحق میں جو کچھ لکھا ہے اُس سے بھی آپ کا تابعی ہونا ظاہر۔ ہاں یہ جو لکھا ہے کہ آپ کے اصحاب کہتے ہیں کہ صحابہ سے بھی آپ نے حدیثیں سنیں۔ مگر یہ امر اہل نقل کے نزدیک ثابت نہیں۔ محدثین سے آپ کے اصحاب کے مقابلہ میں اصحاب نقل کے نزدیک ثابت نہ ہونے کو حجت پکڑنا بہت بعید معلوم ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ محدثین کا تو یہ قول ہے کہ گھر والوں کے مقابلے میں باہر والوں کا زیادہ اعتبار نہیں ہوتا۔ گھر والے گھر کی بات سے زیادہ واقف ہوتے ہیں۔ پھر اصحاب امام جو امام کے گھر والے ہیں ان کے مقابلے میں اہل نقل کے نزدیک ثبوت نہ ہو تو کیا حرج ہے۔ چنانچہ ابو داؤد شروع صفحہ ۳۰۲ جلد اول سنن ابو داؤد مطبوعہ مطبع محمدی میں حدیث عبد اللہ بن یزید بن رکانہ کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ ابن جریج جو ابن عباس سے رکانہ کے تین طلاق دینے کی روایت نقل کرتے ہیں۔ اور عبد اللہ رکانہ کے پوتے ایک طلاق کی روایت عبد اللہ کی روایت بہ نسبت ابن جریج کی روایت کے زیادہ صحیح ہے۔ اس واسطے کہ عبد اللہ حضرت رکانہ کے گھر کے آدمی ہیں۔ اور گھر والے گھر کی بات سے زیادہ واقف ہوتے ہیں۔ فقط

واللہ اعلم وعلمہ احکم

تمام شد

تتمہ سوال و جواب محمدی و مقلد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمدی: مولانا ہماری جماعت کے ایک مولوی صاحب اگرچہ حنفیوں کو اپنے پھندے میں پھنسانے کی غرض سے وہ حنفی بنے ہوئے ہیں۔ مگر فی الواقع ہیں اسی جماعت کے جس سے مجھ کو نجات حاصل ہوئی ہے۔ وہ کہتے تھے کہ حنفیوں کے بلکہ تمام مقلدوں کے نزدیک عورتوں کو منہ کھول کر سرمہ لگا کر اسی طرح ہاتھوں میں کنگن۔ پہنچی۔ انگوٹھی۔ چھلے پہن کر ہاتھ پاؤں میں مہندی لگا کر پاؤں میں زیور پہن کر اگر تمام بدن کپڑوں سے چھپا ہو اور فقط منہ ہاتھ پاؤں بنے بجے کھلے ہوئے ہوں۔ اجنبی مردوں کے سامنے آنا اور ان کو اپنا حسن و جمال دکھانا اور مردوں کو ان کا تاکنا جائز ہے۔ حالانکہ حدیث صحیح میں آیا ہے۔ لعن اللہ المائلات والمميلات اللہ کی لعنت ہو ان عورتوں پر جو غیروں کی طرف خود میل کریں اور غیروں کو اپنی طرف مائل کریں۔ اس حدیث کو سن کر اس حنفی نما وہابی نے بحر الرائق میں یہ مسئلہ معہ سند حدیث کے جو ابوداؤد میں ہے دکھا دیا۔ ص ۱۶۳ ''فصل فی النظر واللمس'' بحر الرائق میں یہ موجود ہے جو درج ذیل ہے آپ بھی ملاحظہ فرمالیں۔

ومسائل النظر على اربعة اقسام نظر الرجل الى المرأة و نظر المرأة الى الرجل و نظر الرجل الى الرجل والمرأة الى المرأة. والقسم الاول على اربعة اقسام نظر الرجل الى الاجنبية و نظره الى زوجته و امته و نظره الى ذوات محارمه و نظره الا امته الغير والدليل على جواز النظر ماروى ان اسماء بنت ابى بكر رضى الله عنهما

دخلت على رسول الله صلى الله عليه وسلم و عليها ثياب رقاق فاعرض عنها رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال يا اسماء ان المرأة اذا بلغت المحيض لم يصلح ان يرى منها الا هذا و هذا و اشار الى وجهه و كفيه۔

ترجمہ: مسئلے نظر کے چار قسم پر ہیں۔ نظر کرنا مرد کا عورت کی طرف اور عورت کا مرد کی طرف اور مرد کا مرد کو اور عورت کا عورت کو پھر نظر کرنا مرد کا عورت کو چار قسم پر ہے۔ اجنبی عورت کو دیکھنا۔ یا اپنی بیوی کو دیکھنا۔ یا اپنی لونڈی کو دیکھنا۔ یا ماں بہن وغیرہا محرمات کو دیکھنا۔ یا غیر کی لونڈی کو دیکھنا اور ان سب کے منہ ہاتھ دیکھنے کے جواز میں۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ حضرات اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما باریک کپڑے پہنے ہوئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نے ان سے منہ پھیر لیا اور فرمایا اے اسماء جب عورت بالغ ہو جائے سوائے منہ اور ہاتھ کے اس کا کوئی عضو اس طرح نہ رہنا چاہیے کہ کوئی اجنبی اس کو دیکھ سکے۔

مگر میں نے جب اس حدیث کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یہ حدیث ابوداؤد میں ہے۔ مگر اس کی شرح عون المعبود مولفہ مولوی ابوالطیب شمس الحق میں (جو محمدیوں کے بڑے جید عالم ہیں اور بڑے بڑے غیر مقلدوں کے معتبر عالموں کی اس پر تقریظیں ہیں) اس حدیث کو ضعیف اور غیر معتبر لکھا ہے عون المعبود میں ہے کہ علامہ منذری فرماتے ہیں اس حدیث کی سند میں سعید بن بشیر ہے جس کی نسبت بہت سے نقاد حدیث کلام کرتے ہیں اور بہت کچھ چہ میگوئیاں منقول ہیں۔ اور حافظ ابوبکر احمد جرجانی اس حدیث کو نقل فرما کر لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو قتادہ سے سوائے سعید بن بشیر کے کسی نے نہیں نقل کیا۔ اور قتادہ کبھی روایت کرتے ہیں

خالد بن دریک سے کبھی یعقوب بن دریک سے اور کبھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کبھی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے۔ لہذا مضطرب بھی ہے اس سے تو حنفیوں کی حدیث دانی پر بڑا اعتراض وارد ہوتا ہے۔

مقلد: مولانا اب محمدی غیر مقلدوں سے نکل کر آپ کن علماء سوء بے مرشدوں و بے استادوں سے جا ملے جو حنفی بن کر بھولے بھالے حنفیوں کو وہابی بنانے کی مدتوں سے کوشش کر رہے ہیں اور یومنون ببعض و یکفرون ببعض کے مصداق بن رہے ہیں اگر بحر الرائق کو آپ خود دیکھ لیتے تو کبھی ایسے مغالطہ میں نہ پڑتے۔ بحر الرائق تو ''اجارہ فاسدہ'' تک ہی چھپی ہے۔ البتہ تتمہ بحر الرائق میں ہے جس کے مصنف علامہ محمد حسین طواطی ہیں جن کا حال معلوم نہیں۔ سوائے بحر الرائق علامہ زین الدین۔ ابن نجیم اس کے مصنف ہیں کہ اس حدیث ضعف کے ساتھ انھوں نے استدلال کیا ہے۔ جس کو دیکھ کر فقہائے حنفیہ کی حدیث دانی پر اعتراض ہو سکے۔

اس عبارت کے آگے اس طرح لکھتے ہیں:

ولا ینظر من اشتھیٰ الی وجھھا الا الحاکم و الشاھد و ینظر الطبیب الی موضع مرضھا والاصل انه لا یجوزان ینظر الی وجه الاجنبیة بشھوة الا لضرورة اذا تیقن بالشھوة او شک فیھا و فی نظر من ذکرنا مع الشھوة ضرورة فیجوز و کذا نظر الحاقنة والحاقن فیجوزو کذا نظر الخاتن اذا ارادان ید اوی مع الختان و یجب علی القاضی والشاھد ان یقصدو ادا الشھادة والحکم لا قضاء الشھوة تحرزاعن القبح بقدر الامکان ھذا وقت الا داء و اما وقت التحمل فلا یجوزان ینظر الیھا مع الشھوة لانه یوجد غیره ممن لا یشتھی فلا

حاجة الیه قال فی الغیاثیة واختلف المشائخ فیھما اذ ادعی الی التحمل وھو یعلم انه اذا نظر الیھا یشتھی فمنھم من جوز ذالک بشرط ان یقصد تحمل الشھادة لا قضاء الشھوة والاصح انه لا یجوزله ذالک قال بعض شراح الھدایة وقد ظھر بھذا اباحة النظر الی العورة الغلیظة عند الزنا لا قامة الشھادة علم اقول کذا و ما فی تفسیر سراج المنیر والجلالین عن جوازا باحة النظر فی وجه الی الخاتم و خضاب الید والکحل والوجه والیدین بین فیه الحرمة فی الوجه الثاین ورجحه فثبت بھذا کون وجه الا باحة مرجوحا و ضعیفا وقال الشامی رحمه الله فی رسم المفتی والفتوی علی قول المرجوح جھل وخرق للاجماع۔

ترجمہ: اور نہ دیکھے اجنبیہ کے منہ کو وہ شخص جو بلا ضرورت منہ دیکھنے کا خواہشمند ہو مگر حاکم بضرورت حکم اور گواہ بضرورت شہادت اور طبیب بغرض علاج فقط مرض کی جگہ کو دیکھ سکتا ہے اصل یہ ہے کہ اجنبی عورت کا منہ بلا ضرورت شرعی دیکھنا جائز نہیں جب شہوت کا یقین ہو یا شک ہی اور اشخاص مذکورہ حاکم وغیرہ کو بصورت شہوت بھی بضرورت شرعی جائز ہے ایسا ہی حقنہ کرنے والے مرد یا عورت کو یا ختنہ کے علاج کی غرض سے ختنہ کرنے والوں کو دیکھنا جائز ہے اور قاضی و گواہ پر لازم ہے کہ حتی المقدور منہ دیکھتے وقت حکم نافذ کرنے کا قصد رکھیں اور گواہی دینے کا۔ خواہش نفسانی پوری کرنے کا خیال ہرگز نہ رکھیں البتہ دیکھتے وقت اگر خوف شہوت ہو ہرگز منہ نہ دیکھیں اس لیے کہ ایسے بوڑھے بے طاقت کا گواہی کے لیے ملنا ممکن ہے جس کو قطعاً خواہش نہ ہو۔ اور فتاویٰ غیاثیہ میں ہے کہ ایسا شخص جس کو منہ عورت کا دیکھنے سے خوف شہوت کا ہو اگر گواہ بنانے کو بلایا جائے

اگر چہ اس میں اختلاف ہے تاہم صحیح یہی ہے کہ گواہ بننے کے لیے اس کو منہ دیکھنا جائز نہیں۔ اور بعض شراح ہدایہ نے کہا ہے کہ اوپر کی تحقیق سے ظاہر ہے کہ حد شرعی جاری کرانے کے لیے بامید ثواب گواہ بننے کی غرض سے زانی وزانیہ کی شرمگاہ دیکھنا جائز ہے فقط۔ کاتب الحروف کہتا ہے اسی طرح اور تفسیر جلالین اور سراج المنیر میں اگر چہ ایک وجہ سے انگوٹھی۔ مہندی۔ سرمہ۔ منہ ہاتھ اجنبی عورت کا دیکھنا جائز لکھا ہے مگر دوسری وجہ سے حرام لکھا ہے اور اسی وجہ کو ترجیح دی ہے لہذا ثابت ہو گیا کہ روایت جواز کی مرجوح اور ضعیف ہے پھر روایت راجح کے ہوتے ہوئے روایت مرجوح اور ضعیف کا کیا اعتبار شامی کے مطلب رسم المفتی میں ہے۔

فتویٰ دینا قول مرجوح اور ضعیف پر جہالت ہے اور اجماع کی مخالفت۔

بہر حال جملہ کتب فقہ اور تفسیر اور احادیث سے جہاں تک اس مسئلہ میں غور و خوض کیا گیا یہی ثابت ہوتا ہے کہ اجنبیہ غیر محرمہ آزاد عورت کے منہ ہاتھ بلکہ شرمگاہ تک دیکھنے کی اجازت مطلقا عند الضرورت الشرعیہ ہے اور بلا ضرورت بخوف فتنہ نہ مرد کو عورت کے کسی عضو کے دیکھنے کی اجازت اور نہ عورت کو کسی اجنبی مرد کے کسی عضو کے دیکھنے کی رخصت ہے۔ اور وہ جو تتمہ بحر الرائق کی عبارت بحر الرائق کے نام سے آپ کے حنفی نما غیر مقلد مولوی نے آپ کو دھوکے سے دکھائی ہے فی الواقع وہ تتمہ تصنیف صاحب بحر الرائق کا نہیں ہے۔ اور بعض دوسری کتب فقہ کی ظاہر عبارتوں سے بلا ضرورت مطلقا بلا شہوت خواہ شہوت کے ساتھ سرسری نظر میں جو نامحرم غیر عورت کے منہ ہاتھ دیکھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اگر بلا اختیار بغیر خواہش اور شہوت دیکھنے کے غیر عورت پر نگاہ پڑ جائے جائز ہے۔ اس پر مواخذہ نہیں نہ یہ کہ بلا ضرورت قصد خواہش اور شہوت کے ساتھ بھی دیکھنا جائز ہے۔ اس واسطے کہ جن آیت اور حدیثوں سے غیر عورت کے منہ

ہاتھ دیکھنے پر استدلال کیا ہے ان میں سے کسی آیت اور حدیث میں بھی دیکھنے ہاتھ منہ کا ذکر نہیں بلکہ فقط اتنا ذکر ہے کہ عورت کو منہ ہاتھ کا کھلا رکھنا جائز ہے۔ چنانچہ حدیث ضعیفہ حضرت اسماء بنت ابوبکر جو آپ کے حنفی نما غیر مقلد مولوی نے بحوالہ کاذبہ بحر الرائق آپ کو دکھائی ہے وہ اول قابل حجت نہیں اور نہ کسی معتبر فقیہ نے فقط اس سے استدلال پکڑا مگر با ایں ہمہ اس کے بھی یہ لفظ ہیں:۔

قال یا اسماء ان المرأة اذا بلغت المحیض لم یصلح ان یری منها الا هذا و هذا و اشار الی وجهه و کفیة۔

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسماء بنت ابوبکر کو (جو آنحضرت کی سالی تھیں) باریک کپڑے پہنے دیکھ کر فرمایا کہ اے اسماء جب عورت بالغہ ہو جائے تو جائز نہیں ہے کہ اس کے بدن سے سوا منہ ہاتھ کے کوئی عضو دیکھنے میں آئے یعنی کھلا رہے۔

اور جس آیت کریمہ کے ساتھ دوسرے فقہا اور صاحب بحر الرائق نے تمسک کیا وہ یہ ہے ولا یبدین زینتهن الا ما ظهر منها۔ (اور نہ ظاہر کریں عورتیں زینت اپنی مگر جو ظاہر ہے) اور بقول بعض ظاہری زینت سے مراد منہ اور ہاتھ ہیں اور بقول بعض محققین صحابہ کے اوپر کے کپڑے یعنی برقع چادر وغیرہ۔ بہر نہج زینت ظاہری سے مراد منہ ہاتھ ہو خواہ لباس ظاہری برقع یا چادر وغیرہ۔ آیہ کریمہ میں اس زینت ظاہری کے کھلا رکھنے کی عورت کو اجازت ہے نہ مردوں کو دکھانے کی اور نہ مردوں کو اس زینت ظاہری کو دیکھنے کی بلکہ احادیث صحیح اور آیات کریمہ سے مرد کو عورت پر نگاہ ڈالنے اور عورت کو مرد پر نگاہ ڈالنے کی سخت ممانعت ثابت ہے۔ چنانچہ سورہ نور کے چوتھے رکوع میں ہے۔

قال اللہ تعالیٰ. قل للمومنین یغضوا من ابصارهم و یحفظوا

فروجهم ذلک ازکی لهم ان الله خبیر بما یصنعون. وقل للمومنات
یغضضن من ابصارهن و یحفظن فروجهن ولا یبدین زینتهن الا ما
ظهر منها و لیضربن بخمرهن علی جیوبهن ولا یبدین زینتهن الا
لبعولتهن او آبائهن او آباء بعولتهن او ابنائهن او بناء بعولتهن او
اخوانهن او بنی اخوانهن او بنی اخواتهن او نسائهن او ما ملکت
ایمانهن او التابعین غیر اولی الاربة من الرجال او الطفل الذین لم
یظهروا علی عورات النساء ولا یضربن بارجلهن لیعلم ما یخفین من
زینتهن وتوبوا الی الله جمیعاً ایها المومنون لعلکم تفلحون۔

ترجمہ: اے ہمارے حبیب فرمادیجئے مومنوں کو کہ بند رکھیں وہ آنکھیں اور
حفاظت کریں شرمگاہوں اپنی کی یہ بہت پاکیزگی کی بات ہے ان کے لیے بے
شک اللہ خبردار ہے ان کے کرتبوں پر اور فرمادیجئے مومن عورتوں کہ بند رکھیں وہ
آنکھیں اپنی اور حفاظت کریں شرمگاہوں اپنی کی اور نہ ظاہر کریں بناؤ اپنا مگر جو
ظاہر ہے۔ اور چاہیے ڈالے رکھیں اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر اور نہ ظاہر کریں
اپنے بناؤ سنگار سوائے اپنے شوہروں کے اور اپنے باپوں اور اپنے شوہروں کے
باپوں کے۔ یا اپنے بیٹوں اور شوہروں کے بیٹوں کے اور اپنے بھائی بھتیجے بھانجوں
کے یا اپنے ہم مذہب مسلمان نیک چلن عورتوں کے اور اپنے غلاموں کے ایسے
ساتھ رہنے والوں کے مردوں اور لڑکوں سے جن کو خواہش کا مادہ نہیں اور وہ
عورتوں کی چھپی باتوں (جماع اور بوس وکنار وغیرہ) سے واقف نہیں اور نہ پاؤں
مار کر چلیں دھمکے سے تاکہ ان کے زیور کا زیور کی آواز سے علم ہوجائے جس کا ان کو
چھپانا ضرور ہے۔ اور تمام ایمان والو اور ایمان والیو توبہ کرو تم سب (اپنی لغزشوں
سے) طرف اللہ کی تاکہ تم فلاح پاؤ۔

اور طحاوی شریف میں مختلف سندوں کے ساتھ مختلف الفاظ سے مروی ہے۔
کما سیجئی یا علی لک الاولی و علیک الثانیه ۔ اے علی پہلی نگاہ جو
اچانک کسی عورت پر پڑ جائے وہ تو تم کو معاف اور جو قصداً دوبارہ نگاہ ڈالی تو اس کا
وبال و نکال تم پر ثابت ہوگا۔

اسی بنا پر علامۂ عصر ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ تفسیر احمدی میں تحریر فرماتے ہیں۔

فی الھدایة ولا یجوزان ینظر الرجل الی الاجنبیة الا الی وجھھا وکفیھا لقولہ تعالی ولا یبدین زینتھن الا ماظھر منھا قال علی و ابن عباس ماظھر منھا الکحل والخاتم والمراد مواضعھما و سرور الکلام الی اخرہ والمقصود انہ تمسک بھذہ الایة ان لاینظر الرجل الی الاجنبیة الا الی وجھھا و کفیھا ولا یتم ذالک الا بانضمام قمدمة و ھی انہ لما جوز اللہ تعالیٰ اظھار الوجہ والکف علم انہ جوز للناظر الاجنبی النظر الیھما والمذکور فی الآیة ماھو من جانب المرأة دون ما ھو من جانب الناظر و این ھذا من ذاک ولذالک تری صاحب البیضاوی لم یجز النظر الی الوجہ والکف مع انہ تیقن بجواز اظھار الوجہ والکف حیث قال وقیل المراد بالزینة مواضعھا والمستثنی الوجہ والکفان لانھا لیست بعورة والاظھر ان ھذا فی الصلوة لا فی النظر فان کل بدن العورة عورة لا یحل لغیر الزوج والمحارم النظر الی شئی منھا الا لضرورة کالمعالجة وتحمل الشھادة ھذا کلامہ و لا یخفی حسنہ۔

ہدایہ میں ہے اور نہیں جائز یہ کہ دیکھے مرد قصدا یا بلا قصد طرف اجنبی عورت کے مگر منہ اور ہتھیلیاں اس کی بسبب فرمان اللہ جلشانہ کے اور نہ ظاہر کریں عورتیں زینت اپنی مگر زینت ظاہری اور حضرت علی اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مراد زینت ظاہری سے سرمہ اور انگوٹھی اور منہ ہاتھ جس میں سرمہ لگاتے ہیں اور انگوٹھی پہنتے ہیں۔ الخ الغرض صاحب ہدایہ نے اس آیۃ سے تمسک

کیا ہے اس امر پر کہ مرد کو اجنبی عورت سے سوا منہ ہاتھ کے دیکھنا جائز نہیں مگر اس آیۃ سے یہ مدعا تب تک ثابت نہیں ہو سکتا جب تک پہلے یہ مقدمہ تسلیم کر لیا جائے۔ کہ اللہ جلشانہ نے جب عورتوں کو منہ ہاتھ کھلے رکھنے کی اجازت دے دی تو ضرور دیکھنے والوں کو اجنبی عورت کے منہ دیکھنے کی بھی اجازت ہو گئی حالانکہ آیۃ کریمہ میں عورت کو فقط منہ ہاتھ کھلے رکھنے کی اجازت ہے۔ دیکھنے والون کو دیکھنے کی اجازت کا مطلقا ذکر نہیں اس واسطے صاحب تفسیر بیضاوی فرماتے ہیں کسی کو اجنبی عورت کا منہ ہاتھ دیکھنے کو اللہ جلشانہ نے جائز نہیں رکھا باوجودیکہ صاحب بیضاوی کو اس امر کا معنی آیۃ کریمہ سے یقین ہے کہ عورت کو منہ ہاتھ کھلے رکھنا جائز ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ مراد زینت ظاہری سے زینت حاصل کرنے کی جگہ منہ اور ہاتھ ہے اور مستثنی لایبدین زینتھن سے منہ اور ہتھیلیاں ہی ہیں۔ اس واسطے کہ منہ اور ہتھیلیاں عورت نہیں ہیں جن کا چھپانا عورت پر لازم ہو۔ اور ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ منہ ہاتھ کھلے رہنے کی اجازت اور منہ ہاتھ کا عورت واجب الستر نہ ہونا فقط نماز کے اعتبار سے ہے نہ کہ لوگوں کے دیکھنے دکھانے کے اعتبار سے۔ اس واسطے کہ (بموجب حدیث ترمذی شریف المرأة عورة) عورت کا تمام بدن عورت واجب الستر ہے سوا شوہر اور محارم کے بلا ضرورت علاج اور شہادت وغیرہ عورت سے کچھ بھی دیکھنا جائز نہیں فقط"۔ بعد اس کے ملا احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ خوبی تحقیق بیضاوی ظاہر ہے کسی پر مخفی نہیں۔ انتہی

ظاہر کلام ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ سے ہدایہ کی عبارت پر اعتراض سمجھا جاتا ہے اور مضمون بیضاوی شریف کی تحسین مگر یہ فرمانا ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ کا جبھی صحیح ہو سکتا ہے جب عبارت ہدایہ کے یہ معنی لیے جائیں کہ مرد کو عورت کے بدن سے قصداً کسی عضو کا دیکھنا جائز نہیں سوا منہ اور ہتھیلیوں کے اور اگر یہ معنی لیے

جائیں کہ بلا قصد اچانک بھی جائز نہیں ہے اجنبی مرد کو اجنبیہ عورت کی کسی عضو کا دیکھنا سوائے منہ اور ہتھیلیوں کے لہذا بلا قصد اگر ہاتھ منہ کسی عورت پر نظر پڑ جائے تو معاف ہے۔لہذا علامہ بیضاوی اور دوسرے مفسرین اور صاحب ہدایہ وغیرہ کی عبارت میں کچھ بھی اختلاف نہ رہے گا۔ چنانچہ علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ نے بحر الرائق میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔تتمہ بحر الرائق میں علامہ محمد ابن حسین تحریر فرماتے ہیں۔قال صاحب الکنز رحمه الله ولا ینظر الی غیر وجه الحرة و کفیها قال الشارح زین الدین ابن نجیم فی البحر الرائق وهذا الکلام فیها خلل لانه یودی الی انه لا ینظر الی شی من الاشیاء الا الی وجه الحرة و کفیها فتکون تحریضا الی النظر الی هذین العضوین و الی ترک النظر الی کل شی سواهما۔جس سے صاف ظاہر ہے کہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ اگر نگاہ اتفاقیہ پڑ جائے تو جائز ہے اس پر مواخذہ نہیں نہ یہ کہ قصداً نگاہ اجنبی پر ڈالنے کی طرف امادہ کیا جاتا ہے۔اب اس تقدیر پر یہ معنی کے مطابق ہو جائے گی ان احادیث مذکورہ طحاوی شریف کے بھی جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے با سانید مختلفہ اور حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے طحاوی شریف میں منقول ہیں۔اور نیز دیگر احادیث صحیحہ صحاح ستہ بلکہ صحیحین کے دیکھو جلد اول طحاوی شریف میں ہے۔

عن علی رضی الله عنه قال ان النبی صلی الله علیه وسلم قال له یاعلی ان لک کنزا فی الجنة وانک ذوقرنیهما فلا تتبع النظرة النظرة فانما لک الاولی ولیست لک الآخرة و فی روایة عنه لیست لک الثانیة. و عن جریر رضی الله عنه قال سالت رسول الله ﷺ عن نظر الفجاءة قال اصرف بصرک و فی روایة عن علی کرم الله وجهه النظرة الاولیٰ لک والآخرة علیک۔

علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے علی تمہارے لیے جنت میں خزانہ ہے اور بے شک ادھر تک مالک جنت ہو۔ پس اگر تمہاری نظر اچانک کسی عورت پر پڑ جائے قصداً اس کے بعد دوبارہ نہ دیکھو پہلی نظر تم کو معاف نہ کہ پچھلی اور ایک روایت میں ہے نہ کہ دوسری نظر اور حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور سے پوچھا کہ اچانک بے اختیار اگر کسی عورت پر نگاہ پڑ جائے تو کیا مواخذہ ہوگا۔فرمایا نہیں فوراً نگاہ اس طرف سے پھیر لے۔(یہ ترجمہ بغرض سمجھانے عوام کے وضاحت سے معہ مطلب کیا گیا ہے)۔
اور ایک روایت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پہلی نگاہ تمہاری ہے یعنی معاف ہے اور دوسری تمہارے اوپر موجب وبال ونکال ہے۔اور مویدیان احادیث کی احادیث صحیحین آگے بیان کی جائیں گی انشاءاللہ۔

اور اگر بعض عبارات کتب فقہ ہدایہ وغیرہ کے یہی معنی مراد لیے جائیں کہ قصداً بھی اجنبیہ عورت کے منہ اور ہتھیلیوں کو اور پہنچوں کو معہ زیور و بلا زیور دیکھنا جائز ہے تب بھی یہ جواز ہدایہ وغیرہ کتب فقہ میں مقید ہے اس امر کے ساتھ کہ خیال بد اور حرام کے ساتھ نہ دیکھے۔ورنہ بالاتفاق خیال بد کے ساتھ منہ اور ہاتھ پاؤں اور اس کے ظاہری کپڑوں کی طرف بھی دیکھنا بالاتفاق حرام ہے۔چنانچہ ہدایہ ہی میں ہے۔

ان کان لایأمن الشهوة لاینظر الی وجهها الا لحاجة لقوله علیه الصلوة والسلام من نظر الی محاسن امرأة اجنبیة عن شهوة صب فی عینه الآنک و فی الشامی و شرط لحل النظر الیها الا من بطریق الیقین عن الشهوة۔

ترجمہ: اگر شہوت سے امن نہ ہو عورت کے منہ کو بھی نہ دیکھے مگر بوقت حاجت ضروری (مثلاً علاج یا شہادت وغیرہ کے لیے) بحسب فرمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ جس نے اجنبی عورت کا حسن و جمال بنظر شہوت دیکھا جہنم کا سیسہ (سکہ) اس کی آنکھوں میں ڈالا جائے گا۔ اور شامی میں ہے عورت کی طرف دیکھنے کا جواز تب ہے کہ شہوت سے امن یقینی ہو۔

اور دونوں شرح ہدایہ (فتح القدیر اور کفایہ) میں ہے۔

وحديث عائشة رضى الله عنها اخرجه ابو دائود و ابن ماجة قالت كان الركبان يمرون بنا و نحن مع رسول الله ﷺ محرمات فاذا حاذونا سدلت احدانا جلبابها من رأسها على وجهها فاذا جاوزونا كشفناه قالوا والمستحب ان تسدل على وجهها شيئا (فى الاحرام) و تجافيه و قد جعلو الذالك اعواداً كالقبة توضع على الوجه و يسدل فوقها الثوب و دلت المسئلة على ان المرأة منهية عن ابداء وجهها للاجانب بلا ضرورة وكذا دل الحديث عليه۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ابو داؤد اور ابن ماجہ نے یوں روایت کی ہے کہ آپ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) نے فرمایا کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ احرام باندھے ہوئے ہوتی تھیں تو سوار ہمارے پاس سے گزرتے تھے پھر جب بالمقابل آتے وہ ہمارے تو ہم میں سے ہر ایک اپنی اپنی چادر سر سے منہ پر ڈال لیتی پس جب وہ ہم سے گزر جاتے تو منہ کھول لیتیں۔ شارحین کہتے ہیں کہ عورت کے لیے یہ امر مستحب ہے کہ بوقت احرام اپنے منہ پر کوئی کپڑا ڈال رکھے اور ڈھانک رکھے۔...... اور یہ مسئلہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ عورت بلا ضرورت اپنا منہ اجنبی (غیر محرم) مردوں کے سامنے کرنے سے منع

کی گئی ہے اور ایسے ہی حدیث شریف بھی اسی امر پر دلالت کرتی ہے۔

اور جب شہوت سے یقیناً امن ہو اس وقت بھی منہ اور ہاتھ دیکھنا عورت اجنبیہ کا علاوہ ذی رحم محرموں کے ان قریب کے رشتہ داروں کو جائز ہے نہ کہ عام لوگوں کو جو ذی رحم محرم نہ ہوں۔ یعنی یہ عورت ان پر حرام نہ ہو۔ مگر بوجہ نزدیکی رشتہ اور کثرت آمد و رفت ان لوگوں کے گھر میں مثل دیور جیٹھ وغیرہ کے منہ ہاتھ چھپانے میں سخت تکلیف اور دقت دینے لینے آپس کی چیزوں کے کاروبار خانگی میں حرج واقعہ ہو۔ بلکہ پکانا کھانا دشوار ہو جائے۔ خصوصاً ایسے غریب لوگوں کو جو باہم باپ دادا کے وقت سے ایک مختصر سے مکان میں بذریعہ میراث شرکت رکھتے ہوں۔ اور وہ رشتہ دار جو عورت کے ذی رحم محرم ہوں یعنی یہ عورت ان پر حرام ہو جیسے باپ بھائی۔ بھتیجے۔ بھانجے وغیرہم ان کو تو ننگے سر بیٹھی ہوئی کو دیکھنا بھی درست ہے اور ثبوت اس امر کا آیہ کریمہ مذکورہ سورہ نور سے پہلے گزر چکا اور نا محرم قریب کے رشتہ داروں کے تصریح امام علامہ ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ کے بیان سے ظاہر ہے جو مجتہدین فی المذہب سے شمار کئے گئے ہیں اور فقہاء مرجحین سے ہونے میں تو کوئی کلام ہی نہیں کر سکتا امام ممدوح باب الحجاب شرح معانی الآثار میں عورتوں کے پردے کی تمام احادیث متعارضہ اور مختلف اقوال فقہا لکھ کر آخر میں بموجب اپنی عادت کے مسلک امام اعظم رحمہ اللہ کو عقلاً و نقلاً تمام اقوال پر ترجیح دے کر اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

فراينا ذا الرحم لا بأس اينظر الى المرأة التى هو لها محرم الى وجهها وصدرها و شعرها و مادون ركبتيها و رأينا القريب منها ينظر الى وجهها و كفيها فقط۔

"ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن و حدیث سے بالاتفاق ثابت ہے کہ ذی رحم محرم کو

یعنی ان رشتہ داروں کو جن پر عورت حرام ہو عورت کا منہ سینہ بال اور گھٹنے سے نیچے
کا بدن یعنی پنڈلی بھی دیکھنا جائز ہے اور ان نزدیکیوں کو جن پر وہ عورت حلال ہو
فقط منہ اور ہتھیلیوں کا دیکھنا۔'' فقط

بہر نہج ذی رحم محرم کو بال اور سینہ تک کا دیکھنا اور قریب کے رشتہ داروں کو منہ
ہاتھ بقدر دفع حرج اور تنگی کے دیکھنا جائز ہے نہ کہ مطلقاً جیسے کہ جان کے ضائع
جانے کے بقدر ضرورت سور کھانا جائز ہے نہ کہ مطلقاً۔ چنانچہ اشباہ والنظائر میں
ہے۔

المشقة تجلب التيسير والاصل فيها قوله تعالىٰ يريد الله بكم
اليسر ولا يريد بكم العسر وقوله تعالىٰ و ماجعل عليكم فى الدين من
حرج. و فى الحديث احب الدين الى الله الحنيفية السمحة قال
العلماء فيخرج على هذه القاعدة جميع رخص و تخفيفاة ثم قال من
جملة امثلة و منه اباحة النظر للطبيب و الشاهد و عند الخطبة۔

'' جب امر میں مشقت اور تکلیف مالا یطاق ہو شریعت نے آسانی کے طریق
رکھے ہیں بسبب فرمان اللہ جلشانہ کے۔ ارادہ کرتا ہے ساتھ تمہارے اللہ آسانی
کا نہ کہ تنگی کا اور نہیں کی اللہ نے بیچ دین کے تنگی۔ اور حدیث میں ہے زیادہ پیارا
دین اللہ کے ہاں سیدھا اور آسان ہے'' علماء فرماتے ہیں اس قاعدہ سے تمام
رخصتیں وآسانیاں ماخوذ ہیں منجملہ بہت سی مثالوں تخفیف دینی کے فرماتے ہیں یہ
امور بھی ہیں کہ طبیب کو بغرض علاج عورت اجنبیہ سے اتنی جگہ بدن کی دیکھنا جائز
ہے جس کے دیکھے بغیر علاج ناممکن ہو۔ اور شاہد کو بغرض شہادت اور منگنی کرنے
والے مرد کو بد منگنی کے اپنی مخطوبہ یعنی منگیتر کے منہ کو۔''

اور بدائع الصنائع میں ہے۔

انما يحل النظر الى مواضع الزينة الظاهرة منها من غير شهوة
فاما من شهوة فلا تحل لقوله عليه السلام العينان تزنيان وليس زنا
العين الا النظر عن شهوة ولا النظر عن شهوة سبب الوقوع فى الحرام
فيكون حراما الافى حالته الضرورة بان دعى الى شهادة او كان حاكما
فارا دان ينظر اليها ليجيز اقرارها عليها بأس ان ينظر الى وجهها و ان
كان لو نظر اليها لا شتهى او كان اكبر رأيه ذالك لان الحرمات قد
يسقط اعتبارها لمكان الضرورة الاترىٰ انه رخص النظر الى عين
الفرج على قصد اقامة حسبة الشهادة على الزنا و معلوم ان النظر الى
الفرج في الحرمة فوق النظر الى الوجه ومع ذالك سقطت حرمة
لمكان الضرورة فهذا اولىٰ و كذا اذا ارادان يتزوج امرأة فلا بأس ان
ينظر الى وجهها و ان كان عن شهوة لان النكاح بعد تقدم النظر ادل
على الالفة والموافقة الداعية الى تحصيل المقاصد على ماقال النبى
ﷺ للمغيرة للنظر الى وجه المخطوبة وعلله بكونه و سيلة الى
الالفة و اما المرأة فلا تحل لها النظر من الرجل الا جنبى مابين السرة
الى الركبة ولا بأس ان تنظر الى ماسوى ذالك اذا كانت تأمن على
نفسها۔

'' بے شک حلال ہے اجنبی عورت کی ظاہری زینت (منہ ہاتھ برقع وغیرہ)
کا دیکھنا بغیر شہوت کے اور شہوت کے ساتھ ہرگز جائز نہیں بسبب فرمان آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے جو فرمایا ہے کہ مردوں کی آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں اور آنکھوں
کا زنا شہوت کے ساتھ دیکھنے کے سوا کچھ نہیں پھر نظر شہوت ہی زنا کا سبب ہو جاتی
ہے لہذا عورت کا منہ ہاتھ دیکھنا حرام ہوا مگر بضرورت جیسے حاکم کو بغرض نفاذ حکم

اور گواہ کو بغرض اداشہادت اجنبی عورت کا منہ دیکھنے میں کوئی ڈر نہیں اگرچہ دیکھنے
سے شہوت کا یقین ہو یا غالب گمان شہوت کا ہو۔ اس واسطے کہ حرمت کا اعتبار
وقت ضرورت کے (بموجب قاعدہ مذکورہ اشباہ والنظائر) ساقط ہو جاتا ہے کیا
بامید حاصل کرنے ثواب حد شرعی قائم کرانے کے (تاکہ زنا کرنا لوگ چھوڑ
دیں۔) زانی زانیہ کی شرمگاہوں کا عین زنا کے وقت دیکھنا ناجائز نہیں ہے۔
حالانکہ عورت کا منہ دیکھنے کی بہ نسبت شرمگاہوں کا دیکھنا سخت حرام ہے مگر بوجہ
ضرورت دینی حرمت ساقط ہوگئی تو عند الضرورت عورت کا منہ دیکھنے کی حرمت
بہت بہتر ہے کہ ساقط ہو جائے ایسی ہی نکاح کرنے کی غرض سے بامید موافقت
قائم رہنے کے بعد از نکاح منگنی کے بعد عورت مخطوبہ یعنی منگیتر کا منہ دیکھنا جائز
ہے۔ گو دیکھنے سے شہوت پیدا ہو یعنی دوبارہ دیکھنے کو جی چاہے۔ (تاکہ بغیر دیکھے
نکاح کر لینے پر اگر بدشکل یا بیمار نکلے تو مقاصد نکاح جو باہمی الفت اور موافقت
ہے فوت نہ ہوں اس واسطے کہ حضرت مغیرہ کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
مخطوبہ کا منہ دیکھنے کی اجازت فرمائی تھی اور وجہ اس کی یہی بیان فرمائی کہ دیکھ کر
نکاح کرنا وسیلہ ہے ہمیشہ محبت قائم رہنے کا۔ البتہ عورت کو مرد اجنبی کا تمام بدن سوا
ناف سے گھٹنے تک اگر یقیناً شہوت کا خوف نہ ہو جائز ہے۔" انتہی ترجمہ)

اور اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو
حبشیوں کا پٹے کا کھیل دکھلایا تھا تاکہ دیکھ کر اس فن کو سیکھ لیں اور اگر ایسا موقعہ آ
پڑے تو کافروں سے جان بچالیں۔ یہ بات نہ تھی کہ حبشیوں کا منہ دکھانا بشہوت
مقصود تھا (نعوذ باللہ منہا) اور ظاہر ہے کہ حبشیوں کا منہ دیکھنے کو کس کا جی چاہتا ہے
بدشکل کے دیکھنے کو تو بالطبع کسی کی خواہش ہی نہیں ہوتی چنانچہ علامہ عینی حنفی نے
شرح بخاری میں اور علامہ نووی شافعی نے شرح مسلم میں ایسا ہی لکھا ہے۔ اور

جہاد کے موقعہ پر تو ظاہر ہے کہ مردوں کو عورتوں کے منہ کی طرف قصداً شہوت کے
ساتھ دیکھنے کا موقعہ ہی نہیں ہوتا۔ اور عورتیں اگر مردوں کا منہ دیکھ لیں تو جائز ہی
ہے اس واسطے ایسے موقعہ پریشانی میں شہوت کا تو وہم بھی نہیں ہو سکتا۔ البتہ وقت
آسائش اور گمان شہوت بغرض دفع حرج اور تکلیف مالایطاق کے اگرچہ قریب
کے رشتے داروں (جیٹھ دیوروں وغیرہ) غیر ذی رحم محرم کو بضرورت منہ ہاتھ
دیکھنے کی اجازت دے دی گئی۔ مگر اتنا ڈرا دیا کہ ایمان دار عورت حتی المقدور
جہاں تک ممکن ہو حسب طاقت اس طرح گھر میں کبھی نہ رہے کہ کوئی جیٹھ دیور
وغیرہ منہ ہاتھ دیکھ سکے۔ باب النظر الی المخطوبۃ مشکوۃ شریف میں ہے۔

عن عقبه تن عامر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اياكم
والدخول على النساء فقال رجل يارسول الله ارأيت الحمو قال
الحمو الموت۔ رواہ البخاری والمسلم۔

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
دور رکھو تم اپنے آپ کو نامحرم عورتوں کے گھر داخل ہونے سے۔ ایک شخص نے
عرض کیا کہ جیٹھ دیور وغیرہ عورت کے خاوند کے رشتہ داروں کو بھی یہی حکم ہے۔
فرمایا وہ تو موت ہیں۔

اشعۃ اللمعات میں ہے۔ یعنی جیٹھ دیور وغیرہ خاوند کے رشتہ داروں کا فتنہ تو
سب سے زیادہ ہے بسبب کثرت آمد و رفت ان لوگوں کے گھر میں اور زنا پر قوت
پاسکنے کے بسہولت۔ یہ حدیث بخاری شریف اور مسلم شریف کی ہے۔

عن جرير بن عبد الله قال سالت رسول الله ﷺ عن نظر الفجاءة
فامرني ان اصرف وجهي. وعن جابر رضي الله عنه قال قال رسول
الله صلى الله عليه وسلم ان المرأة تقبل في صورة شيطان و تدبر في

صورۃ شیطانؐ اذا احد کم اعجبۃ المرأۃ توقعت فی قلبہ فلیعمد الی امرأتہ فان ذالک یرد ما فی نفسہ رواھما مسلم۔

اور حضرت جریرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر اچانک میری نگاہ کسی عورت پر پڑ جائے فرمایا فوراً منہ پھیر لے۔ جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بے شک عورت صورت میں شیطان کے آتی جاتی ہے لہذا جب کسی کو بے اختیار نظر پڑنے سے کوئی عورت پسند آئے اور دل میں برا وسوسہ پیدا ہو تو چاہیے کہ اپنی بیوی سے ہم بستر ہولے۔ تو وہ وسوسہ جاتا رہے گا۔ دونوں حدیثیں مسلم کی ہیں۔

یہاں تک جو کچھ لکھا گیا یہ تحقیق اس تقدیر پر ہے کہ مراد زینت ظاہری سے منہ اور ہاتھ لیے جائیں۔ اور اگر مذہب حضرت حسن بصری اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رحمہما اللہ کو معتبر سمجھا جائے جو فقاہت میں استاد ہیں حضرت علقمہ اور اسود رحمہما اللہ کے اور وہ دونوں حضرت حماد کے اور وہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے تو پھر قصداً اور بلا قصد اجنبیہ پر نظر ڈالنے کی بحث کی چنداں ضرورت ہی نہیں اس واسطے کہ برقع اور چادر وغیرہ اوپر کے کپڑوں میں جب عورت چھپی ہو وہ تو اس طرح ہے جیسے مکان میں چھپی بیٹھی ہے۔ دیکھو علامہ ابن جریرؒ اپنی تفسیر میں اول حضرت حسن بصری اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا مذہب نقل فرماتے ہیں۔

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال الزینۃ زینتان فالظاھرۃ منھا الثیاب وما خفی الخلخا لان والقرطان والسوا ران. و بسند آخر عنہ انہ قال و لا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا قال ھی الثیاب و ھکذا عنہ بخمس اسانید و بسند آخر عن الحسن فی قولہ الا ما ظھر منھا قال

الثیاب و فی روایۃ قال ابو اسحاق الاتری انہ قال خذوا زینتکم عند کل مسجد وقال آخرون الظاھر من الزینۃ التی ابیح لھا ان بتدیہ الکحل والخاتم والسوا ران والوجہ۔

ترجمہ: عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں زینت دو قسم کی ہوتی ہے (۱) زینت ظاہری۔ یعنی اوپر کے کپڑے (برقع چادر وغیرہ) ہے۔ اور (۲) زینت پوشیدہ ہے۔ یعنی پازیب۔ بالیاں کنگن وغیرہ۔ اسی طرح پانچ سندوں سے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہی مضمون ثابت ہے۔ اور دوسری سند سے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے اور ابو اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زینت ظاہری سے کپڑے مراد لینے پر دلیل ظاہر یہ دوسری آیت ہے۔ خذوا زینتکم عند کل مسجد اس کے معنی جمہور کے نزدیک یہی ہیں کہ نماز کے وقت ہر مرد عورت پر لازم ہے کہ زینت حاصل کر لیں یعنی جو میسر ہوں سب کپڑے پہن کر نماز پڑھیں۔ اور ان کے علاوہ بعض دوسرے مفسر تابعیوں کا قول ہے کہ مراد ظاہری زینت سے اس آیت میں جس کے ظاہر کرنے کی عورتوں کو رخصت ہے۔ سرمہ انگوٹھی کنگن اور منہ ہے۔''

اور اسی مسلک کی جو حضرت حسن بصری اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ آیہ کریمہ ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا میں زینت ظاہری سے مراد آزاد عورتوں کے حق میں اوپر کے کپڑے چادر اور برقع وغیرہ ہیں جن کے چھپانے میں حرج عظیم ہے۔ خصوصاً گھر کے نامحرموں جیٹھ دیور وغیرہ سے۔ اور ان کپڑوں میں عورت مثل مکان میں چھپی رہنے کے چھپی رہتی ہے نہ کہ منہ اور ہاتھ۔ یہ بہت سی احادیث ہیں جن کے حسن ہونے میں تو بوجہ کثرت طرق شک ہی نہیں۔ مگر ان میں بعض صحیح بھی ہیں اور باتفاق حسن مثل صحیح کی واجب العمل

ہوتی ہے اور نیز یہ آیۃ کریمہ جس کے تحت میں علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں ان احادیث کو نقل کیا ہے دیکھو تفسیر در منثور تحت قولہ تعالیٰ۔

یآایھا النبی قل لا زواجک و بناتک ونساء المومنین یدنین علیھن من جلابیبھن ذلک ادنی ان یعرفن ولا یوذین و کان اللہ غفوراً رحیماً۔

اے نبی فرما دیجئے اپنی بیویوں اور بیٹیوں کو اور مومنوں کی بیویوں کو کہ چھنکا لیں وہ اپنی چادروں کو یہ نزدیک زیادہ ہے اس سے کہ پہچان لی جائیں کہ یہ آزاد عورتیں ہیں۔ اور ایذا نہ پہنچائی جائیں۔

١. اخرج ابن سعد عن محمد بن کعب القرظی رضی اللہ عنہ قال کان رجل من المنافقین یعرض نساء المومنین لیوذیھن فاذا قیل لہ قال کنت احسبھا امتہ فامر ھن اللہ تعالیٰ ان یخالفن ذی الاماء و یدنین علیھن من جلا بیبھن تخمرو جھھا الا احد عینیھا ذلک ادنی ان یعرفن یقول ذالک احری ان یعرفن۔

١۔ ابن سعد نے محمد بن کعب قرظی رضی اللہ عنہ سے تخریج کی ہے کہ منافقوں میں سے ایک شخص مسلمانوں کی عورتوں کو چھیڑا کرتا تھا اور انہیں ایذا دیتا تھا۔ جب اس سے کہا گیا کہ تو نے کیوں چھیڑا تو اس نے کہا کہ میں نے لونڈی سمجھا تھا۔ پس حکم کیا ان کو اللہ تعالیٰ نے کہ لونڈیوں کی ہیئت کے مخالف رہیں اور چھنکا لیں وہ اپنی چادروں کو اپنے اوپر تا کہ چہرا چھپ جائے مگر ایک آنکھ کھلی رہے یہ زیادہ نزدیک ہے اس سے کہ پہچانی جائیں آزاد عورتیں لونڈیوں سے۔

٢۔ و اخرج ابن جریر و ابن ابی حاتم و ابن مردویۃ عن ابن عباس رضی اللہ عنھما فی ھذہ الآیۃ قال امر اللہ نسآء المؤمنات اذا

خرجن من بیوتھن فی حاجۃ ان یغطین وجوھھن من فوق رؤسھن بجلابیب و یبدین عینا واحدۃ۔

٢۔ امام ابن جریر و ابن ابی حاتم و ابن مردویہ رضی اللہ عنہم نے سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے تخریج کی کہ حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مومنہ عورتوں کو حکم دیا۔ کہ جب کسی حاجت کے لیے گھر سے نکلیں تو اپنے چہروں کو ڈھانک لیں سر کے اوپر سے چادروں کے ساتھ اور ایک آنکھ ظاہر کریں

٣. و اخرج عبد الرزاق و عبد بن حمید و ابو داؤد و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و ابن مردویہ عن ام سلمۃ قالت لما نزلت ھذہ الآیۃ یدنین علیھن من جلا بیبھن و خرجن نساء الانصار کان علی رؤسھن الغربان من اکسیۃ سود یلبسنھا۔

٣۔ اور عبد الرزاق اور عبد بن حمید اور ابو داؤد اور ابن المنذر اور ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے تخریج فرماتے ہیں کہ جب یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی کہ چھنکا لیں وہ اپنے اوپر اپنی چادریں نکلتی تھیں انصار کی عورتیں اس حالت میں کہ گویا ان کے سروں پر کوے ہیں ان کی کالی چادروں کی وجہ سے جو وہ اوڑھا کرتی تھیں۔

٤. و اخرج ابن مردویہ عن عائشۃ رضی اللہ عنھا قالت رحم اللہ نساء الانصار لما نزلت یا ایھا النبی قل لا زواجک و بناتک و نسآء المومنین الآیۃ شققن مروطھن فاعتجرن بھا فصلین خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان علی رؤسھن الغربان۔

٤۔ ابن مردویہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تخریج کرتے ہیں کہ فرمایا

آپ نے کہ اللہ تعالیٰ۔ انصار کی عورتوں پر رحم فرمائی جب یہ آیۃ یا ایھا النبی آخر
تک نازل ہوئی تو انصار کی عورتیں اپنی چادریں پھاڑتیں اور ان کے ساتھ روپوش
بنالیا کرتی تھیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتی تھیں یہ معلوم ہوتا تھا
گویا ان کے سروں پر کوے ہیں۔

۵. و اخرج الفریابی و عبد بن حمید و ابن جریر و ابن المنذر و
ابن ابی حاتم عن محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ قال سالت عبیدۃ
رضی اللہ عنہ عن ھذہ الآیۃ یدنین علیھن من جلابیبھن فرفع ملحفۃ
کانت علیہ فقنع و غطی رأسہ کلہ حتی بلغ الحاجبین وغط و جھہ و
اخرج عینہ الیسری من شق و جھہ الایسر ممایلی العین۔

۵۔ اور فریابی اور عبد بن حمید اور ابن جریر اور ابن المنذر اور ابن ابی حاتم محمد
بن سیرین رضی اللہ عنہ سے تخریج کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے عبیدہ
سے یدنین علیہن کی تفسیر دریافت کی تو اپنی چادر کو اٹھایا جو ان پر تھی اور مقنع ڈالا
اور سر کو ڈھانک لیا یہاں تک کہ چادر ابرو تک پہنچی اور اپنا چہرہ ڈھانک لیا اور اپنی
بائیں آنکھ بائیں جانب سے چہرے کے نکالی۔

۶۔ و اخرج ابن ابی حاتم عن سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فی
قولہ یدنین علیھن من جلابیبھن قال یستداین علیھن جلابیبھن من ھو
القناع فوق الخمار ولا یحل لمسلمۃ ان یراھا غریب الا ان یکون
علیھا القناع فوق الخمار وقد شدت بہ راسھا و نحرھا۔

ترجمہ: ابن ابی حاتم سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے آیہ کریمہ یدنین علیہن کی
تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ جھکالیں اپنے اوپر چادریں اور جلابیب سے مراد وہ
مقنع ہے جو اوڑھنی کے اوپر ہوتا ہے۔ اور نہیں حلال کسی مسلمان عورت کو یہ کہ

دیکھے اس کو اجنبی مگر یہ کہ ہو اس پر مقنع اوڑھنی پر اور اس کے ساتھ سر اور سینہ کو
باندھا ہوا ہو۔

۷۔ واخرج ابن المنذر عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فی
قولہ تعالیٰ یدنین علیھن من جلابیبھن قال ھو الرداء۔

۷۔ اور مسند ابن منذر میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیچ
تفسیر آیہ کریمہ یدنین علیہن من جلابیبھن کہ مراد جلباب سے چادر ہے۔

اور اسی مضمون کی احادیث ابومالک اور ابوصالح اور ابوقلابہ ابن شہاب اور
کلبی اور معاویۃ بن قرہ اور ابن عباس اور امام حسن اور سدی اور عکرمہ اور عبداللہ
بن مسعود اور مجاہد اور محمد بن سیرین۔ صحابہ کرام اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین
سے تفسیر آیہ کریمہ مذکورہ میں روایتیں منقول ہیں جو گیارہ احادیث ہیں مگر بغرض
اختصار یہاں درج نہیں کی گئیں۔

مگر با ایں ہمہ ماظہر منہا سے مراد منہ ہاتھ ہوں خواہ برقع وغیرہ۔ علامہ زین
الدین ابن نجیم حنفی رحمۃ اللہ علیہ باب الامامۃ اپنی کتاب بحر الرائق شرح کنز
الدقائق میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔

ولا یحضرن الجماعات لقولہ تعالیٰ وقرن فی بیوتکن وقال
صلی اللہ علیہ وسلم صلوتھا فی قعربیتھا افضل من صلوتھا فی صحن
دارھا و صلوتھا فی صحن دارھا افضل من صلوتھا فی مسجد ھا و
بیوتھن خیر لھن ولا نہ لا یؤمن الفتنۃ من خروجھن اطلقہ فشمل
الشابۃ والعجوز والصلوۃ النھاریۃ واللیلۃ. قال المصنف (صاحب
الکنز الدقائق) فی الکافی والفتوی الیوم علی الکراھۃ فی الصلوات
کلھا لظھور الفساد و متی کرہ حضور المسجد للصلوۃ فلان یکرہ

حضور مجلس الوعظ خصوصا عند هؤلاء الجهال الذين تحلوا
بجليلة العلماء اولى ذكره فخر الاسلام و فى فتح القدير المعتمد منع
الكل فى الكل الا العجائز المتفانية فيما ظهر لى دون العجائز
المتبرجات و ذوات الرمق۔

ترجمہ: اور عورتیں جمعہ جماعت میں بھی مردوں کے مجمعوں میں نہ آئیں
بسبب فرمان اللہ جلشانہ کے ''اور قرار پکڑو تم اے بی بیو اپنے گھروں میں۔'' اور
فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عورتوں کی اپنی خوابگاہوں میں بہتر ہے اپنی
انگنائی میں پڑھنے سے اور اپنی انگنائی میں بہتر ہے مسجد میں پڑھنے سے اور
خوابگاہیں ان کی بہتر ہیں ان کے لیے اور اسی لیے کہ ان کے نکلنے میں فتنہ سے بے
خوفی نہیں ہوتی۔ اور چونکہ کنز میں مطلقا ممانعت ہے لہذا یہ ممانعت شامل ہے
جوان اور بڑھیا عورتوں کو دن رات کی نمازوں میں۔ علامہ ابو البرکات عمر و نسفی
مولف کنز کافی میں فرماتے ہیں۔ فی زمانہ فتوی اس پر ہے کہ پانچوں وقت کی کل
نمازوں میں عورتوں کو جماعت کے لیے نکلنا مکروہ تحریمہ ہے بہ سبب پھیلنے فساد کے
یعنی فسق و فجور کے مردوں میں۔ اور جب مسجد میں حاضر ہونے کی ممانعت ہے تو
وعظ کی مجلس میں (اس طرح مردوں اور عورتوں کو اختلاط کے ساتھ جیسے عروس اور
میلوں میں ہوتا ہے) حاضر ہونے سے زیادہ اولی ہے کہ ممانعت کی جائے۔
خصوصاً ایسے جاہلوں کے جلسوں سے جو علم دین سے بالکل جاہل اور مولویوں کے
لباس میں ظاہر ہو کر خواہشات نفسانی کے پھندے اور جال بچھاتے ہیں (جیسے
ہمارے زمانہ کے لیڈر اور ان کے کاسہ لیس خلافتی مولوی)۔ اس مضمون کو امام فخر
الاسلام نے بیان کیا ہے اور فتح القدیر میں امام ابن الہمام اپنے زمانے کے متعلق
تحریر فرماتے ہیں۔ میرے نزدیک قابل اعتماد یہی ہے کہ کل نمازوں میں جوان

اور بوڑھی عورتوں کو جماعت میں آنے سے روکا جائے جو زیب و زینت سے
مساجد میں آتی ہیں۔ ہاں ان کا مضائقہ نہیں جو پیر فانی یعنی بہت ضعیف ہو کر
مرنے کے کنارے جا لگی ہوں۔ (انتہی ترجمہ عبارت البحر)

اور فتح القدیر میں علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ شرح عبارت ہدایہ ویکرہ لھن حضور
الجماعات یعنی الشواب میں بعد رد و قدح اور توفیق و تطبیق احادیث مختلفہ اور اقوال
آئمہ آخر میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ جو ہدایہ میں ہے کہ جوان عورتیں امام اور
صاحبین سب کے نزدیک مسجد میں جماعت کے لیے آنے سے روکی جائیں مگر
بوڑھی عورتیں دن میں نہ روکی جائیں بخلاف رات کے اس واسطے کہ فاسق رات
کو سو جاتے ہیں اور شرارت کا موقع نہیں پاتے۔

وعلى هذا ينبغى على قول ابىحنيفة رحمه الله تفريع منع العجائز
ليلا ايضا بخلاف الصبح فان الغالب نومهم فى وقته بل عمم
المتاخرون منع العجائز والشواب فى الصلوات كلها لغلبة الفساق
فى سائر الاوقات۔

''اس قاعدہ پر بموجب قول امام اعظم رحمہ اللہ یہ فتوی دینا مناسب ہے کہ
رات کو بھی بوڑھیوں کو جماعت سے روکا جائے صبح کا مضائقہ نہیں کہ اس وقت
فاسق اکثر سوتے رہتے ہیں۔ اور متاخرین فقہاء تو دن رات کی تمام نمازوں میں
جوان و بوڑھی عورتوں کو شرکت جماعت سے مطلقا روکنے کا فتوی دیتے ہیں۔
بسبب غلبہ فاسقوں کے تمام وقتوں میں۔''

اور اسی عبارت ہدایہ کی شرح میں صاحب غایہ علامہ امام اکمل الدین تحریر
فرماتے ہیں۔

كانت النساء يباح لهن الخروج الى الصلوات ثم لما صار سببا

للوقوع فی الفتنة منعن عن ذالک جاء فی التفسیر ان قوله تعالیٰ ولقد علمنا المستقدمین منکم ولقد علمنا المستاخرین نزلت فی شان النسوة حیث کان المنافقون یتاخرون للاطلاع علی عوراتهن ولقد نهی عمر النساء عن الخروج الی المساجد فشکون الیٰ عائشة رضی الله عنها فقالت لو علم النبی صلی الله علیه وسلم ماعلم عمر رضی الله عنه ماذن لکِن فی الخروج فاحتج به علمائنا و منعوا لاشواب۔

''اول عورتوں کونمازوں کے لیے پانچوں وقت مسجد میں آنا جائز تھا پھر جب خوف فتنے کا زیادہ ہوا (یعنی زنا بکثرت ہونے لگا) جوان و بوڑھی سب عورتیں نکلنے سے روک دی گئیں۔ اسی صورت سے تفسیر آیہ کریمہ لقد علمنا المستقدمین منکم ولقد علمنا المستاخرین میں (یعنی ہم نے جان لیا تم سے پہلے پیچھے آئے والوں کو) لکھا ہے کہ یہ آیۃ عورتوں کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ جب منافق عورتوں کے گھورنے تاکنے کونماز میں تاخیر سے آنے لگے اور جب عمر رضی اللہ عنہ نے عورتوں کو مسجدوں سے روکا۔ انھوں نے حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے آکر شکایت کی۔ آپ نے فرمایا اگر حضور اس امر کو اپنے زمانے میں جانتے جو عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے والوں سے جانا ہے تو کبھی تم کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہ دیتے اس سے تمسک کر کے ہمارے علماء نے منع فرمایا۔''

اب سنئے احادیث صحیحہ بخاری شریف جو موید ہیں ہماری اس جملہ تحقیق کی۔

بخاری شریف: عن عبد الله ابن عباس رضی الله عنه قال کان الفضل ردیف النبی صلی الله علیه وسلم فجأت امرأة من خثعم فجعل الفضل ینظرُ الیها و تنظر الیه فجعل النبی صلی الله علیه وسلم

یصرف وجه الفضل الی الشق الآخر۔الخ

ترجمہ: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میرے بھائی فضل حضور کے ساتھ سوار تھے اتفاقاً جو ایک عورت قبیلہ خثعم کی آنکلی۔ فضل اس کی طرف دیکھنے لگے اور وہ فضل کی طرف۔ یہ دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف دیکھنے سے حضرت فضل کے منہ کو پھیرتے تھے۔

عن عائشة قالت کان عتبة بن ابی وقاص عهد الی اخیه سعد بن ابی وقاص ان ابن ولیدة زمعة منی فاقبضه قال فلما کان عام الفتح اخذه سعد بن ابی وقاص وقال ابن اخی قد عهد الی فیه فقام عبد ابن زمعة فقال اخی و ابن ولیدة ابی ولد علی فراشه فتسا و قا الی النبی صلی الله علیه وسلم فقال النبی صلی الله علیه وسلم (بعد سماع دعوهما) هولک یا عبد ابن زمعة ثم قال النبی صلی الله علیه وسلم الوَلد للفراش وللعاهر الحجر ثم قال لسودة بنت زمعة زوج النبی صلی الله علیه وسلم احتجبی منه لمارای من شبهه بعتبة فماراها حتی لقی الله عزوجل مع انه کان اخو سودة ام المومنین۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عتبہ بن وقاص نے اپنے بھائی سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے عہد لیا تھا کہ زمعہ والد ام المومنین سودا رضی اللہ عنہا کی لونڈی کے بیٹے میرے نطفہ سے ہیں (یعنی زمانہ جاہلیت میں میں نے اس سے زنا کیا تھا اور وہ حاملہ ہوگئی تھیں) ان کو تم لے لینا۔ جب مکہ معظمہ فتح ہوا اس لڑکے کو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بموجب وصیت اپنے بھائی عتبہ کے لے لیا اور کہا میرے بھائی نے اس امر کا مجھ سے عہد لیا تھا کہ یہ میرا بھتیجا ہے۔ حضرت عبداللہ بن زمعہ نے کہا میرا بھائی ہے اور میرے باپ کی لونڈی سے میرے باپ

کی ملک میں پیدا ہوا ہے جب یہ مقدمہ حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد ابن زمعہ کو فرمایا یہ تمہارا بھائی ہے اور زنا کا دعویٰ کرنے والے کو پتھر۔ پھر حضرت اُم المومنین سودہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا جو حضرت زمعہ کی بیٹی تھیں اور حضور کی بیوی کہ یہ لڑکا اگر چہ بموجب قاعدہ شریعت تمہارا بھائی ہے مگر صورت شباہت اس کی عتبہ بن وقاص مدعی زنا سے ملتی ہے اس وجہ سے اجنبی ہے لہٰذا اس سے پردہ کرو۔ ازاں بعد اس لڑکے نے مرتے دم تک حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو نہ دیکھا۔ (اگر منہ ہاتھ دیکھنا جائز ہوتا کبھی تو حضرت سودہ کو پھر دیکھتے)۔

عن انس رضی الله عنه قال لما تزوج رسول الله صلی الله علیه وسلم بعد فتح خیر و خرج الی المدینة قال فرأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم یحوی لها ورائه بالعباء ة ثم یجلس عند بعیره فیضع رکبته فیضع صفیة رجلها علی رکبته حتی ترکب۔ انتہی ملخصاً۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بعد فتح خیبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا اور مدینہ طیبہ کو روانہ ہوئے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ اپنی عبا ان پر ڈال کر ان کو چھپا لیتے پھر اونٹ کے پاس بیٹھ کر اپنا گھٹنا کھڑا کر لیتے پھر حضرت صفیہ اپنا پاؤں حضور کے گھٹنے پر رکھ کر اونٹ پر سوار ہو جاتیں پھر حضور سوار ہو جاتے۔

عن انس رضی الله عنه قال کنا مع النبی صلی الله علیه وسلم مقفلة من عسفان و رسول الله صلی الله علیه وسلم علی راحلته وقد اردف صفیة بنت حیی فعثرت ناقته فصرعا جمیعا فاقتحم ابو طلحة فقال یارسول الله جعلنی الله فداک قال علیک بالمرأة فقلب ثوبا

علی وجهه و اتاها فالقاه علیها و اصلح لهما مرکبهما فرکبا الخ۔

حضرت انس فرماتے ہیں مقام عسفان سے واپسی کے وقت ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیوی حضرت صفیہ کے ساتھ اونٹ پر سوار تھے۔ ناگاہ اونٹنی کا پاؤں پھسلا تو آپ اور ام المومنین صفیہ اونٹنی سے نیچے آ گئے۔ یہ دیکھتے ہی حضرت ابو طلحہ اپنی سواری سے کودے اور کہا۔ یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ آپ نے فرمایا صفیہ کو سنبھالو لہٰذا ابو طلحہ اپنے منہ پر کپڑا ڈال کر حضرت صفیہ کے پاس آئے پھر وہ کپڑا حضرت صفیہ پر ڈال دیا پردہ کرنے کے لیے۔ اور پھر اونٹ کے کٹھالے وغیرہ کو درست کیا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صفیہ سوار ہو گئے۔

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال بینما نحن عند النبی صلی الله علیه وسلم اذقال بینا انا نائم رایتنی فی الجنة فاذا امرأة تتوضا الی جانب قصر فقلت لمن هذا القصر قالوا لعمر فذکرت غیرته فولیت مدبرا فبکی عمر فقال اعلیک اغار یارسول الله صلی الله علیه وسلم۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر تھے کہ آپ نے فرمایا میں سو رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک عورت جنت میں ایک محل کے قریب وضو کر رہی ہے۔ میں نے پوچھا یہ کس کا محل ہے کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لہٰذا عمر کی غیرت یاد کر کے میں الٹا پھر آیا۔ یہ سن کر حضرت عمر روئے اور عرض کیا یارسول اللہ میں آپ پر بھی کیا غیرت کرتا۔

بخاری شریف کی جلد دوم میں ہے: فی تفسیر قل للمومنین یغضوا من ابصارهم و یحفظوا فروجهم قال قتادة عمن لاتحل لهم وقل

للمومنات يغضضن من ابصارهن و يحفظن فروجهن قال الزهری فی
النظر الی التی لم تحضن من النساء لا يصلح النظر الی شئی منهن
لمن يشتهی النظر اليه و انکاتت صغيرة و کره عطاء النظر الی
الجواری يبعن. بمکة الا ابن يريد ان يشتری۔

ترجمہ: کتاب التفسیر بخاری شریف میں ہے تحت تفسیر قل للمومنین
یغضوا من ابصارهم الآیة کو حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں معنی آیت
کے یہ ہیں کہ نامحرموں سے آنکھیں بند رکھو۔ محمد بن شہاب زہری تابعی فرماتے ہیں
یہ آیۃ محصنہ عورتوں پر نظر ڈالنے کی نسبت ہے کہ دل میں ان کے دیکھنے کی خواہش
اگر پیدا ہو۔ اگرچہ وہ چھوٹی عمر کی ہوں۔ ان کے سر سے پاؤں تک کسی چیز کا بھی
دیکھنا درست نہیں اور حضرت عطا تابعی فرماتے ہیں کہ جو لونڈیاں مکہ معظمہ میں بکتی
ہیں بغیر ارادہ خریدنے ان پر بھی نظر ڈالنا جائز نہیں۔

حضرت قتادہ اور زہری رضی اللہ عنہم کے اقوال سے صاف ظاہر ہو گیا کہ بلا
ضرور اگر دیکھنے کو جی چاہے۔ بازاری غیر محصنہ عورت اور لونڈیوں کا دیکھنا بھی
قصداً جائز نہیں۔ اور یہ معلوم ہو گیا کہ شہوت کے معنی منہ دیکھنے کی بحث میں جہاں
بھی لفظ شہوت آیا ہے اس سے مراد دل کی خواہش ہے نہ کہ تندی۔ اسی واسطے ہم
نے اکثر جگہ شہوت کے معنی دلی خواہش کے کئے ہیں۔

اور حدیث افک بخاری شریف میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی
ہیں۔ یہ واقعہ بعد نزول آیت پردہ کے تھا۔ لہذا فرماتی میں لشکر کے پیچھے تنہا رہ گئی
اور پاخانہ جانے آنے اور میرا ہار جو گر پڑا تھا اس کے ڈھونڈھنے میں مجھ کو دیر ہو گئی
اور لشکر اس گمان میں کہ میں اپنے ہودج میں آ بیٹھی ہوں گی میرے اونٹ کی نکیل
پکڑ کے حسب معمول روانہ ہو گیا۔ حضرت صفوان بن معطل جو لشکر کے پیچھے گری

پڑی چیز سنبھالنے کو رہتے تھے وہ قیامگاہ لشکر پر آئے اور انھوں نے چونکہ مجھ کو بچپن
میں دیکھا تھا لیٹا دیکھ کر پہچان لیا۔ اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے لگے ان کی
آواز سن کر میں جاگ پڑی اور میں نے اپنے منہ کو اپنی چادر سے ڈھانک لیا۔ اگر
منہ کا بخوف فتنہ ڈھانکنا لازم نہ تھا تو کیوں ام المومنین نے منہ ڈھانکا اور اسی
حدیث میں ہے۔ چونکہ ابھی پاخانے گھروں کے اندر نہیں بنے تھے ہم رات کو بوجہ
حکم پردہ کے پاخانہ جایا کرتے تھے اور ام مسطح میرے ساتھ ہوتی تھیں تاکہ کوئی ہم
کو نہ دیکھے۔ اب احادیث مسلم شریف ملاحظہ کیجئے۔

عن عائشة رضی الله عنها قالت كن يخرجن بالليل اذا تبرزن
الی المناصع وهو صعيد افيح و كان عمر بن الخطاب يقول احجب
نسائک فلم يکن رسول الله ﷺ يفعل فخرجت سودة زوج النبی
ﷺ ليلة من الليالی عشاء و كانت امرأة طويلة فناداها عمر الاقد
عرفناک يا سودة حرصا علی ان ينزل الحجاب قالت عائشة فانزل
الحجاب۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عورتیں رات کو جنگل کے میدان
میں پاخانہ جایا کرتی تھیں اور حضرت عمر حضور کی خدمت میں عرض کرتے رہتے
تھے کہ حضور امہات المومنین کو پردہ میں رہنے کی تاکید فرما دیں۔ مگر بلا حکم خدا حضور
تاکید نہیں فرماتے تھے ایک رات حضور کی بیوی حضرت سودہ جو لمبا قد رکھتی تھیں
جب رات کو پاخانہ کو نکلیں تو حضرت عمر نے ان کو آواز دی کہ میں نے تم کو پہچان لیا
ہے۔ اس امر کی امید پر کہ حکم پردے کا آ جائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی
ہیں اس کے بعد پردہ کا حکم منجانب اللہ آ گیا کہ رات کو بھی گھر سے نہ نکلیں۔

عن ابی سعيد الخدری رضی الله عنه قال كان فتی منا حديث

عهد بعرس قال فخرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم الى
الخندق فكان ذالک الفتى يستاذن رسول الله صلى الله عليه وسلم
بانصاف النهار فيرجع الى اهله فاستاذنه يوما فقال رسول الله صلى
الله عليه وسلم خذ عليک سلاحک فانی اخشی علیک قریظة
فاخذ الرجل سلاحه ثم رجع فاذا امرأته بين البابين قائمة فاهوى اليها
بالرمح ليطعنهابه و اصابته غيرة قالت له كف عليک رمحک و
ادخل البيت حتى تنظر ما الذى اخرجنى فدخل فاذا بحية عظيمة
منطوية على الفراش فاهوى اليها بالرمح فانتظمها به ثم خرج فركزه
فى الدار فاضطربت عليه فما ادرى ايهما كان اسرع موتا الحية ام
الفتىٰ۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک جوان کی جو ہم میں سے تھا نئی
شادی ہوئی جب ہم سب جنگ خندق میں خندق کھودنے کو مدینہ طیبہ سے باہر
نکلے۔ وہ جوان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر دوپہر کے وقت
اپنے گھر آجایا کرتا تھا۔ ایک دن حضور سے اجازت لے کر جب اپنے عیال میں
گھر جانے لگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ہتھیار ساتھ لے جاؤ مجھ کو
قبیلہ قریظہ سے ڈر ہے کہ راستہ میں تم پر حملہ کر بیٹھیں۔ وہ شخص اپنے ہتھیار برچھا
وغیرہ لے کر گھر کی طرف روانہ ہوا ناگاہ دیکھتا کیا ہے کہ اس کی نئی دولہن دونوں
کواڑوں کے درمیان دروازے پر کھڑی ہے۔ انھوں نے گھر سے باہر دروازے
پر اپنی بیوی کو کھڑی دیکھ کر ارادہ کیا کہ اپنی بیوی کے برچھا ماردیں اور انہیں اس کی
بے پردگی کی سخت غیرت آئی۔ دولہن نے ان کا یہ ارادہ دیکھ کر کہا کہ اپنا برچھا تو
روکو اور ذرا گھر میں آکر دیکھو کہ میں کیوں باہر نکلی ہوں۔ جب وہ گھر میں داخل

ہوئے دیکھا کہ بڑا سانپ فرش پر لپٹا ہوا پڑا ہے۔ یہ دیکھ کر انھوں نے سانپ کو
برچھی سے بیندلیا پھر باہر نکل کر اسے مکان کی دیوار سے کھینچ مارا اور سانپ ان کی
طرف تڑپا پھر نہیں معلوم کہ سانپ پہلے مرا یا ان جوان کا انتقال پہلے ہوا۔

اور تفسیر درمنثور میں ہے:

اخرج ابن ابى حاتم عن ام نائلة رضى الله عنها قالت جاء ابو
برزة فلم تجدام ولده فى البيت وقالوا ذهبت الى المسجد فلما جاء
ت صاح بها فقال ان الله نهى النساء ان يخرجن و امرهن ان يقرن فى
بيوتهن ولا يتبعن جنازة ولا يأتين مسجدا ولا يشهدن جمعة۔

ابن ابوحاتم ام نائلہ رضی اللہ عنہا سے اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں
کہ فرمایا ام نائلہ رضی اللہ عنہا نے کہ حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ اپنے گھر تشریف
لائے تو اپنی ام ولد کو گھر میں نہ پایا اور گھر والوں نے کہا کہ مسجد کی طرف گئی ہیں۔
جب وہ آئیں تو ان پر چیخے اور فرمایا کہ بے شک اللہ جلشانہ نے عورتوں کو گھر سے
نکلنے سے منع فرمایا ہے اور انہیں حکم دیا ہے۔ کہ اپنے گھروں میں قرار پکڑیں۔ نہ
جنازے کے ساتھ جائیں نہ مسجد میں اور نہ نماز جمعہ کو۔

واخرج الترمذى و البزار عنابن مسعود رضى الله عنه عن النبى
صلى الله عليه وسلم قال ان المرأة عورة فاذا خرجت استشرفها
الشيطان و اقرب ماتكون فى رحمة ربها و هى فى قعربيتها۔

اور ترمذی اور مسند بزار میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ
فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کا تو سارا ہی بدن واجب الستر ہے جب وہ
نکلتی ہے اس کو شیطان اچک اچک کر دیکھتا ہے۔ اور عورت اللہ کی رحمت سے
زیادہ تر نزدیک اپنے گھر ہی میں رہتی ہے۔

واخرج ابن ابی شیبة عن ابن مسعود رضی الله عنه قال احبتوا النساء فی البیوت فان النساء عورة وان المرأة اذا خرجت من بیتها استشر فها الشیطان وقال لها انک لاتمرین باحد الا اعجب بک۔

و اخرج البزار عن انس رضی الله عنه قال جئن النساء الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقلن یارسول الله صلی الله علیک ذهب الرجال بالفضل و الجهاد فی سبیل الله فمالنا عمل ندرک فضل المجاهدین فی سبیل الله فقال من قعدت منکن فی بیتها فانها تدرک عمل المجاهدین فی سبیل الله۔

اور مصنف ابو بکر بن ابی شیبہ میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا انھوں نے گھروں میں روک کر رکھو عورتوں کو اس واسطے کہ عورت ساری واجب الستر ہے جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو جھانکتا رہتا ہے اور اس سے کہتا ہے تجھ کو جو دیکھتا ہے پسند کرتا ہے۔

اور مسند بزار میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کچھ عورتوں نے خدمت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آ کر عرض کیا کہ مرد تو بزرگی اور جہاد میں ہم سے آگے نکل گئے کوئی ہمارے لیے بھی ایسا عمل ہے کہ مجاہدین فی سبیل اللہ کا مرتبہ حاصل کر لیں تو فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو تم میں سے گھر میں بیٹھی رہے یعنی باہر نہ نکلے وہ مجاہدوں کا مرتبہ حاصل کر لیتی ہے۔

اور منتخب کنز العمال میں ہے صحیح ابن حبان اور مسند امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ سے۔

عن ام حمید امرأة ابی حمید الساعدی رضی الله عنها قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم قد علمت انک تحبین الصلوٰة معی

و صلوتک فی بیتک خیر من صلوتک فی حجرتک و صلوتک فی حجرتک خیر من صلوتک فی دارک و صلوتک فی دارک خیر من صلوتک فی مسجد قومک و صلوتک فی مسجد قومک خیر من صلوتک فی مسجدی۔

حضرت ام حمید رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے ام حمید میں جانتا ہوں کہ تم کو میرے ساتھ میری مسجد میں نماز پڑھنے کی الفت ہے اور حال یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک تمہاری نماز تمہاری خوابگاہ میں بہتر ہے تمہاری نماز سے تمہاری کوٹھی میں یا دالان میں۔ اور کوٹھی میں بہتر ہے تمہاری نماز سے تمہارے احاطہ میں اور احاطہ میں بہتر ہے نماز سے تمہاری قوم کی مسجد میں اور تمہاری قوم کی مسجد میں بہتر ہے تمہاری نماز سے میری مسجد میں۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ اور حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابو حمید رضی اللہ عنہم سے اسی مضمون کی حدیثیں کنز العمال میں منقول ہیں جو بخوف طوالت وملالت طبع ناظرین بالتفصیل یہاں درج نہیں کی گئیں۔ اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر خوف فساق اور ڈر فتنہ وفساد اور زنا کا نہ ہو تو عورتوں کو برقع اور چادر میں منہ چھپا کر مسجد میں نماز کو اس طرح آنا جائز ہے کہ خوشبو لگا کر اچھے کپڑے پہن کر روشنی میں نہ آئے اور نہ گھر سے باہر نکلنا میلے ٹھیلے اور مزارات اولیاء اللہ پر مردوں میں مل جل کر جانا تو حرام ہی ہے مسجد میں نماز کو بھی آنا جائز نہیں اور نماز پڑھنے کے وقت منہ کھلے رہنے سے نماز میں کوئی حرج نہیں۔ اور اپنے گھر میں اگرچہ دیور جیٹھ نامحرموں کی آمد و رفت ہو اگر خوف فتنہ وفساد نہ ہو منہ ہاتھ کھلے رکھ کر کاروبار کرنا دینا لینا جائز ہے۔ مگر دیور جیٹھ کو منہ ہاتھ دیکھنا جائز نہیں۔ اور عورت کو ان کی نگاہ سے اپنے

آپ کو بچانا اتنا ضروری ہے کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو موت کی
برابر سمجھ لینا۔ اور جیسے موت سے ڈرتے ہیں ان سے ڈرنا۔ اور پھر بھی اگر ان کی
نگاہ اچانک پڑ جائے تو معاف ہے خواہ منہ ہاتھ پر پڑے یا لباس ظاہری پر خواہ
زیب و زینت ظاہری یعنی سرمہ انگوٹھی چھلے ہاتھ کی مہندی پر۔ قصداً بلا ضرورت
جائز نہیں۔ اور منہ ہاتھ دیکھنا تو درکنار بوقت ضرورت شرمگاہ تک کا دیکھنا جائز
ہے۔ جیسے بھوک سے مرجانے کے خوف کے وقت خنزیر اور مردار بھی بقدر جان
بچانے کے کھانا درست ہے۔ فقط۔ هذا ما عندی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

عورتوں کے بال کٹوانے کا مسئلہ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لوليه والصلوة والسلام على رسوله ونبيه واله و صحبه
الذين اتبعوهم باحسان بامره و نهيه اما بعد۔ واضح ہو کہ جب بعض
گمراہوں سے یہ ندا ضلالت بلند ہوئی کہ عورتوں کو مثل مردوں کی کانوں کی لو تک
بال رکھنا سنت ازواج مطہرات (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے) اور جواز میں تو
کلام ہی نہیں اس واسطے کہ مسلم شریف میں یہ حدیث موجود ہے۔ عن ابی سلمة
ابن عبد الرحمن رضي الله عنه قال دخلت على عائشة رضي الله عنها
انا و اخوها من الرضاعة فسالها عن غسل النبي صلى الله عليه وسلم
من الجنابة فدعت باناء قدر الصاع فاغتسلت و بيننا و بينها ستر
فافرغت على رأسها ثلاثا قال و كان ازواج النبي صلى الله عليه وسلم
ياخذن من رؤسهن حتى تكون كالو فرة۔ لہذا ضرور ہوا کہ قطع نظر اس امر
کے کہ اس حدیث کا پہلا ہی راوی عبید اللہ بن معاذ متکلم فیہ ہے چنانچہ تہذیب
التہذیب میں ہے۔ قال ابراهيم بن جنيد عبيد الله بن معاذ العبرى ليس

من اهل الحديث وليس مشهور۔ اس لیے پہلے اس کے معنوں میں غور کیا
جائے۔ اگرچہ یہ حدیث بمقابلہ دوسری احادیث صحاح کے جن میں عورتوں کو
مردوں کی مشابہت سے ممانعت ہے شاذ ہے۔ اور وہ شاذ جس کے مقابل میں اس
سے زیادہ حافظ اور ضابط راوی اس کے مخالف بیان کرتے ہوں اور یہ ان کی
مخالفت میں تنہا ہو تو مردود ہوتی ہے۔ اور اس حدیث کے راوی کا بیان جو ابوسلمہ
بن عبد الرحمن ہیں اگر اس حدیث کے یہی معنی لیے جائیں جو بعض گمراہوں نے
اخباروں میں لکھے ہیں کہ کانوں کی لو تک مثل مردوں کی ازواج مطہرات اپنے
بالوں کو رکھتی تھیں ظاہر ہے کہ مخالف ان راویوں کے ہے جو ان سے زیادہ ضابط
اور عادل اور ثقہ ہیں جو یہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد
فرمایا۔ ''اللہ کی لعنت ہو ان عورتوں پر جو مردوں کے ساتھ مشابہت پیدا کریں۔''
اور عبید اللہ مذکور اس بیان میں متفرد ہی ہے اس واسطے کہ بخاری شریف اور مسند
امام احمد رحمہ اللہ میں بعینہ یہی حدیث کسی معتبر سندوں سے حضرت ابوسلمہ سے بغیر
اس زیادتی کے منقول ہے اور قابل خوض و فکر بات یہ ہے کہ اس حدیث میں دو لفظ
مشترک المعنی ہیں۔ اول لفظ۔ اخذ کا جو یاخذن کا مادہ ہے اور دوئم لفظ وفرہ۔
چنانچہ صراح اور منتہی الارب میں ہے یقال اخذت الشئ گرفتم آنچیز را و یقال فلان
اخذ بندی گیرندہ نعت و یقال اخذ الشارب برید موئے بروت را۔ اس کے علاوہ
اخذ کے اور بھی معنی ہیں۔ مگر حدیث مذکور میں انہی تین معنوں میں سے ایک معنی
بن سکتے ہیں بلکہ دو ہی معنی۔ ایک بالوں کا کاٹنا اور دوسرا بالوں کو کسی چیز سے
باندھ لینا اور کسی تاگے سے قید کر لینا۔ اور دوسرا لفظ وفرہ بھی مشترک ہے چنانچہ
علامہ نووی اس حدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں۔ وفرہ لمہ سے بہت زیادہ اور
بھرے ہوئے سر کے بالوں کو کہتے ہیں۔ اور بقول اصمعی لمہ ان بالوں کو کہتے ہیں

جو دونوں کندھوں سے لگتے ہوئے ہوں اس صورت میں وفرہ وہ بال ہوئے جو
کندھے سے نیچے تک ہوں۔ اور علاوہ اصمعی کے دوسروں نے کہا ہے کہ وفرہ ان
بالوں کو کہتے ہیں جو لمہ سے کم ہوں یعنی کندھوں سے اونچے رہیں۔ اور منتہی
الارب میں ہے۔ ''وفرہ بالفتح ہوئے مجتمع برسر یا موئے تا نرمہ گوش۔'' لہذا اگر معنی
حدیث کے یہ کئے جائیں کہ ازواج مطہرات اپنے سر کے بالوں کو اتنا کاٹتی تھیں
کہ مثل وفرہ کی کانوں کی لو تک رہ جاتے۔ اور دوسری حدیثوں سے ثابت ہے کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر کانوں کی لو تک بال رکھتے تھے۔ اور زیادہ سے
زیادہ کندھوں تک۔ لہذا مردوں کو کانوں کی لو تک سر کے بالوں کا رکھنا سنت ہوا
اور زیادہ سے زیادہ کندھوں تک۔ اور اس سے زیادہ لمبے بال رکھنے سے مردوں کو
حضور نے کراہت فرمائی اور منع نہ فرمایا۔ اس واسطے کہ عورتوں کے بال اگر چہ
کندھے سے بہت زیادہ نیچے ہوتے ہیں ظاہر مگر مینڈی اور چوٹی کے ساتھ مزین
اور گندھے ہوئے ہوتے ہیں نہ کہ کھلے ہوئے مگر تاہم چونکہ کندھوں سے زیادہ
عورتوں کے بال ہوتے ہیں آپ نے مردوں کے واسطے کھلے ہوئے رکھنا بھی
ناپسند فرمایا۔ اور منع اس واسطے نہیں فرمایا کہ کھلے ہوئے لمبے بال رکھنے میں پوری
مشابہت عورتوں کے ساتھ نہ تھی۔ چنانچہ مشکوۃ شریف میں ہے۔

قال النبیؐ صلی الله علیه وسلم نعم لارجل خریم الاسدی لو
لاطول جمته واسبال ازاره فبلغ ذالک خریما فاخذ شفرة فقطع بها
جمته الی اذنیه و رفع ازاره الی انصاف ساقیه. رواہ ابوداؤد۔

ابوداؤد میں ہے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسمل نے خریم اسدی اچھے آدمی ہیں
اگر ان کے بال لمبے نہ ہوتے۔ اور تہبند چھنکا ہوا۔ (یعنی ٹخنے سے نیچا) یہ خبر جب
حضرت خریم کو پہنچی۔ تو حضرت خریم نے اپنے بالوں کو چھری سے کاٹ کر کانوں

تک کرلیا اور تہبند آدھی پنڈلی تک اونچا۔

جب یہاں تک مردوں کو عورتوں کی مشابہت سے اور عورتوں کو مردوں کی
مشابہت سے منع فرمایا تو ازواج مطہرات کے ساتھ عالم تو کہاں کوئی جاہل
مسلمان بھی ایسا خیال نہیں کرسکتا کہ وہ مردوں کی طرح کانوں کی لو تک بال رکھا
کرتی تھیں۔ اور مردوں کے ساتھ مشابہت پیدا کر کے (نعوذ باللہ منہا) مستحق
لعنت بنتی تھیں۔ اس واسطے کہ حدیث صحیح میں آیا ہے جو بہت سے طریقوں سے
کتب صحاح خصوصاً بخاری شریف میں منقول ہے۔

قال النبی صلی الله علیه وسلم لعن الله المتشبهین من الرجال
بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال رواه البخاری عن ابن
عباس۔

ترجمہ:۔ بخاری شریف میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا
نبی صلی اللہ علی وسلم نے لعنت ہو اللہ کی ان مردوں پر جو عورتوں کے ساتھ مشابہت
پیدا کریں۔ ''مثلاً داڑھی مونچھ منڈا کر عورتوں کی شکل بنا دیں'' اور اللہ کی لعنت
ہو ان عورتوں پر جو مردوں سے مشابہت حاصل کریں۔

مثلاً (''مردوں کی طرح بال کٹوا کر کانوں کی لو تک بال رکھیں اور مردوں
کی شکل بنا کر یہاں تک کہ ٹوپی پہن کر مستحق لعنت خداوند کریم بنیں۔'')

لامحالہ اگر اخذ کے معنی کاٹنے ہی کے لیے جائیں تو لفظ وفرہ کے معنی وہی لیے
جائیں گے جو امام نووی رحمہ اللہ نے اول بیان کئے ہیں کہ وفرہ لمہ سے یعنی
کندھے تک کے بالوں سے بہت زیادہ نیچے ہوتے ہیں تا کہ مردوں کے بالوں
سے مشابہت نہ ہو۔ اور نسبت ارتکاب ایسے فعل کی جو موجب لعنت خدا اور سول ہو
ازواج مطہرات کی طرف لازم نہ آئے۔ مگر اس صورت میں انگل دو انگل بال

کاٹنے کی نسبت ازواج مطہرات کی طرف کرنا بے سود معلوم ہوتا ہے اس واسطے کہ احرام سے حلال ہونے کے وقت بھی عورتوں کو بالوں کا کٹوانا اگرچہ واجب ہے اور منڈوانے کی قطعاً ممانعت۔ مگر وہ بھی انگل دو انگل سے زیادہ کٹوانا منع ہے۔ چنانچہ بحرالرائق میں ہے۔

والمراد بالتقصیران یاخذ الرجل اوالمرأة من شعور ربع الرأس.

اورہدایہ میں ہے۔

والتقصیران یاخذ من روس شعره مقدار الانملة.

اورعنایہ میں ہے۔

قوله مقدار الانملة قیل هذا التقدیر مروی عن ابن عمر رضی الله عنهما ولم یعلم فیه خلاف

یعنی شرعاً تقصیر اس کو کہتے ہیں کہ بالوں کے سرے سے ایک دو انگل بال کاٹ دیئے جائیں صاحب عنایہ فرماتے ہیں۔ تقصیر کے یہ معنی کہ ایک دو انگل بال کاٹے جائیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔ اور اس میں آج تک کسی کا اختلاف معلوم نہیں ہوا۔ مگر حج میں تو قصر رکن حج قرار دیا گیا۔ علاوہ حج کے ازواج مطہرات کو اتنا قصر کرانے سے کیا فائدہ تھا کہ عبث فعل کا ارتکاب کرتیں اس لیے کہ ازواج مطہرات عبث فعل سے مبرا اور پاک ہیں۔ حدیث صحیح میں ہے۔

من حسن اسلام المرأ ترک مالا یعنیه.

یعنی ہر شخص کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ بے فائدہ باتیں چھوڑ دے۔ اور ایماندار مسلمانوں کے نزدیک تو بلا شبہ ازواج مطہرات کے اسلام سے بہتر اسلام

کسی کا نہیں ہوسکتا۔ لامحالہ اس حدیث کی تاویل یہی ہوسکتی ہے کہ اخذ کے معنی بند گرفتن کے لیے جائیں اور وفرہ کے معنی موئے مجتمع کے۔ اور حدیث کے یہ معنی کئے جائیں کہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور کی جدائی کے غم میں جو دلیل کمال ایمان کی ہے ازواج مطہرات نے کنگھی چوٹی مینڈھی گوندھنے کے ساتھ زیب و زینت چھوڑ دی تھی۔ اور بالوں کو یونہی باندھ لیا کرتی تھیں۔ جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ سر پر بال مجتمع ہو رہے ہیں۔ جن کے غسل میں نہ کھولنے کی ضرورت اور نہ انگلیوں سے جڑوں تک پانی پہنچانے کی حاجت۔ اسی شبہ کے رفع کرنے کو حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے یہ مضمون حاجت سے زیادہ بیان کیا کہ کوئی یہ نہ پوچھ بیٹھے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بغیر مینڈھی چوٹی کھولنے کے یونہی غسل کر کے کیسے دکھا دیا۔ جب بالوں کی جڑوں میں پانی نہ پہنچے اس وقت تک غسل جنابت سے پاکی کب حاصل ہوسکتی ہے لہذا اس شک کو رفع کر دیا اور فرما دیا کہ ازواج مطہرات نے مینڈھی چوٹی کا باندھنا اور زینت حاصل کرنا بعد رحلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چھوڑ دیا تھا اس واسطے کہ آپ کے سامنے ازواج مطہرات کا مینڈھی چوٹی گوندکر زیب و زینت کے ساتھ مثل اور عورتوں کے احادیث صحیحہ کے ثابت ہے۔ نووی میں ہے کہ قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بات مشہور طشت از بام افتادہ ہے۔ جس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ عرب کی عورتیں مینڈھی اور چوٹی کے ساتھ زیب و زینت حاصل کیا کرتی تھیں۔ یونہی بالوں کو اکٹھا کر کے باندھ لینے کا طریقہ نہ تھا۔ مگر ازواج مطہرات نے بعد رحلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور کے غم میں یہ طریق اختیار کیا تھا تاکہ زینت بھی نہ ہو اور مینڈھی چوٹی باندھنے کی محنت بھی کم ہو جائے۔ اس واسطے کہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ زیب و زینت سے مستغنی ہو چکی تھیں۔

اور یہ جو قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعد وفات ایسا کیا تھا یہ قول دوسرے محدثوں کا بھی ہے۔ اس واسطے کہ ازواج مطہرات کے ساتھ یہ گمان نہیں ہوسکتا کہ حضور ﷺ کے سامنے ترک زینت کردیں۔ یہ تحقیق تو ان آزاد خیالوں کے متعلق کی گئی ہے۔ جو اپنے آپ کو حنفی مشہور کر کے مسلمانوں کو غیر مقلدوں سے زیادہ بگاڑنے اور آزاد خیال بنانے کی کوشش کررہے ہیں۔ ورنہ مقلدین کو خصوصاً ہم حنفیوں کو احکامات فقہ کافی ہیں۔ درمختار میں ہے۔

وفیہ قطعت شعر رأسھا اثمت و لعنت زاد فی البزازیۃ و ان باذن الزوج لانہ لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق ولذا یحرم علی الرجل قطع لحیتہ والمعنی الموثر التشبہ بالرجال. قال الشامی رحمہ اللہ قولہ والمعنی الموثر ای العلۃ الموثرۃ فی اثمھا التشبہ بالرجال فانہ لا یجوز کالتشبہ بالنساء حتی قال فی المجتبی رامزاً یکرہ غزل الرجل علی ھیئۃ غزل النساء۔

اور اسی (مجتبی) میں ہے کاٹے عورت نے بال سر اپنے کے تو وہ گنہگار بھی ہوئی اور ملعون بھی۔ بزازیہ میں اتنا زیادہ ہے کہ اگر خاوند کی اجازت سے بھی کاٹے تو ملعون ہوگی اس واسطے کہ اللہ کی نافرمانی میں کسی کی تابعداری جائز نہیں۔ اور اسی واسطے حرام ہے مردوں پر ڈاڑھی کا کٹوانا۔ اور علت گنہگار اور ملعون ہونے عورت کی مردوں کے ساتھ مشابہت پیدا کرنا ہے۔ علامہ شامی اس کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ جیسے عورتوں کو مردوں کی مشابہت حرام ہے ایسے ہی مردوں کو عورتوں کی مشابہت حرام ہے۔ یہاں تک کہ مجتبیٰ تو فرماتے ہیں کہ عورتوں کی طرح مردوں کو کاتنا بھی مکروہ تحریمہ ہے

اور کتاب النکاح اشباہ والنظائر میں ہے۔

لا یجوز للمرأۃ قطع شعرھا ولوباذن الزوج ولا یحل وصل شعر غیرھا بشعرھا قال الحموی رحمہ اللہ فی شرحہ قولہ لا یجوز للمرأۃ قطع شعرھا قال فی البزازیۃ و علیھا الاستغفار. وقولہ ولا یحل وصل شعر غیرھا بشعرھا ای یکرہ تحریما. قال فی البزازیہ ولو بالو بر لا یکرہ۔

ترجمہ: جائز نہیں ہے عورت کو اپنے سر کے بالوں کا کٹوانا۔ اگر خاوند کی اجازت سے کٹوائے۔ ایسے ہی حلال نہیں ہے عورت کو دوسری عورت یا مرد کے بالوں کو اپنے بالوں سے ملانا۔ حموی فرماتے ہیں اگر سر کے بال (کسی گمراہ کے بہکانے سے کٹوا بھی لیے) تو فتاویٰ بزازیہ میں اتنا زیادہ ہے کہ اس پر لازم ہے توبہ اور استغفار کرے۔ اور اسی بزازیہ میں ہے کہ اگر جانوروں کے بالوں کی چوٹی بنا کر بالوں سے ملالے تو جائز ہے۔

اور فتاویٰ عالمگیریہ اور اسی اشباہ والنظائر کی کتاب النکاح میں دوسری جگہ ہے۔

و تمنع عن حلق رأسھا قال الحموی فی رشحہ للاشباہ ان المراد تحلق شعر راسھا الا لزالۃ سواء کان بحلق اوقص اونتفا و نورۃ فلیحرر والمراد بعدم الجواز کراھۃ التحریم کما فی مفتاح السعادۃ۔

ترجمہ: عورت کو سر منڈانا ہی منع ہے علامہ حموی اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔ مراد منڈوانے سے یہ ہے۔ بالوں کا سر سے دور کرنا خواہ منڈا کر خواہ کٹوا کر خواہ اکھڑوا کر خواہ نورہ سے سب برابر ہے اور مراد عدم جواز سے کراہت تحریمہ ہے۔

اس کی تصریح کتاب مفتاح السعادۃ میں ہے۔